



جنتی آواز

خواجہ احمد نورانی کی لکھی ہوئی کہانی

ریکا دا بیس

AUGUST
2016

ریکا

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
WWW.PAKSOCIETY.COM

ماڈل: مایا ملک
پیک اپ پروڈیوٹی ہاؤس
نورنگرانی پبلیشرز

مستقل سلسلے

۲۴۷	صالحمحمد	۷	سندیے	ردائے جنت
۲۵۴	ثریا اقبال	۲۳۳	چکن	ردا کی ڈائری
۲۵۷	شہلا مشائق	۲۳۳	سنگھار	ذرا پھر سے کہنا
۲۳۲	نورین ملک	۲۴۰	اشعار	خوشبو
۲۵۲	ادارہ	۲۳۸	دوستوں کے نام پیغام	اس ماہ میں

ناولٹ

۵۲	عائشہ الیاس	کانچ کی مسافت
۱۳۰	امیر گلشن شاہل	تیرے کسی لمحے میں ٹھہر سکوں

افسانے

۶۶	صالحمحمد	بس ایک جھلک کی عید
۷۲	ایقان علی	زہرہ
۷۸	ثناء کنول	دل و نگاہ میں کس طور
۸۴	شہلا گل سحر	عید کے رنگ ردا کے سنگ
۱۲۸	سعدیہ اقبال	ہجر محبت کی یاد میں
۱۵۲	سحر مبین	ساگرہ
۲۰۰	حنا کنول	عشق نہ پوچھیں ذاتاں
۱۵۸	جویریہ بانو	تن کی دنیا
۲۱۴	رابعدولی	خود فریبی
۲۲۲	سعدیہ عابد	زندگی روٹھ جائے
۲۳۰	نائمہ غزل	دہرے معیار
۱۹	آسیہ مظہر	یہ دھرتی ہمارا مان

گوشہ آگہی ۶ صالحہ محمود

انٹرویو

۶	نورین ملک	صالحمحمد
۱۶	علشہ نور	مایا علی

سلسلے وار ناول

۲۰۲	عائشہ ذوالفقار	چل اڑ جا اب تیری باری
-----	----------------	-----------------------

مکمل ناول

۲۲	فریدہ فرید	ہمیں مار گئی تیری چاہ بیا
۹۰	ریحانہ آفتاب	جھلی رے
۱۶۴	تہمینہ الیاس	تم دل میں دھڑکن

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 8
قیمت 60 روپے

www.facebook.com/rida.digest

720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے اپنی حسن پرشک پرپس سے پھوپھا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ ڈی بلاک 2۔ پی۔ ای۔ سی۔ ایچ۔ سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-
ادارہ "ردا" انجمن شاعری ہونے والی ہرگز کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی فی وی چین یا ڈرامہ، ڈرامائی تھیل اور سلسلے وار کسی بھی ناول کی اشاعت پر ادارہ چدری کی ایف آئی آر درج کرادے گا اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "ردا" مایکیشن۔

WWW.PAKSOCIETY.COM



انٹرویو

گوشہ

نورین ملک

یقین آج بھی ساتھ ساتھ ہے میں نے کئی اچھے رائٹرز بنادیے جو مختلف رسائل میں آج بھی لکھ رہے ہیں۔

آج پھر چودہ اگست کے لئے میں ایک بار پھر اسی ٹیبل پر بیٹھی لکھ رہی ہوں۔ ہاں آج یہ ضرور ہے کہ آج شبینہ ملک نہیں، نورین ملک ہم سے سوال کر رہی ہیں۔

کیا جواب دوں؟ سوچ رہی ہوں ارد گرد بکھرے ہوئے حالات کشمیریوں کی جدوجہد، آخری سچ پر پہنچ چکی ہے چودہ اگست کا دن خواب ادھورا ادھورا لگتا ہے کشمیریوں کی بناء دعا ہے کہ آزادی انہیں بھی نصیب ہو۔

دوسری طرف اپنے ارد گرد افراتفری کا عالم، کرپشن اور چور دروازوں کی دستک، احتجاج اور

تاروں بھری جھللاتی شب لیکن اس دن بھی جس بھری رات تھی جب میں پہلا ادارہ 17 سال پہلے لکھ رہی تھی، بس ایک جوش و جنون تھا، میرے عشق کا وہ پہلا لمحہ جب صبح کالی جا رہی تھی اس کے لئے ادارہ لکھنا میرے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی کہ میں چیف ایڈیٹر بننے جا رہی ہوں میرا یہ سفر مشکل ضرور تھا مگر میں پر امید تھی میں عزم و یقین کے ساتھ اپنے رب کی شکر گزار تھی کہ ہمیں اس نے ہماری اوقات سے زیادہ نوازا دیا۔ میری سرشت میں جو خمار تھا بتاؤں کیا؟ روشن جگنو کی طرح دھک رہے تھے لفظ پاؤں زمین پر دھروں تو یوں لگے کہ ہواؤں میں ہوں۔

زندگی کی رفتار رکتی نہیں ہے کوئی کسی کے لئے نہیں رکتا سب لمحے گزر جاتے ہیں، میرا عزم و

دھرنے کی آمد، کون کہاں جائے گا یہ نہیں معلوم زندگی ایک خواب کی مانند ہے جو کسی لمحے کسی کی بھی بکھر جائے گی، دائمی تو کوئی بھی نہیں ابد سے ازل تک پھیلی ہوئی ذات صرف باری تعالیٰ کی ہے۔ خوش رنگ بہاروں کے جھونکے سبز ہلالی پرچم سدا ہماری زمین پر ہے۔ سرزمین پاک کی خاطر لاکھوں انسانوں کی قربانیوں کا ایک دن چودہ اگست جو ہماری تاریخ رقم کرتا ہے ہمارے آباؤ اجداد کی لہو سے رقم کی ہوئی کہانیاں یاد رکھنی چاہئیں کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے ہمت اور جذبے کی ضرورت ہوتی ہے، سرزمین پاک کی طرح کسی ایک لمحے کو بھی فوکس کر سکتے ہیں، ایک افسانہ ناول، ناولٹ کو فوکس کر سکتے ہیں۔ اس میں لئے گئے سبکیٹ پر آپ بہتر کام کر کے خود کو منوا سکتی ہیں۔

ہمارے ارد گرد آج بھی ستاروں کی مانند وہ سارے رائٹرز جو آئے چلے گئے اور جو آج بھی ہیں۔ جن کی محبتوں نے مجھے بہت معتبر بنا دیا، میں آج جو کچھ ہوں وہ سب آپ کی محبتوں اور چاہتوں کی بدولت ہوں میرے ہر لفظ ہر کاوش کو سراہا گیا اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں خواتین رسالے کی پہلی چیف ایڈیٹر ہوں۔

یہ موسم بیدار ایک ایک لمحے کو اجاگر کر رہے ہیں میری محنت میری لگن میری جدوجہد ایک طویل داستان ہے جو میں لکھ نہیں سکتی اور لکھنا چاہوں تو آپ سب سامنے آ جاتے ہیں آپ کے چہرے آپ کی آوازیں، مجھے محبتوں سے ہمکنار کرتی ہیں، سمندر کی وہ بے قرار لہریں جنہوں نے مجھے پہلی بار لکھنے کا احساس دلایا تھا۔

زیادہ تر سوالات آپ لوگ لکھنے لکھانے سے

متعلق پوچھتے ہیں۔ خالق حقیقی جسے چاہتا ہے اسے وہ عطا کرتا ہے گھر کا ماحول بھی ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

میرے قلمی اور ادبی سفر کے بارے میں نورین ملک جو مجھ سے سوال کر رہی ہیں میں ان کے جواب دے رہی ہوں۔

ہمارے ناولز کے بارے میں اکثر آپ لوگ پوچھتے رہتے ہیں۔ دیا میرا سیاسی پس منظر، بھنگی رت، افسانوں کا مجموعہ، بچی کلیاں آنگن کی تم میرے ہو کے رہو، رگ و جاں سے جو قریب تھے سلسلے دار ناولز تھے نظموں کا مجموعہ، اشاعت کا ایک طویل سلسلہ موجود ہے لیکن فرصت نہیں ملتی، یوں لبالب دریا تو بھرا ہے اور ایک پیاسا قریب نہ آئے وہی صورت میری ہے میں لکھنا چاہتی ہوں لیکن آپ لوگوں کا خیال آ جاتا ہے میں اپنی جگہ آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں، بس یہی خواہش ہے میری، آپ کا تعاون آپ کی محبتیں ساتھ ساتھ اور میں ہوں، نورین ملک کے سوالوں کی یو چھاڑ میں تو پڑھیں اور دیکھیں سوالات جو مجھ سے پوچھے جارہے ہیں۔

(آئی) قارئین بے شمار خطوں میں صرف یہی سوال ہوتا ہے کہ میڈم کا مکمل انٹرویو دیں۔ سو اس بار ہم نے 14 اگست کی خوشی میں ان سے کچھ ذاتی نوعیت کے سوالات جو آپ جانتا چاہتے تھے وہ کئے ہیں خاص طور پر ”ردا“ کی سالگرہ پر ایٹیشل ردا کے بارے میں ہی کچھ سوالات ہیں، جو میں نے ان سے کئے ہیں۔ لہذا آپ بھی پڑھیں۔

☆ آپ ردا کے بارے میں بتائیے کہ ردا کا خیال آپ کو کیسے آیا؟

ردا ڈائجسٹ [7] اگست 2016ء

جیسا کہ کئی بار بتا چکی ہوں کہ ردا God Gifted ہے اور خدائے ہر لمحے اس میں رہنمائی کی اور اللہ کی ذات اتنی انوار ہی میرے ساتھ کہ یقین کی حد تک۔ جب خدا کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے تمام رستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ نظریاتی بنیاد پر جب ہماری اشاعت روک دی گئی، ایڈیٹر خود مجھ سے شرمندہ تھی کہ پہلی بار ہمارے ساتھ ایسا ہوا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ جون 1992ء سے لے کر 1993ء تک سندھ فوجی تہذیب کی زد میں تھا، ایسے دور میں مزاحمتی کالم لکھتی تھی، ظلم دیکھنا میری سرزدشت میں نہیں ہے۔ میں انسان پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی اور میرا قلم ہیرٹ کی طرح اس ظلم کے خلاف مزاحمتی کالم لکھتا رہا۔ جب تک سندھ آپریشن ختم نہیں ہوا یہ میرے ضمیر کی آواز تھی کہ میں نے ظلم کے خلاف جدوجہد کی اس کی پاداش میں نظریاتی تعصب کی بنیاد پر میرا ناول ”پچی کلیاں آگن کی“ ایڈیٹ کرنے کے بعد روک دیا گیا اور میری جگہ رفعت سراج کو موقیع دیا گیا، حالانکہ وہ حق میرا تھا، ایڈیٹ کرتے وقت تمام میٹرل کمپوزنگ کے لئے تیار تھا جس کو کسی بھی ادارے میں نہیں لیا جاسکتا۔ ایڈیٹر نے مجھ سے خود کہا کہ میں ایک لڑکی رکھ کر آپ کا ناول پھر لکھوا دیتی ہوں بس شاید وہی لمحہ کاتب تقدیر نے ردا کے لئے منتخب کر لیا تھا اور ردا میں چلنے والا ناول تمام ایڈیٹنگ کے ساتھ موجود تھا ورنہ شاید ردا نکالنا اتنا آسان نہ ہوتا، کیونکہ کسی بھی رسالے کے لئے سلسلے وار مکمل ناول اس کی گارنٹی ہوتا ہے سو بس ردا کے قدم اسی ناول پر جم گئے۔ کچھ ہماری پچھلی شناخت بھی موجود تھی اور جن بھی بڑی بڑی پروڈکٹ والوں

کے پاس میں لاچنگ کرتے وقت گئی ان کا بھرپور تعاون ہمارے ساتھ رہا ہے۔
☆ ”ردا“ میں سب سے بڑا تعاون کس کا تھا؟
میرے شوہر کا۔
☆ شعبہ اشتہارات میں آپ نے کس طرح کامیابی حاصل کی؟
ہمارے برادران لاء محمد علی جو کہ ایک کامیاب بزنس مین ہیں انہوں نے مجھے گائیڈ کیا اور آج تک میں اسی گائیڈ لائن پر عمل کرتی ہوں اور شکر اللہ کا کہ تمام بڑی بڑی پروڈکٹ ابتداء سے آج تک ردا سے منسلک ہیں اور دوسری کمپنیاں مجھے خود فون کرتی ہیں اشتہارات کے لئے۔ اشتہارات کے لئے ایک خاص نظریہ رکھا ہے میں نے تہذیب کے دائرے میں رہ کر اشتہار لیا جاتا ہے جسے میری بھی بیٹی پڑھ اور دیکھ سکے میں کسی بھی اٹلے سیدھے جادو منتر باباجی کے اشتہارات نہیں لیتی ہوں اور نہ ہی اس میں کوئی ایسا سلسلہ رکھا ہے جس میں لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹا جاتا ہے۔
☆ آپ نے ”ردا“ کی جدوجہد میں کس کس کو شامل کیا؟
ابتداء میں اسٹاف بہت کم تھا، ڈائیر ایک لڑکی میں خود تھی۔ دس انسانوں کے برابر میں رات دن کام کرتی تھی۔ صبح دس بجے ہم نکلتے تھے اور سات بجے واپسی ہوتی تھی۔ ابتدائی دنوں کی یادمت و لا میں بڑا دشوار اور کھن سفر تھا جس پر میں نے قدم رکھ دیا تھا لیکن میں لیو ہوں اس لئے ویرنی اسٹرونگ اور اپنی کامیابی پر یقین رکھتی ہوں۔
☆ آپ کی اتنی جدوجہد میں آپ کا گھر اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچے تو متاثر نہیں ہوئے؟
میدم نورین صاحبہ! کبھی نہیں نہ کل نہ آج میں ہر کام کو وقت پر کرنے کی عادی ہوں اس لئے کبھی دشواری نہیں ہوئی۔

☆ ردا کے حوالے سے مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی کہ یہ ”ردا گائیڈ کارنز“ کیا ہے؟
نورین! میں نے سنگاپور میں ایک گائیڈ کارنز جوائن کیا تھا جہاں پر لکھنے کے حوالے سے یہ بتایا جاتا تھا کہ آپ ایک ناول ڈرامہ یا افسانہ کیسے لکھ سکتے ہیں۔ سنگاپور انسٹی ٹیوٹ سے میں نے سیکھا؟ How to write story بس مجھے ایک تجسس تھا کہ میں دیکھوں کہ مغربی رائٹر کیسے اور کیا لکھتے ہیں لہذا میں نے کچھ چیزیں سیکھیں جن سے میں متاثر ہوئی اور وہی طریقہ کار میں نے ردا میں نئے لکھنے والوں کو گائیڈ کرتے ہوئے اپنایا۔ لہذا جن کے اندر لکھنے کے جراثیم موجود ہوتے ہیں وہ ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں اور اپنی حیثیت منوا کر رہتے ہیں دوسری صورت میں وہ دو ایک کہانیاں لکھ کر غائب ہو جاتے ہیں لیکن میں پھر بھی انہیں موقع دیتی ہوں مگر وہ دو چار قدم چل کر ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، بہت سے ایسے رائٹرز ہیں جن کو میں نے گائیڈ کیا اور آج کل وہ دوسری جگہ پر لکھ رہے ہیں مجھے خوشی ہوتی ہے یہ دیکھ کر۔

☆ آپ کو خود ردا کیسا لگتا ہے؟
آخری کاپی جانے تک میں اس کے عشق کے جنون میں گرفتار رہتی ہوں اور جب ہاتھ میں آتا ہے تو بے یقینی کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ بار بار اس کا ایک ایک صفحہ پلٹ کر پڑھتی اور دیکھتی رہتی ہوں اور مجھے اس میں ہر بار کوئی نہ کوئی کمی

محسوس ہوتی ہے اور خوشی اس بات کی ہے کہ میں پہلی چیف ایڈیٹر ہوں جس کی ایڈیٹر ٹیل سے لے کر آخری کاپی تک میری نظر میں ہوتی ہے اور یہی میری کامیابی کا راز ہے ردا کے لئے تو اتنے جوابات ہیں میرے پاس کہ شاید آپ کے پاس اتنے سوالات بھی نہ ہوں مگر پھر وہی بات کہ ردا میں دوسروں کا بھی حصہ ہے تو آپ چند سوالات اور کریں اور یہ سلسلہ ختم کریں۔

☆ لکھنے کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟
لکھنے کا شوق شاید قدرت نے میری گھٹی میں ڈال دیا تھا، زمانہ طالب علمی میں بچوں کی کہانیاں لکھا کرتی یا پھر گھر میں بیٹھ کر کسی ضعیف خاتون سے یا کام کرنے والوں کے گھروں میں جا کر ان سے پریوں اور جنوں کی کہانیاں سنا کرتی۔ اکثر مجھے اس بات پر ڈانٹ بھی پڑتی مگر سرشت میں خمار گندم شامل تھا پھر اچانک زندگی میں پہلی بار ایک انقلاب آیا۔ پچھرنے مجھے بلا کر پوچھا ”کیا تم سلیم باسط کی بہن ہو؟“ میں نے کہا۔ ”نہیں“۔ پھر میرے مضمون ”سمندر“ کی بے حد تعریف کی اور کہا ”میں اس کو میگزین کے لئے سلیکٹ کر چکی ہوں میڈم نے آپ کو بلایا ہے۔“ وہاں جواب طلبی تھی کیا واقعی یہ آپ نے لکھا ہے؟ کہیں سے نقل تو نہیں کیا؟ اگر ایسا ہے تو اس کی سزا ملے گی وہاں پر مجھے پہلی بار یقین ملا میں لکھ سکتی ہوں۔

☆ لکھنے کی ابتداء کہاں سے کی؟
میں نے ابتداء اخبار جنگ میں بچوں کے صفحے سے کی، سلسلے وار کہانی لکھتے لکھتے سچ میں ایک بار غائب بھی ہو گئی۔ ظفر بھائی جان مجھے ڈھونڈتے رہ گئے اور یوں میں اس کہانی کا انجام

نہ لکھ سکی۔ بس لکھنے کا ایک سلسلہ تھا جو چلتا چلا گیا۔ ہم سفر ساتھیوں میں پروین شاکر شاہدہ حسن تانبندہ لاری اور میں ہم تنیوں اکثر کالج میں ایک ساتھ مشاعروں میں جاتیں۔ یہ زندگی کا بہت خوبصورت دور تھا۔ ایک عالم علم جلیل سلاسل کسی کالج یونین کے صدر تھے۔ انہوں نے ایک ادبی تنظیم بنائی تھی۔ تنظیم کی طرف سے ہونے والے فنکشنز میں لکھنے والوں میں سب سے زیادہ نمبر لے کر میں سرفہرست تھی۔ میرا نام پکارا گیا تو میں غائب۔ گھر سے جانے کی اجازت نہ مل سکی تھی۔

☆ انسپائریشن کس سے ملی؟

پڑھنے کا شوق اور انسپائریشن مجھے اپنے گھر سے ملی۔ ہمارے بڑے بھائی ڈاکٹر عزیز صدیقی بہت اونچا ادب پڑھنے والوں میں سے ہیں۔ ان کی لائبریری کی کوئی بھی کتاب ایسی نہ تھی جو میں نے نہ پڑھی ہو۔ ابھی وقت کی رفتار بھی نہ تھی کہ زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہو گیا اور میں صالحہ باسط سے صالحہ محمود بن چکی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر گزرنے لگا۔ ابھی نہیں کبھی نہیں دیا ر غیر میں رہتے ہوئے اشاعت کا سلسلہ تو بند ہو گیا تھا مگر لکھنے کا سلسلہ بند نہ ہو سکا اور آخرا ایک دن تنگ آ کر میں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔

”کیسا یہ میرا عشق تھا مرنے کے بعد بھی کاندھوں کا بوجھ بن کے مجھے ڈھونڈتا رہا“ سو ہم تجھے اور قلم تھا۔ کئی مسلسل ناول میں نے سنگاپور کے کسی چرچ میں یا بوٹانیکل گارڈن میں بیٹھ کر لکھے ہیں۔

☆ آج کی پاکستانی عورت کا کیا مقام ہے

ردا ڈائجسٹ 10 اگست 2016ء

10 اگست 2016ء

آپ کی نظر میں؟ میں ہر لکھنے والے کی طرح ایک عام سی لکھنے والی عورت ہوں۔ ہمارے ادارے میں صرف خواتین کام کرتی ہیں۔ مجھے محنت کرنے والی عورت بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ خواہ وہ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورت ہو یا کھیتوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والی عورت۔ جدوجہد کرنے والی عورت میری آئیڈیل ہے۔

☆ آپ کا پسندیدہ شعبہ؟

مجھے تدریسی شعبے نے متاثر کیا ہے۔ اساتذہ کو ہر لڑکی کے لئے انسپائریشن ہونا چاہئے۔ پیچربن کر ماحول اور معاشرے کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ معاشی مسائل ٹیوشن پڑھا کر بھی حل کئے جاسکتے ہیں۔ حسن اور خوب صورتی میرے قلم کے اہم جز نہیں۔ بلکہ ایک اہم کردار ادا کرنے والی وہ لڑکی ہے جو اپنی فکر و عمل سے معاشرے میں بہت ساری تبدیلیاں لاتی ہیں۔

☆ کیا کہانیوں کے کردار آپ کے تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں یا جیتے جاگتے انسان؟ میری کوئی بھی کہانی خیالی نہیں ہوتی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک بننے والے خیالات بھی خود بخود ایک کردار کری ایٹ کرتے ہیں۔ مجھے کبھی خیالی کہانی لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو بہت سے کردار خود بخود میرے ارد گرد آ کر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر قلم کی رفتار یا میرا ذہنی لگاؤ اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔

☆ آپ کی آئیڈیل شخصیت؟ آئیڈیل یا انسپائریشن میں مجھے میری ماں سب سے زیادہ پسند تھیں۔ مجھے ان سے عشق تھا۔ میں

آج بھی ان کے بغیر خود کو کمزور محسوس کرتی ہوں۔ ☆ تعلیمی سلسلہ کیا رہا؟ گریجویشن میں نے ویمنز کالج فریئر روڈ سے کیا۔ گریجویشن سے پہلے ہی میری مکتبی اور پھر شادی کردی گئی مگر تعلیمی سلسلہ میں نے جاری رکھا۔ شادی کے بعد انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی تھی مگر کپیٹ نہ کر سکی۔

☆ آپ کی زندگی کا یادگار لمحہ؟

ردا کی بھرپور کامیابی جس کا مجھے یقین بھی نہیں تھا کہ اس تیز رفتاری سے اس کی سرکولیشن میں اضافہ ہوگا اور بیرون ممالک بھی اس کی ڈیمانڈ بڑھے گی۔

☆ آپ کا پسندیدہ مصنف؟

ایم سلطانہ فخر کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔ ان کی ہر تحریر مجھے بے حد پسند تھی اور آج بھی میں ان کی پرانی تحریریں نکال کر پڑھتی ہوں ان کے علاوہ بشری رحمن بانو قدسیہ شفیق الرحمن۔

☆ تقدیر پر بھروسہ کرتی ہیں یا تدبیر پر؟

تقدیر پر ہی بھروسہ کرتی ہوں اور یہیں پر مجھے صبر اور یقین آ گیا ورنہ شاید میرا زندہ رہنا بہت مشکل ہو جاتا۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک سانس انسان کا اس کی تقدیر کے ہر تیل سے منسلک ہے۔ تاہم تدبیر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

☆ محبت کیا ہے آپ کی نظر میں؟

محبت کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔ کسی بھی شے میں کوئی تسلسل ہی نہیں مل سکتا جب تک محبت نہ ہو۔ محبت کا ایک وسیع لامحدود سلسلہ ہے جو ازل سے لے کر ابد تک پھیلا ہوا ہے۔ محبت پوری کائنات پر محیط ایک الوہی جذبہ ہے جس میں یہ

کائنات سانس لے رہی ہے۔ ☆ آپ مستقل مزاج ہیں یا سوڈی؟ میں مستقل مزاج ہوں۔ جب تک ایک کام ختم نہ کر لوں درمیان میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتی۔ یہ مستقل مزاجوں کی اہم خصوصیت ہے۔ ☆ خوابوں پر یقین رکھتی ہیں؟ کوئی خواب جو سچ ثابت ہوا ہو؟

ہمیشہ میرے خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو اپنا خواب نہیں بتانا چاہئے کیونکہ بتانے والا جو بھی تعبیر دے گا وہی خواب کی تعبیر ہو جائے گی۔ اس لئے بہت محتاط رہنا چاہئے۔

☆ غصہ کن باتوں پر آتا ہے؟ غصے کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟ غصہ مجھے بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو سامنے والے کا بھگوان بھلا کرے۔

☆ پہلی ملاقات میں سامنے والے کی شخصیت کے کس پہلو کا جائزہ لیتی ہیں؟

میں خاموشی سے بیٹھ کر اسے بولنے کا موقع دیتی ہوں۔ پوری شخصیت خود ہی سامنے آ جاتی ہے۔ بقول کنفیوشس ”شیریں زبانیں اور خوبصورت چہرے دھوکہ دیتے ہیں“۔ سو میں انسان کو سمجھنے کی تھوڑی بہت صلاحیت رکھتی ہوں۔

☆ خوبصورتی متاثر کن ہے یا خوب سیرنی؟

خوب سیرنی۔

☆ کوئی شعر یا نغمہ جو آپ کو بے حد پسند ہو؟

ایک شعر جو مجھے بے حد پسند ہے۔

”خیراز اندیشم سو دو زیاں ہے زندگی ہے بھی جاں اور بھی تسلیم جاں ہے زندگی“

ردا ڈائجسٹ 11 اگست 2016ء

11 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

شکیر، کیٹس، اور ڈور تھ سب آج بھی یاد ہیں۔
☆ اردو کے کلاسیکی ادب سے کتنا فیض
نیاب ہوئیں؟

☆ اردو ادب میں غالب کو بہت زیادہ پڑھا،
ان کے بعد فیض، ناصر کاظمی، احمد فراز اور محسن نقوی
کو پڑھا۔ فرصت کے لمحات میں دیوان غالب،
بانگ درا اور ہال جبریل کا مطالعہ بار بار کرتی
ہوں۔ ان کو جتنا پڑھتی ہوں ایک نیا احساس
اور نئی امنگ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریر
لکھنے سے قبل میں ضرور کسی نہ کسی کتاب کا
مطالعہ کرتی ہوں۔

☆ آپ کے دن کا آغاز کس طرح ہوتا ہے
اور دن بھر کی روٹین کیا ہوتی ہے؟
☆ نماز پڑھنے کے بعد میں واک کرنے جاتی
ہوں، نوبے ڈرائیور پک کرتا ہے پھر میں گھر
کے لئے گروسری صبح ہی کرتی ہوں، جونہی گھر
میں داخل ہوتی ہوں فوراً پاپ اٹھا کر پودوں
کو پانی دیتی ہوں ورنہ رہ جاتا ہے یہ کام مجھے خود
کرنا اچھا لگتا ہے۔ اس کے بعد میرے لئے ناشتا
آ جاتا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں تھوڑا ریٹ
کرتی ہوں پھر بتاؤں کیا ہوتا ہے۔ پھر سلسلہ کام
کا نکل پڑتا ہے۔ کہیں پیسٹنگ کہیں فون کہیں
کوئی ایجنٹ آن لائن آ جاتا ہے، جان کھانے
کے لئے۔ اور زیادہ تر وقت ہماری لکھاری
بہنیں لیتی ہیں ہمارا افسانہ کب آئے گا کب
دیں گی، پلیز جلدی دے دیں نا، اور یہ شعبہ
زیادہ تر نورین نمٹاتی رہتی ہیں۔ لیکن میری
الو امانت ہر وقت رہتی ہے اور وقت کا پتہ بھی نہیں
چلتا اور اسی دوران ہمارا رائج ٹائم ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

بھائیوں اور دوستوں کو یاد رہتی ہے۔ گویا
پورا پاکستان میرے ساتھ جشن آزادی مناتا
ہے۔ میرا اشار LEO ہے اس کی تمام خصوصیات
مجھ میں ہیں۔ میں چیخڑ پر یقین کرتی ہوں۔
LEO پیدائشی حکمران ہوتے ہیں۔

☆ چودہ اگست آپ کی سالگرہ کا دن
ہے۔ کبھی کسی نے کوئی خاص تحفہ دیا؟

☆ ہاں ہم چودہ اگست کے دن دوپہر
میں نرسری جاتے ہیں۔ سنگاپور میں پیراڈائز
برڈ کے پودے اس لئے خریدے گئے تھے کہ
اگست میں ان پر برڈ کھلتی ہیں۔ سو آج بھی سرخ
رنگ کی شاخیں ان میں لٹک رہی ہیں یہ پودا
خاص آسٹریلیا نے روشناس کرایا تھا۔

☆ آپ بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں اپنا کوئی
پسندیدہ شعر سنائیے۔

☆ ”شب کے تاروں سے کہو موند لیں آنکھیں اپنی
چاندنی آج تو اتری نہیں آنگن میں مرنے“
☆ جب آپ انگریزی ادب میں ایم اے
کر رہی تھیں تب کیا آپ نے مغربی ادب کا
مطالعہ کیا؟

☆ جی ہاں میں Old Classics پہلے بھی
پڑھتی تھی آج بھی پڑھتی ہوں، گون ودھ دی ونڈ،
جیکا ان ریکا، جین آرز اور روس میرے آل ٹائم
فیورٹس ہیں، خاص طور پر روس سے میں بے حد
انسپائر ہوئی تھی کہ انسان کس طرح ظلم کرتا ہے۔
مغربی مصنفین میں ہمنگوئے، چالس ڈکنز، سڈنی
شیلڈن، سمرسٹ ماہم، شیورلٹ، بروئے، پرل
ایس ہک، ڈیفن ڈی مریر کو میں نے بہت پڑھا
ہے۔ بچپن میں والد صاحب نے ہمیں گولڈن
ٹریزری لاکر دی تھی، بچوں کی نظمیں اور شے

ردا ڈائجسٹ [13] اگست 2016ء

پریزنٹ بنی تھی۔

☆ پسندیدہ اخبار؟

☆ جنگ۔ The dawn۔

☆ پسندیدہ رشتہ؟

☆ ماں۔

☆ صبح سویرے بیدار ہوتے ہی کس کو دیکھنا
چاہتی ہیں؟

☆ صبح سویرے میں سب سے پہلے اپنے
پودوں کو دیکھ کر ہنس پڑتی ہوں۔

☆ چودہویں کا چاند دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟

☆ کاش میں بادل کا ایک ٹکڑا ہوتی اور یوں ہی
ہوا میں اڑتی رہتی۔

☆ پسندیدہ مضمون؟

☆ میری ابتدائی تعلیم Convent میں
ہوئی اس لئے مجھے اردو سے زیادہ انگریزی پر
عبور تھا۔ 9th تک یہ عالم تھا کہ میں اردو لکھ
سکتی تھی، پڑھ سکتی مگر معنی نہیں آتے تھے۔ مثلاً لفظ
تشریح کیا ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔ جب میں نے
اس کا مطلب انگریزی میں معلوم کیا تو اس کے
بعد میں نے سب سے اچھا شعر Explain
کیا۔ نیچر نے چونک کر مجھ سے کئی سوال کئے
تھے آپ کو اردو نہیں آتی آپ نے اتنی اچھی
تشریح کیسے لکھی؟

☆ کن لوگوں سے نفرت ہے؟

☆ دھوکہ دینے والوں سے۔

☆ کون سی چیز آپ کے ساتھ رہتی ہے؟

☆ ڈائمنڈ کی رنگ اور میرے کئی اسٹون پیری
ڈوٹ کی رنگ۔

☆ آپ کی تاریخ پیدائش اور اشار؟

☆ میری تاریخ پیدائش 14 اگست ہے۔ بہن

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆

☆ پسندیدہ کتاب اور مصنف؟

☆ پسندیدہ کتاب تو قرآن پاک ہے۔

☆ مصنف اللہ میاں جنہوں نے یہ ہدایت نامہ

انسان کے لیے تحریر کروایا۔ بہ زبان حضرت محمد

ﷺ جن پر ہزاروں بار درود و سلام۔

☆ کیا انٹرنیٹ آج میں کتاب کی افادیت

باقی رہے گی؟

☆ کتاب کی اہمیت کسی دور میں کم نہیں رہی

کتابی شکل میں کچھ بھی ہو وہ موجود رہتا ہے۔

☆ کیا ڈائجسٹ معیاری ادب کے تقاضے

پورے کر رہے ہیں؟

☆ یقیناً ردا تو کر رہا ہے۔

☆ اپنی پسندنا پسند کے بارے میں کچھ بتائیں؟

☆ لباس میں مجھے ساڑھی پسند ہے۔ خوشبو

میں Versace woman پسند ہے۔ مجھے

بارش، پھول اور خوشبو بہت اچھے لگتے ہیں میرے

پسندیدہ پھول ہار سنگھار کے ہیں۔ کھانے میں

میں خود تو سادہ غذا کھا لیتی ہوں لیکن کوکنگ کا

مجھے بہت شوق ہے۔ گارڈنگ کا بھی شوق

ہے۔ میں ہر کام کرنا جانتی ہوں۔ کوکنگ

اسٹچنگ بھی خود ہی کرتی ہوں۔ میں گھر میں بھی

ہر سال کچھ نہ کچھ تبدیلی پسند کرتی ہوں۔ بلیو کلر

ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔

☆ سال کا سب سے پسندیدہ مہینہ کون سا

لگتا ہے؟

☆ اگست کا۔

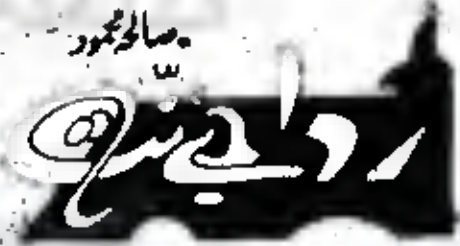
☆ چوبیس گھنٹوں میں پسندیدہ وقت؟

☆ صبح کا وقت۔

☆ زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار لمحہ؟

☆ جب میں اپنے کالج کی وائس

ردا ڈائجسٹ [12] اگست 2016ء



اسلام، ایمان اور احسان

امام مسلمؒ نے حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ ہم ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت مبارکہ میں حاضر تھے کہ یکا یک ایک اجنبی شخص سفید لباس میں بلبوس، سیاہ بالوں والا جس پر سفر کی تھکان کا کوئی اثر نہ تھا اور جسے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا حاضر خدمت اقدس ہوا اور آنحضرتؐ سے اس قدر قریب ہو کر بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور آپ کی ران پر ہاتھ رکھ کر سوال کیا:

اے محمدؐ! مجھے بتائیے اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ ایک ہے حضرت محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ پھر نماز کی پابندی کرو، زکوٰۃ ادا کرو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو بصورت استطاعت حج ادا کرو۔

سائل نے کہا۔ آپ نے حج فرمایا۔ ہمیں تعجب ہو رہا تھا کہ سائل آپ سے سوال کرتا جاتا تھا اور ہر امر کی تصدیق کرتا جاتا تھا۔

پھر اس نے سوال کیا۔ بتائیے ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں اس کی نازل کردہ کتابوں اس کے پیغمبروں، قیامت کے دن اور خدا کی تقدیر پر ایمان لاؤ اور ان پر یقین کامل رکھو۔

پھر اس نے سوال کیا۔ بتائیے احسان کسے

کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تمہیں خدا کی عبادت میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام میسر نہ ہو تم کو یقین کی یہ کیفیت حاصل ہو جائے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

پھر سائل نے سوال کیا: بتائیے قیامت کب برپا ہوگی؟

آپ نے فرمایا: اس مسئلے میں مسئول کو سائل سے زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

پھر اس نے سوال کیا قیامت کی علامات و آثار کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: اول یہ کہ اس وقت حالات ہوں گے کہ ایک لونڈی اپنی مالک کو جنے گی۔ دوم یہ کہ تم ایسے چرواہوں کو دیکھو گے جو سردپا برہنہ اور جھونپڑی نشین ہوں گے لیکن وہ اس فقر کے باوجود اپنے گھروں میں جمع ہو کر باہم تفاخر کریں گے اور بڑائیاں ماریں گے۔ اس سوال و جواب کے بعد وہ شخص واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا۔

اے عمر! کچھ معلوم ہے یہ کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا خدا اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے جو اس مکالمہ کے ذریعے تمہیں دینی تعلیم دینے آئے تھے۔

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے اس کی

تصدیق کرنا اللہ ایک ہے، حضرت محمدؐ اس کے رسول اور اس کے بندے ہیں، نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، فریضہ حج ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نعمان بن نوفلؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ یا رسول اللہؐ کہ اگر میں فرض نمازیں پابندی سے ادا کرتا ہوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہوں تو کیا اس عمل سے جنت میں داخل ہو سکوں گا؟ فرمایا بے شک۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے میرا اسلام پیغام جس کسی نے سنا خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی اور وہ اس پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ یقیناً دوزخ میں داخل ہوگا۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے خدا کو اپنا پروردگار، اپنا مذہب اسلام اور حضرت محمدؐ کو پیغمبر مان لیا اسے ایمان کی سچ لذت حاصل ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایمان کے ساتھ ستر اجزاء ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے ادنیٰ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک جزو ہے۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؒ کہتے ہیں میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ مجھے اسلام کی وہ بات بتادیں جس کے بعد مجھے اس بارے میں کسی سے کچھ پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔

آپ نے فرمایا دل سے اس کا پختہ اقرار کرو کہ

میں اللہ پر ایمان لے آیا، پھر اس پر مضبوطی سے جے رہا ہوں۔

حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے جو بھی کسی برے عمل کو ہوتا ہوا دیکھے اسے چاہیے کہ ہو سکے تو اسے قوت سے روک دے اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کر دے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے اور یہ آخری اور کمزور ایمان کا درجہ ہے۔ حضرت حمیم داریؓ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: دین تمام تر اخلاص اور دعوت خیر و صلاح کا نام ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کس کے لیے فرمایا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، امت اور امت المسلمین کے لیے۔

مومن، کافر اور منافق کا بیان

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا چار باتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں گی وہ پکا منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک بات پائی جائے گی اس میں نفاق کی صرف ایک ہی شق ہوگی تا آنکہ وہ اسے ترک کر دے۔ وہ چار باتیں یہ ہیں جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے، کسی سے کوئی معاہدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ جب وہ کسی سے کوئی وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے جب اس کا کسی سے جھگڑا ہو جائے تو وہ گالی گلوچ پر اتر آئے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انصارؓ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

☆.....



ملاقات

مایا علی

علاشہ نور

جس طرح ایک پینٹنگ کو مصور رنگوں سے خوبصورت بناتا ہے یا کوئی گلوکار کسی دھن کو اپنی آواز سے یادگار بناتا ہے بالکل اسی طرح کسی ڈرامے میں اپنی بہترین پرفارمنس دے کر کوئی اداکار اس کردار کو یادگار بنا دیتا ہے آج ہم آپ کو ایسی ہی باصلاحیت اداکارہ سے ملاقات کر رہے ہیں جنہوں نے بہت مختصر عرصے میں اپنی منفرد پہچان بنالی ہے پھر بات ہو ”عون زارا“ کی یا ”دیاردل“ کی یا پھر ”من مائل“ کی اپنی خوبصورت اداکاری سے ہر کردار میں اتنے حقیقی رنگ بھرے کہ وہ کردار ان کی شناخت بنا چلا گیا ردا کی تارمین کی نظران سے ملاقات کا دلچسپ احوال۔

☆ جی تو مایا! کیسی ہیں آپ؟

☆ الحمد للہ ٹھیک ٹھاک۔

☆ آپ کی کارٹیل نام بھی مایا ہے یا؟

☆ میں نے اپنے کیریئر کا آغاز ہوسٹنگ سے کیا پھر مازنگ اور اداکاری کی طرف آئی مگر میرا شوق اور جنون اداکاری ہی تھا اور مجھے اپنا کام بہت پسند ہے۔

☆ آپ کی ٹیلی کا کیاری ایکشن کہا تھا؟

☆ جب میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تو ماما نے تو مجھے فل سپورٹ کیا مگر بابا تھوڑے ناراض تھے مگر پھر جب ہر طرف سے انہوں نے میری

تعریف سنی تو اب وہ بھی میرے کام کو پسند کرتے اور سراہتے ہیں۔

☆ پہلا سیریل؟

☆ در شہوار میرا پہلا سیریل تھا اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔

☆ ایکٹنگ کا شوق کیسے ہوا؟

☆ بچپن سے ایکٹنگ کا بہت شوق تھا اور میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر پریکٹس کرتی تھی۔

☆ کھانے پینے کا شوق؟

☆ میں زیادہ بہت زیادہ شوقین ہوں مگر اب ڈائٹ کی وجہ سے بہت احتیاط سے کھاتی ہوں۔

☆ کھیلوں سے دلچسپی؟

☆ بہت زیادہ مجھے بیڈمنٹن، والی بال، کرکٹ وغیرہ بہت پسند ہے اور میں نے بیڈمنٹن کھیلا بھی بہت ہے کالج اور یونیورسٹی لائف میں مجھے بہت ایوارڈز بھی ملے۔

☆ آپ کے مشہور ڈرامے؟

☆ دیسے تو ماشاء اللہ میرے کام کو ہمیشہ پسند کیا گیا مگر چند مشہور سیریلز میں دیاردل، در شہوار، ایک تھی سنڈر، عاون زارا اور آج کل من مائل تو آپ سب دیکھ ہی رہے ہیں اور اس میں میرے کردار کو بہت پسند کیا جا رہا ہے۔

☆ کھانے کے لئے پسندیدہ جگہ؟

☆ جی میں پکی لاہوری ہوں اور کھانے کی شوقین کہیں بھی بٹھا دیں بس کھانا مزے دار اور میری پسند کا ہونا چاہئے۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے)

☆ غصہ جلدی آتا ہے یا دھیمے مزاج کی ہیں؟

☆ مجھے پہلے بہت غصہ آتا تھا اور کنٹرول کرنا مشکل ہوتا تھا مگر اب آہستہ آہستہ میں نے اپنی اس عادت پر کافی کنٹرول کر لیا ہے اور کافی ضبط سے کام لیتی ہوں۔

☆ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟

☆ فی الحال تو ابھی کام کر رہی ہوں اور شادی بھی ہو جائے گی۔

☆ سنجیدہ مزاج ہیں یا؟

☆ میں بہت شرارتی ہوں مجھے ہنسنا مسکراتا اور شرارت کرنا اچھا لگتا ہے۔

☆ اس فیلڈ میں آکر پچھتاوا ہوا یا خوشی؟

☆ مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے کہ میں اس فیلڈ میں ہوں اور لوگ میرے کام کو پسند کرتے ہیں تو پچھتاوا کیسا۔

☆ آئینہ دیکھتی ہیں تو کیا خیال آتا ہے؟

☆ خدا کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے ایک مکمل شخصیت سے نوازا اس کا یہ خاص کرم ہے۔

☆ اپنی ہی کوئی بات جو آپ کو پسند ہو؟

☆ مجھ میں خیر نہیں ہے میں سب سے خوش اخلاقی اور خوش دلی سے ملتی ہوں۔

☆ فیس بک سے لگاؤ؟

☆ جی بہت زیادہ اور اب یہ ضروری بھی ہو گیا ہے میں تو اپنے سیریلز سے متعلق تمام معلومات اپ ڈیٹ کرتی رہتی ہوں اپنے فیز کو۔

☆ کون سے سین کرنے مشکل لگتے ہیں؟

☆ مجھے رونے والے سین کرنے مشکل لگتے ہیں کیونکہ ریل لائف میں میں کافی ہنس مکھ اور شرارتی سی ہوں تو رونے کا سین کرتے ہوئے مجھے اکثر ہنسی آ جاتی ہے۔

☆ بہترین کواٹا؟

☆ میں نے تقریباً تمام لوگوں کے ساتھ کام کیا ہے مگر لوگ حمزہ عباسی اور عثمان بٹ کے ساتھ میری کیمٹری کو پسند کرتے ہیں۔

☆ پسندیدہ ملک؟

WWW.PAKSOCIETY.COM

آسیہ مظہر چوہدری

افسانہ

میر فی سار لہو

”مثال“۔ عبیرہ آج صبح سے ہی بھری بیٹھی تھی، پورا دن گزرنے کے بعد بھی اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔ ”مجھے سمجھ نہیں آتی تم جب بھی صبح بھابی کے

”پتا نہیں اس سڑے غریب ملک میں کیا رکھا ہے جو آپ برسوں سے چپکے بیٹھے ہیں دنیا کہاں کی کہاں پہنچ گئی مگر ہم وہی کنوئیں کے مینڈک کی



☆ کیا اچھا پکا لیتی ہیں؟
☆ مجھے کوکنگ کا ٹائم نہیں ملتا مگر چکن کڑا ہی اچھی بنا لیتی ہوں۔

☆ پسندیدہ دن؟
☆ اتوار یعنی چھٹی کا دن جب میں دیر تک سوتی ہوں۔ (ہنستے ہوئے)

☆ زندگی کب بری لگتی ہے؟
☆ ماشاء اللہ ہے میں نے اب تک ایک بھر پور زندگی گزاری ہے تو مجھے تو کبھی بری نہیں لگتی۔

☆ فیصلے دل سے کرتی ہیں یا دماغ سے؟
☆ پہلے دل سے کرتی تھی مگر اب دماغ کی بھی سنتی ہوں۔

☆ اپنی پریشانیاں کس سے شیئر کرتی ہیں؟
☆ اپنی ماما سے۔

☆ محبت، دولت اور شہرت میں میرا انتخاب؟
☆ محبت اور پھر باقی دونوں۔ محبت زندگی کا حسن ہے۔

☆ پیسہ خرچ کرتے وقت سوچتی ہیں؟
☆ ہاں کیوں کہ مجھے پتہ ہے کہ اسے کمانے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔

☆ تنقید کرنا کیسا لگتا ہے؟
☆ میں اپنی پوری کوشش کرتی ہوں بہتر سے بہتر پر فارم کرنے کی تنقید کریں مگر مثبت تنقید ہونی چاہئے۔

☆ ردا کے قارئین کے نام پیغام؟
☆ اپنی سوچ مثبت رکھیں اور محنت کرتے جائیں رب تعالیٰ ضرور آپ کو نوازے گا۔

☆ اس کے ساتھ ہی یہ خوبصورت ملاقات اپنے اختتام کو پہنچی۔

☆☆☆☆

☆ مجھے سیاحت کا بہت شوق ہے اور اپنے مختلف ڈرامہ سیریلز کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں کافی ممالک اب تک گھوم بھی چکی ہوں مگر رہنے کے لئے صرف اپنا ملک پاکستان پسند ہے کہ اسی سے میری شناخت ہے۔

☆ فیشن سے کتنا لگاؤ ہے؟
☆ دیکھیں جی جس فیلڈ سے میرا تعلق ہے تو ہمیں فیشن سے اپ ڈیٹ رہنا پڑتا ہے تو مجھے بھی لگاؤ ہے۔

☆ مگر گھر پر میں سادہ لباس زیب تن کرتی ہوں۔
☆ تہوار کیسے مناتی ہیں؟

☆ میں بہت زندہ دل لڑکی ہوں اور عید تہوار بھر پور طریقے سے مناتی ہوں ابھی گزری عید پر بھی لاہور اپنی فیملی اور فرینڈز کے ساتھ وقت بہت اچھا گزرا۔

☆ چاند کو دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟
☆ ہائے کتنا خوبصورت اور روشن ہے۔ (ہنستے ہوئے)

☆ تقدیر پر یقین رکھتی ہیں یا تدبیر پر؟
☆ بے شک تقدیر پر یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو ملنا وہی ہے جو اس کے نصیب کا حصہ ہوتا ہے۔

☆ مہمانوں کی اچانک آمد کیسی لگتی ہے؟
☆ مجھے تو ہمیشہ اچھی لگتی ہے اور میں بہت اچھی میزبان بھی ہوں بھرپور میہنی دینے کی کوشش کرتی ہوں۔

☆ اچانک لائٹ چلی جائے تو آپ کا رد عمل؟
☆ وہی جو ہر پاکستانی کا ہوتا ہے۔ (شرارت سے ہنستے ہوئے)

☆ پسندیدہ سیاسی شخصیت؟
☆ عمران خان۔

☆ سیکسی کا شوق؟
☆ مجھے بہت شوق ہے سیکسی کا میں تیار ہو کر بار بار سیکسی لیتی ہوں۔

رواڈ انجسٹ 18 اگست 2016ء

ہاں جاتی ہو ایسے ہی بھری آتی ہو آخر ہمیں مسئلہ کیا ہے۔“ نعیم بھی خلاف معمول بھڑک اٹھا تھا۔

”مسئلہ مجھے نہیں آپ کے اس پارے پاکستان کو ہے جس کے باسی سسک سسک کر رو دھو کر اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں۔“ وہ پیش کے مارے اور زور سے چلانے لگی۔

”اچھا تم نے کب سسک کر رو دھو کر زندگی گزار لی۔“ نعیم طنز یہ بولا تھا۔

”کیا ہے اس پاکستان میں غریبی، دہشت گردی بے روزگاری، غریبوں کا سر عام قتل، امیروں کی غندہ گردیاں ایسا کیا ہے جس کی بنیاد پر اس پاکستان کی تعریف کی جائے۔“ وہ بھی سخت لہجے میں بولی تھی۔

”ایک منٹ عیبرہ بیگم! تم ایک بات بھول رہی ہو۔“ نعیم نے اسے یک دم ٹوکا تھا۔

”جتنی خوبیاں تم نے گنوائی ہیں ناں پاکستان کی وجہ سے پیدا کردہ نہیں ہیں یہ اس کے رہنے والے لوگوں کی پیدا کردہ ہیں ہم اس سلسلے میں پاکستان کو قصور وار نہیں کہہ سکتے، قائد اعظم اور اس قوم نے یہ ملک اسلام کی خاطر حاصل کیا تھا، اخوت، مساوات، محبت کے لئے ہمارے لئے حاصل کیا تھا، دہشت گردی اور چور بازوی کے لئے نہیں یہ بات تو تم بھی جانتی ہو۔“ نعیم کا لہجہ دونوک تھا۔

”میں اس پاکستان کو تو برا بھلا نہیں کہہ رہی میں تو یہاں کے سسٹم کے خلاف ہوا اس لئے چاہتی ہوں کہ ہم ابرو ڈشٹ ہو جائیں۔“ عیبرہ نے آخر کار وہ بات کہہ ڈالی جس کی وجہ سے یہ ساری بحث زیر عمل آئی تھی۔

”اوہ..... اچھا تو صبیحہ بھابی نے اب تمہیں یہ پٹی پڑھا کر بھیجا ہے۔“

”انہوں نے کچھ نہیں کہا، میرا کافی عرصے سے ارادہ بن رہا تھا باہر شفٹ ہونے کا، آپ کے دونوں بھائی بھی تو باہر سٹیل ہیں تو پھر ہم کیوں نہیں جاسکتے۔“ اس نے صبیحہ بھابی کا دفاع کیا۔

”عیبرہ بیگم! میں تو اپنے ملک کو چھوڑ کر کہیں نہیں

جانے والا تم نے جانا ہے تو خاؤ۔“ نعیم نے صاف انکار کر دیا تھا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا، عیبرہ اس کے انکار پر دانت کچکا کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆

ہمارے لوگوں میں ایک بلیٹ انتخابی بری ہے یا خود غرض، احسان فراموش سے بیج دیں لیں کہ یہ کھاتے تو پاکستان کا ہیں اور گیت باہر کے ملکوں کے گاتے ہیں یہ تو وہ والی مثال ہو گئی جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا، مگر کیا کیجئے ہمارے ملک کے لوگ ہزاروں کروڑوں بار اپنی تھالی میں چھید کرتے ہیں اور پھر خوش ہوتے ہیں جیسے انہوں نے بہت بڑا عظیم کام کیا ہو باہر کے ملک کاویزہ حاصل کرنے کے لئے اگر انہیں گوروں کے پاؤں بھی پکڑنے پڑیں تو دریغ نہ کریں اور اگر انہی لوگوں کو پاکستان کی بقاء کے لئے کوئی کام کرنے کو کہو تو ایسے بھاگتے ہیں جیسے کسی نے دفعہ 302 کے کیس میں انہیں پھانسی کا آرڈر دیا ہو کام ہونے کے بعد ہم کیسے پاکستان کے سراپنا الزام دھر سکتے ہیں، ہم دو غلے ہیں ہم احسان فراموش ہیں جو پاکستان کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں اپنے لوگوں کی دی ہوئی قربانیوں کو بھول چکے ہیں پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا کیا کچھ نہیں دیکھنا پڑا، لاکھوں جانیں گئیں، بچے یتیم ہوئے، عورتوں کی عزتیں لوٹی گئیں، لوگ بے گھر ہوئے اور آج جب اپنا ایک الگ ملک حاصل ہو گیا تو شکر ادا کرنے کے بجائے اس ملک میں سوسو کیڑے نکالتے ہیں اور تعریفیں بھی کن ملکوں کی کرتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں جو ہمارے ملک کو تباہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں مگر ہم بھاگ بھاگ کر ان کی طرف جاتے ہیں اور جب وہاں جاتے ہیں تو گورے ہمیں اپنی اوقات یاد دلاتے ہیں تو پھر ہمیں اپنے ملک کی قدر آتی ہے یہ سب خسارے کے سودے ہیں جن کا خسارہ پاکستان کے حصے میں تو نہیں ہمارے حصے میں ضرور آتا ہے۔

☆☆☆☆

”جی بھابی! میں تو اپنا مدعا بیان کر چکی ہوں مگر وہ تو ایک انچ پیچھے نہیں ہے۔“ فون کی دوسری جانب صبیحہ بھابی تھیں۔

”حیرت ہے مجھے نعیم پر جو آسائشوں کی زندگی کو ٹھکرا رہا ہے لوگ تو باہر کے ملکوں میں جانے کے لئے دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔“ صبیحہ بھابی افسوس بھری آہ بھر کر بولی تھیں۔

”کیا کروں بھابی! میں تو سمجھا سمجھا کر تھک چکی ہوں مگر وہ تو لگتا ہے محبت وطن پاکستانی ہیں جن کی گھٹی میں ہی شاید کسی نے پاکستان کی محبت ڈال دی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے عیبرہ بھول چکی تھی کہ وہ بھی ایک پاکستانی عورت تھی اور پیدا ہوتے ہی اس کی گھٹی میں بھی اس مٹی کی محبت ڈال دی گئی تھی مگر وہ شاید خود غرض ہو چکی تھی جو اپنا اصل بھلا چکی تھی۔

☆☆☆☆

نعیم کے دونوک انکار کے بعد عیبرہ اور نعیم کے درمیان ایک دن دیکھی دیوار حائل ہو گئی تھی عیبرہ نے بھی خاموشی سادھ لی تھی اس بات کو گزرے ڈیڑھ ہفتہ ہو چکا تھا جب ایک دن (ایمنہ بھابی نعیم کے چھوٹے بھائی کی بیوی) کی امریکا سے کال آ گئی۔

”ہیلو عیبرہ! کچھ سناتم نے.....؟“ سلام کے بعد فوراً ایمنہ نے پوچھا۔

”کیا سنا بھابی.....؟“ وہ بولی تھی۔

”ارحم بھائی (بڑے بھائی) کو یہاں کے مقامی باشندے نے چاہوا دیا ہے۔“ عیبرہ یہ سب سن کر ساکت رہ گئی۔

”کب بھابی.....؟“

”دو دن ہو گئے بھائی اسپتال میں ہیں۔“ یہ سنتے ہی عیبرہ نے یکدم فون کر پڑا پر رکھ دیا تھا اور یہی وہ لمحہ تھا کہ اس پر آ گئی کے کئی دیر دا ہو گئے تھے وہ جو اپنے ملک کے سسٹم کے خلاف تھی یہاں کے سسٹم کو ان سیکیور جتنی تھی باہر کے ملکوں کے سسٹم کی تعریفوں

کے بل باندھ دیتی تھی آج وہی تعریفیں اس پر تھبہ لگا کر ہنس رہی تھیں۔

☆☆☆☆

مٹی کی گواہی خوں سے بڑھ کر آئی ہے عجب گھڑی وفا پر کسی خاک کی خوشے پر سے آئیں ہیں جو اپنے کھوکر اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے انگلوں نے کٹائے تھے فقط سر ہر عشق گواہ ڈھونڈتا ہے جیسے کہ نہیں یقین خود پر بس ان کے لئے نہیں جویرہ پیر آئے جو کھولتے سمندر

ہم جو اپنے ملک کے نظام سے بھاگ کر دوسرے ملکوں میں یہ سوچ کر جاتے ہیں کہ وہاں ہمیں سیکورٹی ملے گی تحفظ ملے گا یہ دراصل ہماری خام خیالی ہے، کوئی بھی ملک ایسی نقصان دہ بیماریوں سے پاک نہیں ہوتا مگر ہمارے پاکستان کو زیادہ ہائی لائٹ اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگ خود پاکستان کی برائیوں میں پیش پیش ہوتے ہیں اور جب اپنے ہی اپنوں پر انگلی اٹھائیں گے تو باہر والوں کو تو بدنام کرنے کا موقع ملے گا ہی۔ بس اک ذرا سی سوچ کی ضرورت ہے اتحاد کی ضرورت ہے اگر امت مسلمہ اکٹھے ہو جائیں تو کوئی بری نظر سے پاکستان کو دیکھ ہی نہ سکے، اپنا ملک جیسا بھی ہو اپنا ہوتا ہے اور یہ تو پھر ہمارا پیارا پاکستان ہے جو ہمیں بابائے قوم نے تحفہ میں دیا اور اس تحفے کی حفاظت ہم نے مرتے دم تک کرنی ہے یہ پاک دھرتی ہمارا مان ہے اور مان توڑا نہیں جاتا اسے ہمیشہ قائم رکھا جاتا ہے، بس صرف ہمیں تھوڑی سی سوچ کی ضرورت ہے عقلمندی کی ضرورت ہے جس دن یہ دونوں چیزیں ہم میں آئیں خوشحالی ہمارے قدم چومے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

فریدہ فرید

سلسلہ وار ناول

سین سار کئی قمری چاند دیا

زین العابدین کا کمرے میں پاؤں رکھنا تھا کہ قہقہے اور بلند آوازیں سرکشی میں دھل گئیں، آج ”النور حویلی“ کی تاریخ ایک نیا باب درج کرنے جا رہی تھی جہاں امید کے دیے روشن تھے وہیں خوف کی اک ہلکی سی جھلک

بھی تھی پورے ہال میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس معاملے میں شامل دلچسپی نہ ہو۔
حویلی کے بزرگ شاہجہانی سے لے کر سب سے چھوٹے اولیس بابا تک سب کی موجودگی نظر انداز کرنے لائق نہ تھی ان سب کی موجودگی کے باوجود حتمی فیصلے کا انحصار اس ذات پر تھا جو النور حویلی کا ہر عزیز ”لالہ“ تھا۔

”آؤ زیدین! بہت انتظار کرایا تم نے“ طویل خاموشی کے بعد شاہجہانی کی نرم آواز نے سکوت کا پردہ چاک کیا زیدین نے جو خاموشی سے صوفے پر براجمان تھا بھنویں ذرا کی ذرا اٹھائے توجہ کا عندیہ دیا۔
”زیدین! آج النور حویلی ایک بار پھر تمہارے ہاتھ میں ہے آج پھر ہم صرف تمہارے ہی آسے پر ہیں حویلی کی بنیادوں کو بکھرنے سے بچالو“ بانی ماں کی شفقت سے پر آواز نے گفتگو کو چند قدم اور دیے یہ وہ واحد ہستی تھیں جو زیدین سے کچھ بھی منوا سکتی تھیں شاید اسی لئے شاہجہانی نے انہیں بولنے کا اشارہ کیا تھا اب کی بار

WWW.PAKSOCIETY.COM



زیدین کے کچھ کہنے کی خواہش رکھنے کے باوجود بند ہوتے لیوں نے تائی ماں کے نرم دل کو تڑپا دیا تھا وہ ہی نہیں یہاں موجود ہر فرد زین کے کرب سے آشنا تھا مگر قسمت کہ سب ناچاہتے ہوئے بھی اسے اذیت دینے پر مجبور تھے۔

”لالہ! میں نے ہوش سنبھالتے ہی تجھے اس گھر کا نگران دیکھا ہے آج یہ حویلی جو قائم ہے تو صرف تیرے دم سے اور نہ اس حویلی نے کیا کیا طوفان نہیں دیکھے اگر تیرا وجود نہ ہوتا تو یہ حویلی کب کی نابود ہو چکی ہوتی لالہ آج پھر یہ حویلی تجھ سے قربانی مانگتی ہے اور مجھے یقین ہے تم اب کی بار بھی ہمیں مایوس نہیں کرو گے۔“ صہیب جاہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر زیدین کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کے کندھے تھپتھپائے وہ زیدین سے عمر میں چھوٹا اور رتبہ میں بڑا تھا اس لئے نوجوان نسل کی طرح اسے لالہ تو کہتا مگر انداز میں بے تکلفی ہوتی۔ زیدین نے اس کی بار بھی خاموش لمبی کے ساتھ محض گردن موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور پھر پانی تمام حضرات کو بھی جہاں ہر ایک کے چہرے پر سوال کے اندر آسوف کے باوجود حسب منشا اثباتی جواب کی امید قوی نظر آتی تھی۔

”تمہیں ہمارے فیصلے کا علم تو ہو ہی چکا ہے اب ہم تمہارا عندیہ لینے کے منتظر ہیں۔“ شاہجہانی نے بات کو سسٹتے ہوئے دو لفظوں میں کہا۔

”شاہجہانی! کیا میرا فیصلہ آپ سب کو منظور ہوگا؟“ زیدین کی بھاری مردانہ حزن ویاس سے بھرپور آواز اس کے لیوں پر نقل سکوت توڑتی ہر ایک کی سماعت سے ٹکرائی۔

”ہاں کیوں نہیں زیدین! آج تک کیا ہم نے تیرے فیصلے کو رد کیا ہے اس حویلی کے ہر فیصلے میں تمہارا خیال سرفہرست رہا ہے۔“

”تو شاہجہانی! آج مجھ سے پوچھئے بناء فیصلہ کیوں کیا گیا کیا آپ کو نہیں لگتا کہ تمام تر معاملات طے کر کے مجھے اطلاع طلب کیا گیا ہے جبکہ آپ جانتے ہیں کہ میرے اصطبل کے گھوڑوں تک کے معاملات میری مرضی کے محتاج ہیں تو پھر میری زندگی کے اہم فیصلے کا اختیار کسی اور کو کیسے ہو سکتا ہے؟“ زیدین نے شاہجہانی کی بات جس تند زبانی سے کائی تھی وہ حاضرین محفل کو سانس سٹکھانے کے مترادف تھا نرم دل اور فرماںبردار شخصیت کے پروردہ زیدین سے ایسے رد عمل کی توقع خلاف معمول تھی۔ اور پھر جہاں معاملہ حویلی کی عزت و ساکھ اور بنیادوں کی سلامتی کا ہو وہاں زیدین جیسا شخص جس نے حویلی کی ذرے سے لے کر پہاڑ تک کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہو کیسے اکھڑ پن کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

”زیدین! ہم نے محض اپنی رائے کا اظہار کیا ہے، حتیٰ فیصلہ تو تم ہی نے کرنا ہے اور یہ کام اب ہو جانا چاہئے معاملہ کی طوالت تکلیف دہ ہے۔“ تائی ماں نے اپنی محبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کلام کیا۔

”تو ٹھیک ہے تائی ماں! میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں حنا سے شادی نہیں کروں گا۔“ زیدین کا فیصلہ وہ غیر متوقع عمل تھا جس کے رد عمل میں ہر حاضر محفل کی سماعت و بصیرت بے حس و بے بس دکھائی دی زیدین کے فیصلے کے سابق محرکات کو جاننے کے باوجود اس کے انکار کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہ آتی تھی کیونکہ ایک طرف تو یہ حویلی کی عزت کا معاملہ تھا جسے زیدین کسی صورت میں مٹی میں ملنے نہ دیتا اور دوسری طرف یہ اس کے مرحوم بھائی کی آخری خواہش بھی تھی جسے زیدین نے باپ دونوں کا پیار دیا تھا اس کی آخری خواہش وہ کیسے ٹال سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ زیدین کی معصوم بیٹی دعا کا بھی معاملہ تھا جسے زیدین اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتا تھا سب ہی کا خیال تھا کہ وہ حنا سے شادی کرنے کو تیار ہو جائے گا مگر اس کے فیصلے نے سب کو حیران کر دیا۔

”لیکن زیدین! حنا سے شادی کرنے میں حرج کیا ہے برائی کیا ہے اس میں؟“ چچی ماں نے تند لہجے

رداؤ انجسٹ 24 اگست 2016ء

میں سوال داغا وہ سب سے زیادہ اس رشتے کی حامی تھیں۔

”میں یہاں برائیاں گنوائے نہیں آیا فیصلہ سنائے آیا ہوں اور میرا فیصلہ یہی ہے۔“

”بیٹا! تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی تو کر سکتے ہو۔“ زیدین کے اٹل و اڑیل انداز کے باوجود سب اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے۔

”شاہجہانی! میں اپنے فیصلے پر غور نہ آج کروں گا نہ کل آپ جانتے ہیں مجھے بوسیدہ کھنڈرات کی ازسرنو تعمیر سے کوئی لگاؤ نہیں اور عیبی گھوڑے تک کو میں اپنے اصطبل میں جگہ نہیں دیتا اجازت مرحمت فرمایا میں۔“

زیدین تیر زنی کرتا ہوا جا چکا تھا سب کے لب خاموش زدہ تھے لیکن ساتھ کے کمرے میں کھڑکی سے لگی سب باتوں کو سننے والی حنا کو تو کسی نے جلتے انگاروں پر دھکیل دیا تھا اس چہار طرف بوسیدہ عمارت اور عیبی گھوڑے کی بازگشت ہونے لگی دوسرے لمحے وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تھی۔

☆☆☆☆

”ماما! اب کی بار حویلی جائیں تو میرے لئے کڑھائی والا سوٹ ضرور لائے گا“ لاسٹ ٹائم بھی آپ بھول گئی تھیں۔“ عناس کھیرا کھاتے ہوئے ماں کے کندھے پر تقریباً لپٹ کر گویا ہونی گھیرے کھانے کی پچھو پچھو آواز رانیہ کو ناگوار گزری چھری کا پچھلا حصہ اس کے نازک ہاتھ پر مار کر تنبیہ کی۔

”میں کہاں بھولی تھی بس تمہاری خالہ زاد بہنوں نے لاسٹ نہیں دیا سب کا اصرار تھا کہ خود حویلی آؤ گی تو وہ بنا کر دیں گی۔“ رانیہ بیگم نے سبزی کاٹنے کا شغل جاری رکھا یہ دیکھتے بناء کہ شوخ سی عناس قدرے گھبرائی سی کیوں دکھائی دی۔ حویلی جانے کا ذکر اسے ہمیشہ یوں ہی بے چین کر دیتا تھا وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر جانے سے انکار کر دیتی تھی کہ پچھلے سال عید پر تائی اماں خود اسے لینے آئی تھیں مگر وہ اصلی بخاری آڑے کر نکلی بہانہ بنا کر رک گئی تھی اس کے سب کزنز اس کے گریز سے حیرت زدہ تھے کیونکہ ”النور حویلی“ کی رونقیں اور سرمستیاں تو ان کے احباب کا آبیڈیل تھیں ان کے دوستوں اور متعلقین کا زیادہ وقت وسیع پیمانے پر سہائی حویلی میں گزرتا تھا یہاں کی غم و خوشی کے اجتماعات سب کی توجہ کا مرکز رہتے واحد عناس بی بی تھیں جو حویلی سے کئی کتر اجائی تھیں وجہ سے واقف کوئی نہ تھا وہ کوئی ٹھوس وجہ رکھتی بھی نہیں تھی کہ جس سے دوسروں کو مطمئن کر سکے بس ایک خوف سا تھا جو اس کے کسں ذہن میں بس گیا تھا۔

”زین العابدین کا خوف۔“

☆☆☆☆

حاجی شاہ میر جدی پیشی رئیس تھے اگرچہ خود والدین کے واحد چشم و چراغ تھے مگر اللہ نے انہیں اولاد کے ضائع سے خوب نوازہ تھا چھ بیٹے اور تین بیٹیاں جن کی اولادیں حویلی کی زینت تھیں سب سے بڑے سپوت شاہجہانی تھے جو شاہ جانی سے ملقب تھے ان کی بیگم نور بی بی مشفق ترین ہستی تھیں اگرچہ اپنے بطن سے کوئی اولاد نہ پیدا کر سکیں مگر اولاد پروری سے مالا مال تھیں زیدین نے بطور ممنونیت کے اپنی وراثتی حویلی کو ”النور حویلی“ کا نام دیا تھا۔ دوسرے سپوت ابو زمر میر تھے جن کے تین صاحبزادے زین العابدین ذوالنواس اور ذوالنون تھے۔ پھر عمر جاہ تھے جن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی تیمور شہوار اور صغیر۔ پھر تانیہ بیگم تھیں ان کا ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ذوالکلی پلا اور جھیرنا ان چاروں بہن بھائیوں کا زیادہ تر وقت حویلی میں ہی گزرتا پھر زوبیہ بیگم تھیں جن کی ایک بیٹی حنا بھی زوبیہ کے شوہر شاہ میر کے مرحوم دوست کی نشانی تھے جنہیں شاہ میر نے

رداؤ انجسٹ 25 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیٹوں کی طرح محبت دی تھی اور حویلی میں رہائش کے ساتھ ساتھ وہ کاروباری اور زبانی معاملات میں بھی پیش پیش تھے۔ زو بیہ عمر جاہ سے پہلے بیاہی گئی تھیں ان کی بیٹی حنا، زیدین کی ہم عمر تھی، خضر جاہ چوتھے سپوت جن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ حنا اور خضر جاہ تھے وہ پسند کی شادی کرنے کے باعث معنوب ٹھہرائے گئے تھے ان کی بیٹی ندویہ کچھ تو باب کی غلطی کی سزا اور کچھ پیدائش کے وقت اشعر جاہ کے ایک حادثے میں انتقال کے باعث حویلی کی ناپسندیدہ شخصیت بن گئی تھی حویلی کے ایک کونے میں مقید عدویہ کو حویلی میں زیادہ عمل دخل حاصل نہ تھا، اشعر جاہ کے بعد زانیہ بیگم تھیں جو جہانگیر بیگ سے شادی کے بعد دہلی میں مقیم تھیں ان کی اکلوتی صاحبزادی عناس تھی۔ سب سے چھوٹے سپوت صہیب جاہ تھے جو کہ زین العابدین سے بھی چند ماہ چھوٹے ہی تھے اور غیر شادی شدہ بھی تھے۔ انور حویلی کے ہر مہینے متضاد کیفیات کا شکار تھے خوش ہوتے تو مسکراہٹ اور شوخی کا بہترین امتزاج تھے اداس ہوتے تو دیو داس کو پیچھے چھوڑ دیتے، حویلی طوفانات کا پیش خیمہ بھی تھی زیدین کی ذات تو ہر مصیبت کا گڑھ تھی عناس دہلی میں پیدا ہوئی اور پٹی بڑھی تھی رنگ و روپ عربوں کا سا پایا تھا بیرہن میں عرب لباس کی چھاپ اسے اور بھی دل آویز بنا دیتی عربی کوٹ اور اسکارف میں ایسا نام نہاد نمونہ نظر آتی کہ بڑے چوتے نہ تھکتے اور چھوٹے دوست بنائے بغیر نہ ٹھکتے۔

☆☆☆☆

”انور حویلی“ میں عناس کا پہلا قدم جب بڑا تھا وہ سات سال کی تھی حویلی کے بلند و متنش درو دیوار کو حیرت سے دیکھتی وہ کبھی پینٹ شرٹ، نیکر، فرائڈ اور شلوار قمیض میں ملبوس اپنے کزنز کو دیکھتی تو کبھی اپنے لالنگ عبایا اسٹائل کوٹ اور سر پر لائے اسکارف کو دیکھتی وہ سب سے جلدی کھل مل گئی تھی بلکہ جب کوئی اسے ہاتھ ملاتا تو وہ اس کے ہاتھ پر بوسہ دیتی، عریک اسٹائل میں، سب اس کی معصوم اداؤں پر فریفت تھے وہ سب کے ہاتھوں میں قیمتی تحفہ کی طرح منتقل ہو رہی تھی، ذوالنواس تو سرخ انار جیسے گالوں کے پیچھے بڑا گیا تھا جب وہ اسے چٹکی کاٹتا تو اس کے گال گھٹنوں لال رہتے بس وہ اسی منظر کو دیکھنے کے لئے آتے جاتے زور سے چٹکی کاٹ لیتا اور وہ معصوم خاموشی سے ایک آنسو گرا دیتی۔

عناس کی زیدین سے پہلی ملاقات بڑی دلچسپ تھی وہ سب بچوں کے ساتھ مل کر کرکٹ کھیل رہی تھی، حنا کے شاٹ لگانے پر بال چھت پر جاگری سب کو آئیں بائیں شائیں کرتے دیکھ کر وہ یہ فریضہ انجام دینے کے لئے آگے بڑھ گئی یہ سوچے بھاء کہ دونوں حویلی آئے وہ حویلی کے راستوں سے واقف کہاں تھی، بناء سمت کا تعین کئے میڑھیوں پر میڑھیاں جڑھے جارہی تھی اس کا سانس بری طرح پھول رہا تھا اور اسکارف سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا وہ دہیں میڑھیوں پر بیٹھ کر اسکارف درست کرنے لگی جو مزید الجھتا ہی جارہا تھا اب تو سانس لینا بھی دشوار محسوس ہونے لگا تھا، گھبرا کر وہ رونے لگ پڑی تھی اور ابوائی کو پکارنے کے ساتھ بری طرح اسکارف کو سر سے جدا کرنے کی تگ و دو میں تھی، اچانک دو مضبوط ہاتھوں نے اس کے نازک ہاتھ تھام لئے تھے، عناس نے گردن موڑ کر دیکھا اس کے برابر میں بلی بڑھی ہوئی شیو سے سجا چہرہ اور سبز بڑی آنکھیں لئے صورت براہمان تھی۔

”ایسے کچھ بچوگی تو اسکارف کے ساتھ روح بھی جسم سے الگ ہو جائے گی“۔ زیدین نے اس کے ہاتھ ہٹا کر اس کے اسکارف کی پن احتیاط سے کھولی اور اسکارف گردن سے جدا کر کے ہاتھ میں پکڑ لیا، عناس نے گہری سانس لی اور طمانیت سے آنکھیں موند لیں، زیدین اس معصوم بھیکے چہرے والی گڑیا کو دلچسپی سے تک رہا تھا، وہ حویلی کے ہنگامے سے الگ تھلگ فورٹہ فلور پر اسٹڈی میں مصروف رہتا تھا، جہاں اس کے دونوں چھوٹے

رداؤ انجسٹ 26 اگست 2016ء

بھائیوں کے سوا کوئی نہ آتا تھا، آج یہ پری راستہ بھول کے آگئی تھی، زیدین نے اس کا اسکارف گود میں رکھ کر عناس کا چہرہ تھا، آنسو پونچھے بکھرے بال سینے پھر خود سے لگا کر ملائمت سے دریافت کیا۔

”یہ پری جمال کہاں سے تشریف لائی ہیں؟“ یہ شوخی جسے وہ کافی عرصے سے فراموش کر چکا تھا، خود بخود اس کے لہجے میں درآئی تھی، سات سالہ عناس نے بیس سالہ زیدین کے مزاج پر کافی اثر ڈالا تھا، وہ تو پری جمال کے مخاطب سے ہی حیران تھی اور پھر تعارف کرانے کے لئے کوئی اور بات نہ سوچھی تو شاہ میر جاہ سے اپنا تعلق فخر یہ بیان کرنے لگی۔

”شاہ میر انکل ہیں ناں، وہ میرے نانا ہیں“۔ اس کے پہلے استفہای جملہ پر زیدین نے شرارت سے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گویا تصدیق کی کہ شاہ میر انکل واقعی ہیں اور پھر اس کے تقاضا میرے نانا کہنے کے عمل نے تو زیدین کے لبوں پر رعوبیت کے تاثرات ثبت کر دیئے، گویا وہ نانا کی نواسی سے کافی مرعوب و متاثر ہو۔ عناس اس کے پل پل تاثرات بدلتے فنکارانہ چہرے سے امپر لیں ہو گئی تھی اور پھر زیدین کا اسے ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کرنا اور بار بار خود سے لگا لینا بھی اسے سلی دینے کو کافی تھا۔

”اچھا تو نواسی صاحبہ یہ بتائیے کہ شاہ میر جان کے کتنے بچے ہیں؟“ یہ وہ سوال تھا جو وہ بچپن میں تمام چھوٹے بچوں سے دریافت کرتا اور گفتی نہ کر پانے پر سب کو سن پسند سزا میں دیتا، دادی ماں اپنی حیات میں بار بار اپنی اولاد کے گئے جانے پر دہل کر ماشاء اللہ ماشاء اللہ کا ورد کرتی رہتی تھیں، انہیں اس بات کا قلق تھا کہ آخر وہ دنیا کی کوئی واحد عورت تو نہ تھیں جن کے بچے زیادہ تھے اور ان کی دانست میں تو نو بچے زیادہ تھے بھی نہیں۔ زیدین کے شرارتی سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی آخر گفتی بھی تو کرنا بھی مگر جواب حیرت انگیز وارد ہوا۔

”ایک.....“ زیدین نے اس کے جواب پر جھٹکا کھایا۔

”اچھا کون ہے وہ ایک؟“ زیدین نے ایک پر خوب زور دیا۔

”لالہ“۔ اس کا جواب دینا تھا کہ زیدین کے لبوں سے ہنسی نے تمام بند توڑ دیئے وہ نہیں جانتا تھا کہ کتنے سالوں بعد وہ اتنا کھل کے تو در کی بات ہنسا بھی تھا، لالہ حویلی میں خود زیدین کو ہی کہا جاتا تھا اور وہ جان سکتا تھا کہ ہر دم حویلی میں کسی نہ کسی حوالے سے اس کا ذکر ہونے کے سبب وہ لالہ ہی کو سب کچھ سمجھنے لگ گئی تھی اور مزے کی بات یہ بھی تھی کہ وہ اس بات سے بھی لاعلم تھی کہ اس کے سامنے موجود ہستی ہی لالہ ہے۔

”اچھا تو یہ بات ہے شاہ میر کے ایک ہی بیٹے ہیں تو آپ ان کی نواسی وہ کیسے؟“ وہ بات برائے بات کئے جارہا تھا وہ خود نہیں جانتا تھا کہ وہ ان لائے با توں میں اتنا انٹرسٹ کیوں لے رہا تھا اس کا دریافت کردہ سوال عناس کے ذہنی لیول سے اوپر تھا بھی وہ کندھے اچکاتی ہونٹوں کو دائیں بائیں کی شیب دیتی کچھ کہنے کے لئے منہ کھولتی اور کہے بناء منہ بند کر دیتی، اسے اتنی کیوٹ لگی کہ بے اختیار اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھالیا تھا۔

”انکل آپ کون ہیں؟“ عناس کا سوال کرنا تھا کہ زیدین ایک بار پھر لوٹ پوٹ ہو گیا، عناس نے اسے تعارف میں کچھ بتانے کے لائق نہیں چھوڑا تھا وہ جھٹ سے اس کے گال کو چوم گیا۔

”اوں ہوں..... اسے بڑا تو ہونے دو یا انتظار کی طاقت نہیں ہے“۔ زعفران زار ماحول کو طنز و تمسخر میں ڈوبی آواز نے کڑوا کر دیا تھا، زیدین نے سر اٹھایا، تو حنا کو طنز یہ مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھڑا پایا۔

”نانا بہت خوبصورت ہے مگر ابھی تمہارے قابل نہیں ہے“۔

”شٹ اپ اپنی کچرا کنڈی زبان کو بند رکھو کچرا رانی“۔ زیدین نے اس کے تخلص سے اسے بلا کر اسے سر تا

رداؤ انجسٹ 27 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیر مزید سلگا دیا تھا۔

”اچھا اور جو تم ایک کسین کلی کے ساتھ کر رہے ہو وہ گندگی نہیں ہے۔“ حنا کی زبان اس کی سوچ کی طرح غیر معیاری اور سستی تھی۔

”یہاں کھڑی ہو کر جس کی آگ میں جل کر راکھ ہونے کے بجائے جاؤ اور چلو پھر پانی میں باتھ لو۔“ زیدین کے ہر لفظ میں اس کے لئے نفرت کی پچکار تھی، عناس ان دونوں کے درمیان رخ مکالمات کو حیرت سے تک رہی تھی، زیدین کے غصے سے سرخ چہرے سے خوفزدہ ہو کر وہ چند قدم دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

”ہاں میں ہی باتھ لوں گی کہیں تو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔“

”آئی سے شٹ اپ۔“ زیدین غصے سے چلاتا ہوا حنا کی طرف بڑھا، حنا اپنی جگہ سے لٹ سے مس نہ ہوئی مگر عناس کا نازک دل سو کی اسپید سے دھڑکنے لگا تھا، بے اختیار اس کے آنسو بہہ پڑے مگر جب زیدین نے حنا کی گردن ایک ہاتھ کی گرفت میں لی تو خوف و دہشت سے وہ وہیں گر پڑی تھی اس کے ذہن میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ زیدین نے حنا کو گلا گھونٹ کے مار دیا تھا۔ بس تب ہی سے اس کے دل میں زیدین کا خوف بیٹھ گیا تھا وہ اس واقعے کے چند دن بعد ہی لوٹ آئی تھی اور پھر دوبارہ کبھی نہیں گئی، یہاں تک کہ اس کا وہ اسکارف جو زیدین نے اتارا تھا وہ بھی آج تک اس کے پاس تھا، آج جبکہ وہ میسرک میں آگئی تھی اور محصوم کسین عناس کے بجائے نازک باکلی سی لڑکی بھی مگر وہ اس خوف کو اپنے دل سے نہ نکال سکی تھی۔

☆☆☆☆

”عناس.....“ ماں کی آواز اسے ہوش میں لے آئی وہ تو ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوس گئی تھی۔

”ماما آپ کچھ کہہ رہی ہیں؟“

”یہی تو کہہ رہی تھی کہ اس بار تو ضرور میرے ساتھ حویلی چلنا سب تیرا پوچھتے رہتے ہیں، بلکہ شاہجہانی تو کہہ رہے تھے اسے زبردستی اٹھا کر لے آیا کرو کوئی وزنی ہے۔“ رانیہ بیگم اسے پچکار تے ہوئے کہنے لگیں۔

”ماما حویلی میں کون کون رہتا ہے؟“ یقیناً وہ ان دوستیوں کے بارے میں جاننا چاہتی تھی جن کی جنگ عظیم وہ آج تک بھول نہ پائی تھی۔

”حویلی میں تیرے چھ ماموں، دو خالائیں۔“

”ماما وہ تو میں جانتی ہوں اور کون کون رہتا ہے؟“ وہ رانیہ بیگم کی تفصیلی بیان کو بریک لگاتے ہوئے بولی وہ کچھ اور جاننا چاہتی تھی۔

”ارے وہی تو بتا رہی ہوں تیرے بڑے ماموں شاہجہانی.....“

”ماما ان کے سوا بھی کوئی رہتا ہے یا نہیں؟“ وہ ایک بار پھر کوفت سے بات کاٹ گئی، اب کی بار رانیہ بیگم اس کے لایعنی سوالات پر گھورتی ہوئی آگے بڑھ گئیں، بھلا وہ جواب دیتی بھی کیا جبکہ وہ اس کے مدعا سے واقف نہ تھیں وہ ادھر تعارف پر منہ بسورتی رہ گئی۔

☆☆☆☆

”زیدین! تم نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کی؟“ شاہجہانی نے آج پھر اسے گھیر لیا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا فیصلہ اٹل تھا جس میں ترمیم کی گنجائش نہ تھی۔

”شاہجہانی! میں نے عرض کیا تھا ناں کہ میں اپنے فیصلے پر کبھی غور نہیں کروں گا نہ آج نہ کل۔“

رواڈ انجسٹ 28 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”لیکن زیدین تمہیں معلوم ہے کہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے؟“

”شاہجہانی! میں اب اثرات پر وف ہو چکا ہوں، اب تو مجھے کوئی نیاز خم درد بھی نہیں دیتا۔“ زیدین کی بات نے شاہجہانی کو تڑپا دیا وہ جانتے تھے کہ زیدین اپنے بچپن سے لے کر اب تک کن حالات سے گزرا تھا۔

”زیدین! یہاں میرے پاس آؤ۔“ زیدین اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”زیدین! کب تک ماضی میں بھٹکتے رہو گے، تنہائی تمہیں اندر ہی اندر ختم کر دے گی، گھر بسالو، کسی کو محرم راز، بنا لو، کسی کا گھنا سایہ اپنا لو زندگی کے ہاتھوں میں کھیلنے کے بجائے اسے اپنی باندھی بنا لو۔“ شاہجہانی دھیرے سے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے شفقت بکھیرتے رہے، اس کے اندر لگی گرہوں کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔

”شاہجہانی! آپ زون کی شادی کا سوچیں، مجھے چھوڑ دیں میں اب کچھ نیا پن نہیں چاہتا۔“

”زون کی شادی ہوگی مگر تمہارے بعد..... بس۔“ اسے منہ کھولتا دیکھ کر وہ دونوں انداز میں بول اٹھے۔

”بہت فیملی کر لئے تم نے بہت مزادے دی خود کو بھی اور اپنے چاہنے والوں کو بھی، اب مجھے بھی بڑا بننے دو آخر ہم یہاں کیا صرف تمہارا فیصلہ سننے کے لئے بیٹھے ہیں۔“ شاہجہانی تو آج ٹھان بیٹھے تھے کہ اس سے بات منوا کے ہی چھوڑنی ہے زیدین ان کی محبت پر ہرگز مشکوک نہ تھا۔

”بتاؤ زیدین! اگر تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو ٹھیک ورنہ تمہاری تائی ماں میں ابھی طاقت ہے، ساری بیماریاں بھول بھال ایسی تنگ و دو کریں گی کہ ایک ہفتے کے اندر تمہیں بیڑیاں پہنا کر چھوڑ دیں گی۔“

”ٹھیک ہے شاہجہانی! کرتے ہیں کچھ ایسی جلدی بھی کیا۔“ زیدین کی کچھ نظر انداز کرنے والی نہیں تھی یہ اس کی نیم رضامندی کی علامت تھی ورنہ اس سے پہلے تو وہ اس ٹاپک پر بات کرنے کو ہی رضامند نہ ہوتا تھا۔

”زیدین! ایک بات سوچ لینا کہ تمہاری بیوی کے آنے سے دعا پر کیا اثر پڑے گا۔“

”شاہجہانی! اگر ایسا ہے تو میں شادی نہیں کرتا۔“ زیدین نے جھٹ موقع سے فائدہ اٹھایا۔

”زیدین! شاہجہانی نے اسے آنکھیں دکھائیں زیدین ہنستا ہوا جھک گیا۔

”زیدین! میں سنجیدہ ہوں دعا تم سے بہت اچھی ہے تمہاری شادی سے وہ یقیناً اپ سیٹ ہوگی اس لئے ہم نے سوچا تھا کہ تم حنا سے شادی کر لو، دعا کو جو پیار اس کی ماں دے سکتی ہے وہ کوئی اور.....“

”شاہجہانی! دعا میری ذمہ داری ہے میں اسے ماں اور باپ دونوں کا پیار دے سکتا ہوں۔“ زیدین نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

”یا گل مت بنو حنا۔“ اس کی ماں ہے۔“

”نہیں ہے حنا۔“ اس کی ماں وہ ذوالنواس کی بیٹی ہے۔“

”اور ذوالنواس حنا کا شوہر تھا۔“ شاہجہانی اور زیدین ایک ہی انداز میں بولتے چلے گئے۔

”ٹھیک ہے منا، ذوالنواس کی بیوی تھی مگر اب وہ کچھ نہیں ہے ابوزر جان کے خاندان سے اس کا ہر تعلق ٹوٹ چکا ہے۔“ زیدین کے لہجے میں حنا کے لئے نفرت ہی نفرت تھی۔

”حنا! کا تعلق ٹوٹا ہے دعا کا نہیں، وہ ابوزر کی پوتی ہے اور حنا۔“ اس کی ماں ہے۔“ شاہجہانی بھی اسی کے تائید تھے زیدین نے انہی کا مزاج پایا تھا مگر آج سے قبل دونوں کسی معاملے میں مختلف نہیں ہوئے تھے، یہ پہلا موقع تھا جب دو ہم مزاج آئے سانسے تھے۔

رواڈ انجسٹ 29 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”شاہجہانی! میں دعا کے معاملے میں کوئی کپڑا مان نہیں کروں گا۔“
”تجسس تو میں نے کہا ہے کہ تم جتنا سے شادی۔“

”شاہجہانی پلیز!“ زیدین نے بمشکل اپنی آواز کو باندھنے سے روکا یہ وہ بات تھی جو شاہجہانی دنیا کا بڑے سے بڑا واسطہ دے کر بھی منوانہیں سکتے تھے اسی لئے بات کو دوسرے پیرائے میں لے گئے۔
”زیدین! تم نے کیا سوچا ہے؟ کیسے بھاپاؤ گے دو متضاد شتوں کو؟“ ان کا اشارہ دعا زیدین کی بھتیجی اور اس کی آنے والی بیوی کی طرف تھا۔

”ایسا کرتے ہیں شاہجہانی! دعا کی ہم عمر کوئی بچی لے آتے ہیں تاکہ وہ سارا دن اس سے کھیلاتی رہے۔“ زیدین نے ان کے جھریوں زدہ چہرے پر امید و آس کے تاثرات دیکھ کر موڈ کو فوراً بدل لیا اور شرارت سے کہنے لگا، ایسا کہتے ہوئے نگاہ کو کوئی دور سے جھلک دکھائی دی تھی، چند لمحوں کے توقف کے بعد زیدین ان کے پاس سے اٹھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

”شاہجہانی! میری بات کو غلط معنوں میں مت سمجھو گا، اور نہ ہی یہ میرا فیصلہ ہے نہ ہی خواہش و جنون کی سی کوئی بات ہے، بس گھر بسانے اور خود کو سنبھالنے کی جو شرط آپ نے رکھی ہے اسی کے تناظر میں ایک ننھا سا جگنو بھی کبھی اپنی زندگی کی اندھیری راہوں میں ٹٹماتے دیکھتا ہوں ایک تصور جو بہار کا جھونکا لگتا ہے اگر آپ کو بھی مناسب معلوم ہو تو۔۔۔۔۔“

”ارے تم ہماری مناسبت کو کوئی مارو ہمیں اس گلی کا راستہ بتاؤ جہاں ہمیں دوڑ لگانی ہے۔“ شاہجہانی تو اس بات سے کھل اٹھے تھے کہ اس سنگ پرست کو وحی کا شعور بھی تھا، باقی باتوں پر تو وہ توجہ دینا ہی نہ چاہتے تھے، زیدین نے دروازے کے بالکل پاس جا کر مڑ کے دیکھا۔

”شاہجہانی! رائے پھپھو کے گھر میں کسی پری کا بسیرا ہے۔“ زیدین نے بات بھی کی تو پھیلیوں میں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شاہجہانی پکی بوجھنے کے ماہر تھے۔

☆☆☆☆

”جلدی کھولو منہ، نکالو جو کچھ بھی اندر ہے۔“ لیلیٰ حمزہ کے کندھے پر سوار زیادہ ہی پر جوش دکھائی دے رہی تھی مگر یہ کیا حمزہ پیکٹ کھولنے کے بجائے فرش پر لیٹ گیا تھا اور آنکھیں بند رکھی تھیں۔

”حمزہ! کیا ہوا تمہیں حمزہ؟“ لیلیٰ حمزہ کو بھونڈتے ہوئے بولی سب اس پر جھکے ہوئے دیکھ رہے تھے، آخر تیمور آگے بڑھا اور حمزہ کا سر اوپر کیا۔

”کیا ہوا حمزہ؟“ حمزہ نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا اور بولا۔
”یار! اسے کہو یہ یو پی مجھے منہ کھولنے کے لئے کہتی رہے میں تمام عمر منہ نہیں کھولوں گا۔“ حمزہ کی بات پر

سب نے قہقہہ لگایا جبکہ لیلیٰ اسے مکا مار کے پیچھے ہو گئی وہ ایک آنکھ میں بھول گئی تھی کہ وہ حمزہ کے کتنے قریب ہو گئی ہے مگر حمزہ ہر قسم کی چوہنیشن میں بھی ہوش سلامت رکھتا تھا اور اسے چھیڑنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

”اچھا بول تو سہی اندر کی خبر کیا ہے؟“ سب متحس ہو کر اس پر ایسا جھک آئے تھے کہ وہ درمیان میں نظر نہیں آ رہا تھا۔

”اطلاعا عرض ہے کہ خفیہ ذرائع نے یہ خبر دی ہے اور ناظرین سب سے پہلے یہ اہم خبر سن لیں کہ یہ خبر سب

رداؤ انجسٹ [30] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے پہلے حمزہ نیوز چینل نے آپ تک پہنچائی ہے ہم ہی وہ ہیں جو ہر خبر دینے میں سب سے آگے اور ہم۔۔۔۔۔“
ابھی حمزہ کی گل فشانی اور نیوز اسٹوری کی بھڑکیں اور بھی چلتیں مگر سب کی طرف سے مشترکہ پڑنے والے مکوں نے اس کی صحافی صلاحیتوں کی لوڈ شیڈنگ کر دی۔

”اب بکنا ہے یا ہم چینل کی مزید نیونگ کریں۔“ حارث اپنے بڑے بڑے ہاتھ کی خوفناک صورت دکھا کر بولا وہ حمزہ کا دوست تھا اور اب تو حویلی کا ہی ایک فرد بن چکا تھا یہاں تک کہ حمزہ کا بہنوئی بھی بننے والا تھا وہ حصہ سے منسوب تھا۔

”کوئی۔“ تو ہو جو مجھے ویسکم کہے۔“ ذون کی التجائیہ آواز پر سب نے مڑ کر دیکھا وہ کندھے سے بیک لٹکائے دروازے پر ایستادہ تھا اور ہاتھ ایسے پھیلا رکھے تھے جیسے پر جوش استقبال کی بھیک مانگ رہا ہو وہ ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی میں نوٹو گرافر تھا کسی نہ کسی نوٹو اور لوکیشن پر بڑی رہتا تھا۔

”آئیے آئیے ذون صاحب!“ سب ایک دوسرے کو پھلانگتے اس تک پہنچنے لگیں تو باقاعدہ سینے سے سرگٹا دیا۔
”اچھا میں جارہا ہوں جلد ملاقات ہوگی۔“ حمزہ کے غیر متوقع اعلان پر سب نے حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

”کہاں جارہے ہو کیسی ملاقات؟“ صفیرا نے جان بوجھ کر خوب ناک چڑھا کے سوال کیا اس کا یہ انداز حمزہ کو ہمیشہ ناگوار لگتا تھا۔

”بس صفو! میں نے سوچ لیا ہے زیادہ تر وقت گھر سے باہر ہوں گا تاکہ جب لوٹ کے آؤں تو میرا بھی ایسا ہی استقبال ہو۔“ حمزہ نے ذون کے پہلو میں گھڑی لیلیٰ کو معنی خیزی سے دیکھا لیلیٰ شپٹا کر ذون کی پیٹھ کے پیچھے ہو گئی۔
”ایک تو اسے ہر وقت رومانس سو جھٹا رہتا ہے ہم اپنی مشکل میں پڑے ہیں۔“ تیمور چپ کر بولا تھا۔

”کیوں تمہیں کسی مشکل آن پڑی ہے؟“ حارث اس سے بھی زیادہ آگے اگلتے لہجے میں بولا۔
”حارث! تو مجھ سے بات نہ کر تیری شکل تو ویسے بھی گرمیوں میں بالی ماں کی طرح دکھتی ہے۔“ حارث چیخا ہوا تیمور کے اوپر چڑھا اپنے لمبے ہاتھوں کے جو ہر دکھانے لگا۔

بالی ماں حویلی کی پرانی ملازمہ تھیں پر لے درجے کی خوشامدی اور چاہلوس تھیں تو گھر کے بڑوں کو پسند تھیں کہ ہر وقت کسی نہ کسی کی تعریف اور بیجا خدمت میں لگی رہتیں لیکن نوجوان نسل ان سے سخت پزار تھی کیونکہ وہ ان سب کی نہ صرف ٹوہ میں رہتیں بلکہ ان کی اکثر پانچ بزرگوں تک پہنچا دیتی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ ان سب کی شرارتوں کا سب سے زیادہ نشانہ بنتیں۔

”آخر مجھے بھی تو پتہ چلا کہ بریلنگ نیوز کیا ہے؟“ کچھ لمبے بعد چوہنیشن قدرے تبدیل تھی سب شرافت کا جامہ زیب تن کئے ذون کے بیڈروم میں دھرمنا دیئے ہوئے تھے۔

”خبر یہ ہے کہ کل شاہجہانی نے تالی ماں کو کسی کے ہاں لے کر جانا ہے لالہ کے رشتے کے سلسلے میں۔“ حمزہ نے خوب ٹھہر ٹھہر کر سنسنی پھیلا کر یہ خبر اناؤنس کی تھی جو کہ واقعی بمبائٹک اور دم دار خبر تھی، چینل کی ریلنگ بڑھنا تو لازم تھا سب کے سب حمزہ کے گرد گھسی کا جھمٹہ بنائے اکٹھے ہو گئے تھے۔

”لالہ کی شادی۔“ سب سے زیادہ ہونق تو ذون نظر آیا۔
”لالہ کی شادی کے لئے مان گئے؟“ ذون کا سوال انتہائی لوجیکل تھا مگر بد قسمتی سے جواب کسی کے پاس نہ تھا۔
”معلوم نہیں کیا چکر ہے؟ یہی سب جاننے کے لئے تو صبح سے خوار ہو رہے ہیں مگر ہنوز تفصیلات سے

رداؤ انجسٹ [31] اگست 2016ء

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف ایڈفرس لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ ناولز اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے ایچ پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

**Dont miss a singal one of
your Favourite Paksociety's
Update !**

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

☒ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

☒ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

آگاہی نہیں ہو سکی اور ہو بھی کیسے یہاں تو سب کو خبر سنتے ہی سانپ سونگھ گیا ہے۔“ صغیرا نے بات کو انتہائی طول دے کر ادا کیا، مزید بھی کہنے کا ارادہ تھا مگر شہوار نے درمیان میں بات اچک لی۔

”میرے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے جس سے ہمیں لالہ کی شادی سے متعلق مزید معلومات دستیاب ہو سکتی ہیں۔“ شہوار کے سازشی ذہن نے ترکیب سوچی سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے مگر وہ بات کر کے ایسے بیٹھا تھا جیسے ابھی کچھ دیر پہلے وہ نہیں کوئی اور بولا تھا، ذون نے دانت پھیسے ہوئے اسے دیکھا مگر تیمور نے عمل کر دکھایا اور وہ لات ماری کریدہ بیڈ سے نیچے جا گرا۔

”شاہجہانی! کس کی شادی ہو رہی ہے؟“ وہ اچھل پڑی۔
 ”کو لینے آئے ہیں۔“ شاہجہانی نے ٹھونک بجا کر کہا تاکہ اسے باور ہو جائے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔

ردا دا بجٹ 33 اگست 2016ء

رہا تھا، اس کی ہنسی نے صفیرا کو تپا دیا۔

”اوئے چپ کر ہاتھی کی سوئڈ“۔ صفیرا نے سعد کو جھاڑ پلائی۔

”اے، اے صفیرا! تم نے میرے بچے کو سوئڈ کہا“۔ جویریہ نے صفیرا کو آنکھیں دکھائیں۔

”جی بھالی! نہ صرف آپ کے بچے کو سوئڈ کہا، بلکہ اصل میں آپ کے شوہر کو ہاتھی بھی کہا“۔ زوار نے شعلہ دکھایا۔

”چلو ان کی تو خیر ہے، بہن بھائی کا آپس کا معاملہ ہے پر میرے بچے کو کچھ مت کہنا“۔

”حد ہو گئی بھالی! میں نے ہاتھی اس موٹو کو کہا ہے یہی تو ہے جو ہر وقت سعد کو بیٹیاں پڑھاتا رہتا ہے“۔ صفیرا عاجز ہو کر بولی، زوار مزید کچھ کہنے والا تھا کہ حمزہ نے نطیل بجاتے ہوئے انٹری دی۔

”بھائیو اور لیلیٰ بچے کو سوا سب بہنوں توجہ فرمائیے“۔ حمزہ تقریر کے سے انداز میں ہاتھ بلند کئے شروع ہوا اس نے لیلیٰ کو بہنوں کی کیگنری سے الگ کر دیا تھا، سب اس کی شرارت پر ہنس پڑے۔

”آج ہماری اس محفل میں ایک ایسا جلوہ بکھرے گا جو آج سے پہلے حویلی کی تاریخ میں کسی تقریب کی مودی میں آپ کو نہیں دکھا ہو گا چاہے بار بار ریو اسنڈ کر کے سو دی دیکھ لیں“۔ حمزہ اپنی بات کو بیجا طول دے رہا تھا۔

”استقبال کیجئے تشریف لائی ہیں، دہی کی نیوورائی ان پاکستان، عربیوں کی سی شان ہماری عزیز از جان عناس جہا نکیر حسن“۔ حسن اس نے محض قافیہ ترتیب دینے کے لئے لگایا تھا، جس پر کوئی بھی توجہ نہ دے سکا کیونکہ

عناس کو دیکھ کر حیرت و خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

”واٹ اے سر پرائز“۔ زوار فوراً اس کے پاس پہنچ گیا اور اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیا، مگر عناس نے اپنا ہاتھ پیٹھ پیچھے چھپا لیا، وہ ایسے انداز کی عادی نہ تھی، زوار نے اس کا ہاتھ زبردستی پکڑ لیا۔

”عناس! ہم سب کزنز، دوست اور بہن بھائی ہیں، اس لئے تکلف کی ضرورت نہیں“۔ زوار نے اس کا گریز دور کرنے کی پہلی کوشش کی۔

”اچھا پیچھے ہٹو تم سب وہ بیچاری تم لوگوں کو دیکھ کر گھبرا گئی ہے“۔ جویریہ نے سب کو پیچھے دھکیل کر کہا۔

”آؤ عناس! یہاں بیٹھو سب کے ساتھ“۔ جویریہ نے اسے فلور کشن پر بٹھایا سب اس کے ارد گردیوں بیٹھ گئے جیسے شمع کے گرد پروانے۔

”عناس! میں لیلیٰ ہوں“۔ لیلیٰ نے دور سے ہاتھ ہلایا۔ ”اور میں حمزہ“۔ حمزہ نے بھی اسی کے انداز میں ہاتھ ہلا کر اور آواز بنا کر کہا۔

”اور میں.....“۔

”بس صبر کرو میں سب کا تعارف کراتی ہوں“۔ جویریہ نے بیلا کو ٹوکے ہوئے کہا۔

”عناس! ان سب کا اجتماعی تعارف یہ ہے کہ دنیا میں جو سات عجائبات ہیں وہ سب یہی ہیں“۔

”نہیں بھالی! سات نہیں آٹھ ہیں ایک آپ کے شوہر بھی ہیں“۔ حمزہ نے فوراً اپنی براوری کی حمایت کی۔

”آٹھ نہیں نو ایک بھالی کا بیٹا بھی ہے“۔ زوار نے مزید نوادرات بکھیرے۔

”بس بھئی عناس! کیا سوچے گی تم لوگوں کو ذرا بھی بڑوں کا احترام نہیں“۔ صفیرا بھائی اور بھتیجے کے خلاف بات نہ سن سکی فوراً بھالی کی حمایت کر دی۔

”اوہو..... کیا سوچے گی عناس یہی کہ یہاں پر بڑے بڑے چاچا پس رہتے ہیں“۔ زوار نے پاس سے گزرتی بالی ماں کو دیکھ کر پتہ پھینکا، بالی ماں سے سب کو خدا واسطے کا بیر تھا، وہ بس چٹنے کے اوپر سے انہیں گھورتی ہوئی گزر گئیں۔

رداؤ انجسٹ [34] اگست 2016ء

”اچھا عناس! ان کا انفرادی تعارف یہ ہے کہ یہ زوار ہے اور یہ صفیرا ہے یہ دونوں مگیتر ہیں“۔

”بد قسمتی ہے.....“۔ زوار نے ٹکڑا جوڑا۔

”صرف بد قسمتی نہیں مہا بد قسمتی ہے“۔ صفیرا نے جل کر کہا ان دونوں کی یونیٹنی رہتی تھی۔

”اور یہ بیلا ہے یہ حصہ اسے تو تم جانتی ہی ہو“۔

”اور یہ پیاری سی لیلیٰ ہے“۔

”میری“۔ لیلیٰ کا ذکر ہوا اور حمزہ نہ بولے۔

”ہاں یہ اس شریکی مگیتر ہے“۔

”ہاں بھالی! نام لے کر بتائیں کس کی مگیتر ہے، کہیں عناس غلط ہی نہ سمجھ لے“۔ حمزہ نے چپک کے کہا۔

”غلط کیوں سمجھے گی؟“۔ جویریہ تنک کر بولی۔

”وہ اس لئے کہ جہاں شری شیطان کا ذکر آتا ہے وہاں ایک تصور ذہن میں آتا ہے“۔ حمزہ کی آواز سرکوشی میں بدل گئی سب اس پر جھک آئے۔

”بھلا بتاؤ کون؟“۔ حمزہ نے اسی انداز میں سب کو دیکھا۔

”بالی ماں“۔ سب نے یک زبان بلند آواز میں نعرہ لگایا اور پھر تہقہوں کا طوفان ابل پڑا۔

☆☆☆☆

”آؤ عناس! یہ تمہارا کمر ہے کیسا ہے؟“۔ لیلیٰ اسے زبردستی سب کے درمیان سے اٹھا کر لے آئی تھی، تمام حویلی کی سیر کرانے کے بعد اپنے کمرے تک آئی تھی جہاں عناس نے اسے کرنا تھا، وہ گھریلو امور میں بہت ماہر تھی اپنے کمرے کو تو اس نے جلد عروسی کی طرح سجا رکھا تھا، وہ اپنا کمر کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتی تھی لیکن عناس سے اسے ایسا انس محسوس ہوا کہ فوراً اپنا کمر اپیش کر دیا، حمزہ نے تو باقاعدہ ریکارڈ لگایا اور عناس سے کہنے لگا۔

”شکر ہے عناس! تمہارے آنے سے اسے دوسرے فرد کی عادت تو پڑے گی میں از حد فکر مند تھا“۔

”لیلیٰ! تم نے تو کمرے کو دہن کی طرح سجا رکھا ہے، لیکن لیلیٰ میں تو بہت لاپرواہ ہوں، ہر چیز بکھیر دیتی ہوں، امی اتنا ڈانٹتی ہیں، میں کہیں اور بکھیر جاتی ہوں تمہارا کمر خراب ہو جائے گا“۔ عناس فکر مندی سے بولی۔

”بس یار! زیادہ ایکشن نہیں مارو تم یہیں رہو گی میرے ساتھ خراب ہو گا تو کیا ہے، ہم دونوں مل کر صفائی کر لیا کریں گے اور تمہیں نہیں پتہ اس کمرے کا روز برا حال ہوتا ہے روز میں اسے درست کرتی ہوں“۔

”کیوں؟“۔ عناس نے سوالیہ نظروں سے لیلیٰ کو دیکھا۔

”یہ جو محترم حمزہ صاحب ہیں ناں موقع ملتے ہی ادھر گھس آتے ہیں، بچوں کی طرح ہر چیز ادھر سے ادھر پھیلا کر باہر بھاگ جاتے ہیں اور مجھے نئے سرے سے سینگ کرنا پڑتی ہے عاجز کر کے رکھ دیا ہے اس نے“۔

لیلیٰ کی شکایت میں بھی محبت کی چاشنی تھی عناس نے اس کے انداز کو دلچسپی سے دیکھا۔

”لیلیٰ! یہاں سب کتنے گل مل کے رہتے ہیں ناں اتنا خوش کوئی فکر کوئی غم نہیں کتنا اچھا لگتا ہے ناں“۔

عناس بڑ پر لپٹتے ہوئے بولی۔

”اچھی تو تم نے ہماری آدھی پارٹی سے ملاقات کی ہے، جب سب اکٹھے ہوں گے تب تم دیکھنا کیا طوفان چٹا ہے“۔ لیلیٰ اس کے برابر لپٹتے ہوئے اسے اطلاع فراہم کرنے لگی۔

”لیلیٰ! یہاں کون کون رہتا ہے؟“۔ یہ سوال عناس کا نکیہ کلام تھا آج تک بیچاری کو منیر حاصل جواب جو نمل

رداؤ انجسٹ [35] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکا تھا، ہر بار یہ سوال کرنے کا مقصد ایک ہی ہستی کو جاننا ہوتا تھا۔
”ہوں..... تائی ماں، چچی جان اور ہم چند سے تو تم مل ہی چکی ہو اس کے علاوہ صمیم چاچو ہیں ان سے ملی تم؟“ لیلیٰ کا اشتیاق دیکھنے لائق تھا۔

”ہاں وہ ہمیں لینے آئے تھے ایرپورٹ پر اس کے بعد نظر نہیں آئے۔“
”وہ کافی مصروف رہتے ہیں لیکن جب ہماری کمپنی میں شامل ہوتے ہیں تو بالکل بچے بن جاتے ہیں جو یہ بھابی کی طرح وہ ہم سے بڑی ہیں لیکن بالکل دوستوں کی طرح رہتی ہیں ہم انہیں جتنا بھی ستائیں ناراض بالکل نہیں ہوتیں۔“ لیلیٰ ہر بات کو تفصیل سے بتا رہی تھی تاکہ وہ حویلی کے افراد سے واقف ہو جائے۔
”اور پھر آئی ہیں انکل ہیں۔“

”آئی، انکل کون؟“ عناس نے کہنیوں کے بل اٹھ کر جلدی سے دریافت کیا۔
”تمہاری خالہ زوبیہ اور ان کے شوہر کا بیٹا ماڈفم کے ہیں، زوبیہ آنٹی نے سب کو کھانا رکھا ہے مجھے آنٹی کہا کرو اگر کوئی غلطی سے چاچی یا پھوپھی کہہ دے تو وہ ڈانٹ پلاتی ہیں کہ بس اور پھر ان کی بی بی حنا بھی انہی کا پر تو ہے۔“

”حنا کون.....؟“
”حنا تمہیں یاد نہیں وہ ساڑھی والی ہر وقت غصے سے لال پیلی، وہی جو تمہارے ہاتھ چوم کر سلام کہنے پر تمہارا ہاتھ جھٹک کر دریافت کرنے لگی تھی، برش کیا ہے یا نہیں؟“
”لیلیٰ! وہ زندہ ہیں؟“ عناس نے اس کی بات پھر کاٹ لی، آج تک ان کے بارے میں خوفناک زوایے سے جو سوچتی رہتی تھی۔

”کیا مطلب زندہ ہیں، انہیں کیا ہونا ہے، ہاں البتہ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تمہیں ذوالنواس بھائی یاد ہیں؟“
”ہاں یاد ہیں لیلیٰ! انہیں کیا ہوا تھا؟“ اسے حویلی کے رازدوں سے ہمیشہ دلچسپی رہی تھی آج تو جیسے موقع ہاتھ آ گیا تھا۔
”پتہ نہیں عناس! کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں بس مجھے تو اتنا یاد ہے کہ وہ کوئے میں چلے گئے تھے، سات سال بعد انہیں ایک دن ہوش آیا تھا مگر پھر ڈیڑھ گھنٹہ ہو گئی لالہ ان کی موت سے بہت افسردہ تھے۔“
”لیلیٰ! یہ لالہ کون ہیں؟“ عناس کی آواز اس سوال پر جیسے سرگوشی میں ڈوب گئی تھی۔

”تم نہیں جانتیں ارے لالہ اس حویلی کی جان ہیں اتنے اچھے ہیں کہ بس ذون تو ان کا بچاری ہے ہر وقت ان کی سیوا میں لگا رہتا ہے، تمہیں پتہ ہے ذون کون ہے؟“ عناس نے نفی میں سر ہلا دیا اس نے تو یہ نام ہی پہلی بار سنا تھا۔
”ذون لالہ کا چھوٹا بھائی ہے اس نے لالہ کو دکھ دیا تھا بس اسی کا ازالہ کرنے کے لئے ان کی خدمت کرتا رہتا ہے۔“
”کیا دکھ دیا تھا؟“ عناس اور سوال نہ کرے اسے ویسے بھی ہر بات جان لینے کی جلدی رہتی تھی۔

”اس نے لالہ کی مرضی کے بغیر شادی کر لی تھی لالہ اس سے ڈس ہارٹ ہوئے پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور واپس آ گیا، اس نے لالہ سے اتنی معافی مانگی ہے مگر لالہ نے معاف نہیں کیا وہ ہر وقت لالہ کے آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے، مگر لالہ اس سے بات نہیں کرتے۔“

”لیلیٰ! لالہ کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے؟“ عناس کو اس ہستی سے ملنے کا از حد اشتیاق ہوا جس کی تعریف میں ہر کوئی رطب اللسان تھا۔
”ہاں کیوں نہیں، لیکن آج کل وہ یہاں نہیں ہیں اصل میں وہ آری میں جنرل آف آری اسٹاف ہیں۔“
لیلیٰ نے معلومات میں اضافہ کیا۔

”لیلیٰ! لالہ کے بیوی بچے کہاں ہیں؟“

”لو بیوی بچے، لالہ کی شادی ہی کہاں ہوئی ہے؟“ لیلیٰ نے ایسے کہا گویا اس کی عقل پر ماتم کر رہی ہو۔
”انہوں نے شادی کیوں نہیں کی؟“ عناس حیرت سے بولی۔

”بس پہلے وہ بھائیوں کی ذمہ داریوں میں لگے رہے اور اب کہتے ہیں شادی نہیں کروں گا بہت اتج ہو گئی ہے۔“
”کتنی اتج ہو گئی ہے؟“ عناس کے سوالات کی ٹرین کا کوئی انٹیشن نہیں تھا، لیلیٰ کی تو اب ہنسی چھوٹ گئی تھی۔
”عناس! بالکل بچوں کی طرح سوال کرتی ہو اپنی دے کوئی بات نہیں میرے چیتل پر تمہیں ہر تازہ خبر اور ہر باسی ترین خبر ملے گی، لالہ کی اتج 30، 35 سال تک تو ہے۔“
”یہ عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے میں بھی 40 کے ہوں گے۔“

”عمر نہ سہی ان کا تجربہ چالیس سال کا ہی ہے اچھا عناس! سو جاؤ کافی رات ہو گئی ہے۔“ لیلیٰ نے کہتے ہوئے کروٹ بدلی لی مگر اس کی نگاہوں کے سامنے ایک چہرہ کر دیش بدل کر آ رہا تھا، نیند تو شاید دلی ہنوز دور است کے مثل تھی۔

☆☆☆☆

”عناس بیٹا! تم بورتو نہیں ہو رہے ہیں ان شیطانوں نے اگر شک کیا تو مجھے بتانا دیکھنا کیسے کان کھینچتی ہوں ان کے۔“
”تائی ماں! ہماری تو خیر ہے مگر تیمور کے کان مت کھینچے گا، اس کی مگیترا الو تو کہہ ہی چکی ہے، گدھا بھی کہہ دے گی۔“ حارث نے تیمور سے اعلان جنگ کیا۔

”جی تائی ماں! حارث کے کان کھینچنے کی تو آپ کو ضرورت ہی نہیں ہے وہ آل ریڈی ہی ایریل کا کام دیتے ہیں۔“ تیمور حسب معمول میدان میں آ چکا تھا۔

”تائی ماں! آپ ان سب کے کان کھینچیں، بہت بدتمیز ہیں یہ سب۔“ لیلیٰ نے بھی دخل دیا۔
”آپ تائی ماں! کو کیوں زحمت دیتیں ہیں مجھے حکم کریں پھر دیکھیں۔“ حزرہ جواب تک خاموشی سے کیون کھانے میں مصروف تھا، لیلیٰ کی بات پر فوراً شروع ہو گیا لیلیٰ کی بات پر وہ جواب نہ دے ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔
”اف اللہ میں نے ذرا سی بات کیا کہہ دی بیچھے ہی پڑ گئے سب۔“ تائی ماں سر تھامتے ہوئے بولیں۔

”بس بی بی! یہ آج کل کی نسل نہ بزرگوں کی پرواہ نہ بچوں کی جب دیکھو مذاق ہی سو جھتا ہے۔“ بالی ماں نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں تائی ماں کے برابر تخت پر بیٹھ کر ان کا سر بھی دبائے لگیں اور ان سب کی برائیاں بھی۔
”بالی ماں! آپ زیادہ مت بولا کریں ابھی کل ہی اخبار میں سروے رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ اگر بوڑھی غورتیں زیادہ بولیں تو ان کی موت جلد واقع ہو جاتی ہے۔“

”اے اے کیا واقعی ایسی خبر آئی ہے؟“ بالی ماں نے فوراً دل تھام لیا۔
”اے اے زوار کیا یہ سچ ہے؟“ زوار نے بالی ماں کی بولتی بند کرنے کے لئے شوشا چھوڑا تھا، مگر یہاں تو تائی اور چچی کو بھی فکر نے آن گھیرا تھا۔

”ہاں ہاں تائی ماں! میں نے بھی پڑھا تھا مگر یہ صرف ان بوڑھیوں کے لئے تھا، جو چھالیہ بہت چباتی ہیں۔“ حارث نے ان دونوں کو تو بہلا لیا، مگر بالی ماں کی فکر میں دو چند اضافہ کر دیا، ڈر کے مارے انہوں نے منہ میں ڈالی چھالیہ تک تھوک دی مگر یہ نہ دیکھا کہ جلدی میں ساتھ بیٹھے تیمور پر ہی تھوک دیا تھا۔
”بالی ماں! زوار دیکھ کر تھوکا کریں آپ تو ہر ایک کو اپنا شوہر ہی سمجھتی ہیں۔“ تیمور خود کو جھڑتے ہوئے چڑ کر بولا۔

”ایک تو اس حویلی میں کوئی کام کی بات نہیں ہو سکتی، ہر ایک بولنا تو اپنا فرض سمجھتا ہے۔“ تانی ماں ان کی فضول باتوں سے عاجز آ گئیں۔

”میری بچی تو بھی تو کچھ بول چکی بیٹھی ہستی ہی رہتی ہو۔“

”تانی ماں نے فوراً عناس کی طرف دست شفقت دراز کر دیا تھا۔

”تانی ماں! یہ لوگ اچھی باتیں کرتے ہیں مجھے سننا اچھا لگتا ہے۔“ عناس کی تعریف نے سب کو خوش کر کے رکھ دیا۔

”تانی ماں! یہ خود بھی اچھا بولتی ہے مگر تنہائی میں کل ہم رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔“ لیلیٰ نے فوراً عناس کی تعریف شروع کر دی۔

”تھینک یو عناس! تمہارے آنے کی سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی ہے۔“ حمزہ کھانا چھوڑ کر فوراً عناس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا، عناس کے ساتھ ساتھ باقی سب نے بھی اسے حیرت سے دیکھا وہ سب کو نظر انداز کئے عناس سے کہنے لگا۔

”تمہارے آنے سے کسی کو کوئی فائدہ ہونہ ہو مجھے ضرور ہوا ہے کہ اس کی جو عادتیں میرے لئے مصیبت تھیں

وہ تم نے بدل دی ہیں۔“ حمزہ نے لیلیٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی رات کو جلدی سو جانے کی عادت پر چوٹ کی۔

”حمزہ.....“ قصہ نے تانی ماں کی موجودگی کی وجہ سے اسے گھورا، وہ ایسے گھورنے سے کیا چپ ہوتا، مگر

شاہجہانی کی کھٹکھارنے کی آواز سن کر خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا، ہال کمرے میں شاہجہانی جہانگیر رانیہ بیگم

اور صہیب جاہ داخل ہوئے۔

”صہیب! کی ماں تمہاری بری تیار ہوئی کہ نہیں؟“ شاہجہانی نے صوفے پر بیٹھتے ہی فوراً سوال جھاڑا۔

”ہاں کیوں نہیں ہم نے تو ایک ماہ پہلے سے سب کچھ تیار کر لیا ہے۔“ تانی ماں کے بجائے بالی ماں نے

جواب دیا، وہ ہر معاملے میں ضرور دخل دیتی تھیں، بیک پارٹی نے انہیں گھور کر دیکھا وہ جل کر دیوار کی طرف منہ

کر کے بیٹھ گئیں۔

”زیدین کا فون آیا ہے کہہ رہا تھا اگر کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں وہ لے آئے گا۔“ صہیب نے بات آگے بڑھائی۔

”آپ نے اس سے کہنا تھا کہ کچھ نہیں چاہئے وہ خود چلا آئے بس۔“ تانی ماں نے کہتے ہوئے گہری

نگاہوں سے عناس کے انجان دبے خبر چہرے کو دکھا تھا، وہ سب بچوں میں سے چھوٹی اور دور ہونے کے باعث

پہلے سے انہیں بہت عزیز تھی اور اب ان کے لاڈلے ترین زیدین کے باعث تو ان کے جیسے اندر ہی اتر گئی تھی۔

”شاہجہانی! ہم تھوڑے وقت کے لئے آئے ہیں جو کرنا ہے ذرا جلدی کر لیں۔“ جہانگیر کے اصرار پر

شاہجہانی نے انہیں آنکھوں سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا وہ بچوں کے سامنے اس ذکر سے گریزاں تھے۔

”بچو! جاؤ تم لوگ اپنے اپنے بچوں پر لگو۔“ شاہجہانی نے جس میں ڈوبے بچوں کی امیدوں پر پانی پھیر

دیا، جو کچھ بات کھل جانے کی امید لئے بیٹھے تھے سب منہ بسورتے فردا فردا ہار نکل گئے۔

”عناس! تم بیٹھو اور زدار اپنے ماں باپ کو بھیجو۔“ تانی ماں نے بیک وقت دواہم معاملات نمٹائے، عناس

کے روکے جانے کو سب کو اور بھی مشکوک کر دیا تھا۔

”جہانگیر! میرا خیال ہے ابھی نی الحال نکاح کر لیتے ہیں، شادی کے لئے کچھ ماہ مزید دیکھ لیتے ہیں۔“ بچوں

کے جاتے ہی تانیہ بیگم اور ان کے شوہر اور دیگر افراد حویلی کے سامنے شاہجہانی نے بغیر کسی تمہید کے بات شروع

کی، شاہجہانی کی بات پر باقی سب تو دنگ تھے ہی، عناس کا دل تو دھڑکنے کے سبب ریکارڈ توڑنے لگا۔

”یا اللہ کس کی شادی کا ذکر کر رہی ہیں اور وہ بھی میرے ابا جان سے۔“

”لیکن شاہجہانی! نکاح کی جلدی کیا ہے شادی کے ساتھ ہو جائے گا؟“ جہانگیر نے رانیہ بیگم کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا۔

”جہانگیر! اس شادی کے ساتھ بیسار مسائل الجھے ہوئے ہیں، میں نہیں چاہتا عناس بیٹی کو کسی مشکل کا

سامنا کرنا پڑے، اس لئے ابھی صرف نکاح کرتے ہیں تاکہ جو طوفان آتا ہو آ جائے جب سب ٹھیک ہو جائے گا

جب رخصتی کر لیں گے۔“ اپنا نام سن کر عناس نے گھبرا کے ماں کی طرف دیکھا، رانیہ بیگم نے اسے آنکھوں کے

اشارے سے تسلی دی، تانی ماں نے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر دبا تا شروع کر دیا تھا، وہ کبھی ماں کو دیکھتی کبھی تانی ماں کو۔

”شاہجہانی! یہ کس کے نکاح کی بات ہو رہی ہے؟“ تانیہ بیگم نے پہلی بار لب کشائی کی۔

”زیدین کی۔“ شاہجہانی کی بات نے چچی جان اور تانیہ بیگم کو ہلادیا تھا، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ گئیں۔

”کس کے ساتھ؟“ چچی نے ایسے ڈر کے پوچھا گویا شاہجہانی نے عناس کے سوا کوئی اور نام لیا تو ان کے

دل کی دھڑکن ہی رک جائے گی۔

”رانیہ کی بیٹی کے ساتھ۔“ کتنے ہی ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے، چچی جان، تانیہ بیگم اور عناس کے تو

طوطوں کے ساتھ فرشتے بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

”لیکن شاہجہانی! احنا بکا کیا ہو گا؟“ اس سوال کی شاہجہانی کو امید تھی کہ ضرور داغا جائے گا اور آیا بھی انہی

کی طرف سے جو زو بیہ کے سب سے زیادہ زیر اثر تھیں، تانیہ بیگم زو بیہ کے رد عمل سے خائف تھیں کہ نامعلوم وہ

کیا قیامت اٹھائے، اسی طرح چچی جان کو بھی اپنی لاڈلی عناس کی فکر ستا رہی تھی۔ اصل قیامت تو عناس کے دل

میں برپا تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہاں سے بھاگ کر کیسے جائے۔ جبکہ اس کے لئے وہاں ٹھہرنا بھی از حد

دشوار ہو چکا تھا، وہ زیدین کے نام سے واقف نہ تھی اور نہ ہی اس کی صورت کی حالیہ نقش گری سے کوئی واسطہ تھا

بس اس نے اندازہ لگایا تھا کہ زیدین غالباً لالہ ہی ہے، وہ لالہ جو ذرا سی بات پر غصے میں گلا گھونٹ دیتا ہے بے

اختیار اس نے اپنا ہاتھ اپنی گردن پر رکھ دیا۔

”معنا کی کہیں ادرا چھپی جگہ شادی کر دیں گے لیکن زیدین اس سے شادی پر آمادہ نہیں۔“ شاہجہانی نے

معنا کے بابت اٹھائے گئے سوال پر بدبر انداز میں کہا۔

”لیکن وہ زیدین کی سنگیتر ہے۔“ چچی کے انکشاف نے عناس کی حالت اور غیر کر دی تھی۔

”یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے، یہ ممکن ہی شدہ، خونخوار انسان کیا میرے لئے ہی رہ گیا ہے؟“

”شائستہ تم بھول رہی ہو کہ.....“ شاہجہانی نے ہاتھ کے اشارے سے تانی ماں کو کچھ بولنے سے روک دیا

اور فوراً عناس کو دیکھ کر بولے۔

”عناس بیٹا! جاؤ سب بچوں کے ساتھ انجوائے کر دو۔“ عناس آزادی کا پروانہ پاتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

”تم لوگوں کو بچی کے سامنے سوچ سمجھ کر بولنا چاہئے تھا، اسے یہاں بٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ تمام معاملات

اس کے سامنے طے ہوں لیکن تم لوگوں نے درمیان میں ٹی منٹق نکال لی۔“ شاہجہانی فہمائی لہجے میں بولے۔

”اور آئندہ یہ بات مت کرنا کہ معنا زیدین کی سنگیتر ہے وہ ذرا عناس کی بیوہ اور دعا کی ماں ہے۔“

”لیکن شاہجہانی! زو بیہ شور مچائے گی۔“ تانیہ نے پہلی بار زبان کھولی اسے بہن کا زیادہ ڈر تھا کیونکہ زو بیہ

کے عتاب سے کوئی محفوظ نہ تھا، رانیہ کی سادہ مزاجی کی بناء پر وہ ان کے بارے میں زیادہ متفکر نہیں تھیں۔

”وہ شور تب بجائے گی جب اس کی بیٹی کے ساتھ کوئی نا انصافی ہو، ہم ان کے بارے میں بھی فیصلہ کر چکے ہیں باقی ہم زیدین کے ساتھ بھی نا انصافی نہیں ہونے دیں گے وہ صتا... سے شادی نہیں کرنا چاہتا ہے اور عناس کے بارے میں اس نے خود کہا ہے، اس لئے اب مزید اس معاملے میں کوئی نہ بولے۔“ شاہجہانی نے ان دونوں کو تو خاموش کرادیا مگر وہ جانتے تھے کہ اصل طوفان تو زوبیہ لائے گی جو کہ ابھی تک اس معاملے سے ناواقف تھی۔

”شاہجہانی! میری بیٹی ابھی کم عمر ہے وہ ان سب باتوں کو سننے کی طاقت نہیں رکھتی اور نہ ہی اتنی سمجھدار ہے کہ سب معاملے کو سلجھا سکے مجھے ان سب کے رویے سے ڈر لگ رہا ہے۔“ تانیہ اور چچی کے جانے کے بعد رانیہ بیگم نے بھیکے لہجے میں شاہجہانی سے کہا۔

”رانیہ! عناس بچی ہے، زیدین نہیں، تم ابھی زیدین سے ملی نہیں ہو اس لئے خوفزدہ ہو، اس سے ملو گی تو تمہیں ایسا لگے گا تم نے اپنی بچی بادل کے سائے تلے دے دی ہے وہ ان سب سے نمٹتا جانتا ہے فکر مت کرو۔“ شاہجہانی نے رانیہ کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا جن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں، یہاں تک کہ شاہجہانی، جہانگیر اور تانیہ ماں بھی آنسو پونچھنے لگے۔

☆☆☆☆

”عناس! بتاؤ ناں کہ آخر اندر کیا بات ہوئی ہے؟“ تمام یک پارٹی نے لیلیٰ کو اس خدمت پر معذور کیا تھا کہ وہ عناس سے اندر کے حالات دریافت کرے اور اب لیلیٰ آدھے گھنٹے سے مسلسل اس سے پوچھ رہی تھی جبکہ وہ رونے میں مصروف تھی اور یہی بات لیلیٰ کو مزید فکر مند کر رہی تھی۔

”عناس پلیرز! کچھ بتاؤ گی تو میں کچھ کر سکوں گی تمہارے لئے۔“

”لیلیٰ! میرا نکاح ہو رہا ہے۔“ عناس کی بات پر جہاں لیلیٰ کو حیرت ہوئی وہیں اس کی ہنسی بھی چھوٹ گئی اس کے ہنسنے نے عناس کو تپا دیا۔

”لیلیٰ پلیرز! نہیں بات کر رہی ہوں مذاق نہیں۔“

”اوکے، اوکے تم مذاق نہیں کر رہی ہو، لیکن سچی میں تم نے جو کہ ضرور سنایا ہے۔“

”لیلیٰ! اس میں ہنسنے والی کوئی بات ہے؟“ عناس اس کے لوٹ پوٹ ہوتے وجود کو دیکھ کر اچھا خاصہ ناراض ہو گئی تھی۔

”مجھے تمہارے رونے پر ہنسی آرہی ہے تمہیں نکاح کی خبر کیا ملی رونے بیٹھ گئیں۔“

”میں نکاح کی خبر ملنے پر نہیں رو رہی بلکہ جس سے نکاح ہو رہا ہے اس کا سن کر رو رہی ہوں۔“

”کس سے نکاح ہو رہا ہے؟“ لیلیٰ بدستور غیر سنجیدگی سے بول رہی تھی اور ہنسی بھی کہ جاری تھی۔

”تمہارے لالہ سے.....“ عناس کا اگلنا تھا کہ لیلیٰ کی ہنسی کو زوردار بریک کیا لگا کہ کھانسی ہی شروع ہو گئی۔

”لالہ.....“ لیلیٰ کی آنکھیں پھٹی جا رہی تھیں اور اب محفوظ ہونے کی باری عناس کی تھی دل کی حالت چھپائے۔

”کیوں کیا ہوا؟ اب ہنسنا۔“

”عناس! تمہیں کس نے بتایا؟“

”شاہجہانی! ابو سے بات کر رہے تھے۔“

”لیکن عناس! لالہ شادی کے لئے مان کیسے گئے اور وہ بھی تم سے، آئی مین اتج واڑوہ کافی بڑے ہیں ہاں نیچر واڑو بیسٹ بین ان جیسا تمہیں سارے جہان میں کوئی نہیں ملے گا۔“ لیلیٰ نے خود ہی سوال کے خود ہی جواب

رداؤ انجسٹ [40] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

دے دیا، اثبات بھی خود اور نفی بھی خود، وہ اس خاص خبر سے ایسا بوکھلائی کہ عناس کو تسلی دینے کے تمام کام پس پشت دال کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی، عناس کو یونہی غیر مطمئن اور ہراساں چھوڑ کر۔

☆☆☆☆

”اے لیلیٰ! بات سنو۔“ کوریڈور سے گزرتی لیلیٰ کو اچانک سے نمودار ہوتے حمزہ نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا، لیلیٰ اس سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سہی کرنے لگی جبکہ حمزہ ایک ہاتھ چھوڑتا تو دوسرا تھام لیتا یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسی حرکت کی تھی ورنہ صرف زبانی چھیڑ چھاڑ تک ہی محدود رہتا تھا۔

”حمزہ پلیرز! کوئی آجائے گا۔“ لیلیٰ اپنی ہرکوشش کی ناکامی پر زچ ہو کر بولی۔

”لیلیٰ جان! حمزہ کچھ کام نہیں کرتا سب اس وقت ہال میں مودی دیکھ رہے ہیں کسی کے آنے کا کوئی امکان نہیں۔“ حمزہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے خوب دباتے ہوئے بولا۔

”تمہیں جو کہنا ہے جلدی کہو مجھے جانا ہے۔“

”میں نے جو کہنا ہے جب تک پورا کہہ نہ لوں گا تم جا کے تو دکھاؤ۔“ ہٹ دھری کی کوئی حد تھی کیا وہ جان گئی تھی کہ مزاحمت بیکار ہے، بات سن لینے میں حرج نہیں۔

”لیلیٰ!.....“ حمزہ کی سرکوشی پر لیلیٰ نے سر اٹھا کر دیکھا یہ حمزہ کا کونسا روپ تھا آج سے قبل تو لا ابالی اور شریر سا ہی دکھتا تھا، یہ چاہتوں کے رنگ کہاں سے آن سائے تھے اس کی نگاہوں میں۔

”ہوں.....“ حمزہ کے بار بار پسکار نے پر اس نے صرف ہوں کہنے پر اکتفا کیا۔

”لیلیٰ! میرے ساتھ چلو گی؟“

”کہاں؟“

”کہیں بھی کسی بر فضا رومانک مقام پر آج دل چاہ رہا ہے اپنی خوشی کے ساتھ اپنی شیر کرنے کو۔“

”کیسی خوشی؟“ لیلیٰ نے حیرت سے دریافت کیا۔

”تمہیں پتہ ہے میں نے جس کمپنی میں اپلائی کیا تھا وہاں سے اپنا نمٹ لیتا آ گیا ہے۔“

”سچی۔“ لیلیٰ کا رد عمل اس کی توقع کے عین مطابق تھا خوشی سے کھل اٹھی، لیلیٰ کی بے اختیارانہ حرکت نے حمزہ کی خوشی کو دو بالا کر دیا۔

”تمہیں پتہ ہے میں نے ابھی تک اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا، سب سے پہلے تمہیں بتایا ہے اب تم بتاؤ میرے ساتھ چلنا ہے کہ نہیں انکار کی گنجائش نہیں۔“ لیلیٰ کو منہ کھولے دیکھ کر حمزہ نے تنبیہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے منہ پر ہاتھ بھی جمادیا تھا، لیلیٰ نے آنکھوں سے اثبات کا اشارہ کیا، تب حمزہ نے ہاتھ ہٹا کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا وہ حمزہ کے سینے سے جا لگی۔

”حمزہ! آج نہیں کل چلوں گی۔“ لیلیٰ خود کو چھڑا کے ستون کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

”کیوں آج کیوں نہیں؟“ حمزہ نے اسے پھر پکڑنا چاہا مگر ناکام رہا۔

”آج عناس! ڈیپریسڈ ہے میں اس کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔“

”کیوں ایسا کیا؟“

”ارے ہاں تمہیں پتہ ہے حمزہ! عناس کا نکاح ہو رہا ہے لالہ کے ساتھ۔“ وہ فرط شوق سے پھر اس کے قریب چلی آئی مگر اب کی بار حمزہ نے کوئی حرکت نہ کی وہ تو بریلنگ نیوز میں ہی کھو گیا تھا، زیدین کی شادی کی

رداؤ انجسٹ [41] اگست 2016ء

خبر ہر ایک کے لئے دھماکہ خیز ہونی تھی۔

”بہیں کس نے بتایا؟“

”عناس نے خود بتایا ہے اس کے سامنے تمام بات ہوئی ہے۔“

”لیکن یہ احمق! آئی تو طوفان اٹھا دیں گی۔“ جو بھی یہ بات سنتا اسے پہلی نظر حنا کے رد عمل کی ہوتی تھی۔
”نہیں اب وہ کچھ نہیں بولیں گی ان کا غرور و نخرہ اب نکل چکا ہے لالہ نے ان سے شادی سے صاف انکار کر دیا ہے، یہ بات لڑکی کے لئے معمولی نہیں ہوتی کہ اسے ٹھکرا دیا جائے۔“ اس کی بات پر حمزہ مسکرانے لگا۔
”اور کسی لڑکے کے لئے بھی یہ بات معمولی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی منگیت کو ڈنکے کی آفر کرے اور وہ انکار کر دے۔“
”حمزہ! میں نے انکار تو نہیں کیا بس آج کے لئے معذرت کی ہے تم کہتے ہو تو آج ہی چلے جلتے ہیں۔“
”نہیں نہیں لیلی! پیار میں زبردستی نہیں ہوتی کل چلیں گے تیار رہنا اور سنو صفو کو پتہ نہ چلے وہ بی بی کی سارے محلے کو بتا دے گی۔“ لیلی غصے سے ہنسنے لگی۔

☆☆☆☆

عناس اپنی دھن میں چلی جا رہی تھی کہ میٹرھیوں سے اترتے ذون سے بری طرح لکرا گئی ذون نے دعا کو اٹھا رکھا تھا۔

”سنجھ کر بھی“ عناس نے خود کو سنبھال کر سزا اٹھایا اس کے سامنے سبز آنکھوں والا وجیہہ لو جوان کھڑا تھا وہ چہرے سے اسے دیکھ رہی تھی کیونکہ وہ ابھی تک ذون سے متعارف نہیں تھی پھر ذون کی گود میں سات سالہ دعا بھی تھی اسے بھی عناس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

”آپ دونوں کون ہیں؟“ عناس نے ایسے سوال جھاڑا جیسے وہ حویلی کی برسوں سے مکین ہو اور سامنے کوئی اجنبی آ گیا ہو حالانکہ یہ سوال ذون کو پوچھنا چاہئے تھا ذون نے دیکھی سے کوٹ اور اسکارف میں خود کو لپیٹے عربین ناک نقشے والی دو شیزہ کو دیکھا۔

”ہم جو ہیں سو ہیں چلو پاکستانی تو ہیں پر آپ عربی روپ چرا کر کہاں سے آئی ہیں؟“
”میں عناس ہوں۔“ عناس نے ایسے کہا گویا وہ کوئی معروف شخصیت ہو کہ محض نام بتانے سے ہر کوئی اسے پہچان لے گا،

”اچھا آپ عناس ہیں میں ذون ہوں اور یہ دعا ہیں۔“ ذون نے اسی کے انداز کا تسخیراڑاتے ہوئے اسی کے انداز میں اپنا تعارف کرایا۔

”یہ بچی بہت پیاری ہے۔“ عناس نے ذون کی گود میں سوار دعا کو پیار سے دیکھا جو شاید کم کو بچوں میں شمار ہوتی تھی بھی تو ان دونوں کے مابین لایعنی گفتگو کے تبادلے کے دوران کوئی آواز تک نہ آئی تھی۔

”یہ بچی بھی پیاری ہے۔“ ذون نے جواباً اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے ساختہ کہا عناس جھینب گئی۔
”دو بچوں میں آپ کیا کر رہے ہیں؟“ عناس اس احساس کے تحت بے تکلفی سے بولی کہ وہ حویلی میں کھڑا ہے تو یقیناً حویلی کا ہی کوئی فرد ہوگا۔

”میں دو پیاری بچیوں کو دیکھ رہا ہوں۔“ ذون حویلی کے دیگر افراد کی طرح طویل بات کرنے اور ہر بات کے ذومستی کرنے کا عادی تھا عناس اچھا خاصا عاجز آ چکی تھی۔

”ذون کہاں چلے گئے ہو؟“ قریب تھا کہ عناس ذون کو ڈپٹ دیتی یا ذون مزید پھیلنے کا اہتمام کرتا کہ حنا۔

رواذا بحسب [42] اگست 2016ء

کی آواز نے دونوں کی توجہ کھینچ لی۔

”اسے کیوں اٹھا لائے ہو میں نے اس کے کپڑے بدلنے تھے لاؤ مجھے دو۔“ حنا دعا کو اٹھانے کے بعد

جیسے ہی مڑی تو عناس پر نگاہ پڑی۔

”عناس تم۔۔۔۔۔“ وہ عناس کے چلنے سے فوراً پہچان گئی وہ اس واقعہ کو عناس ہی کی طرح آج تک نہ بھولی تھی

زیدین کے اٹھے ہاتھ نے اس کے اندر کیا کیا طوفان نہ اٹھائے تھے مگر عناس اسے نہ پہچان سکی تب کی حنا اور

اب کی سنا۔ میں فرق بھی تو زمین آسمان کا تھا، کہاں وہ تک سک سے تیار فیشن زدہ حنا، اور کہاں یہ سادہ سے

کپڑوں میں میک اپ سے بے نیاز اداس چہرے والی حنا۔۔۔

”تم کب آئیں؟“

”ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔“ عناس نے جلدی سے جواب دیا۔

”کمال ہے مجھے خبر ہی نہیں ہوئی زیدین سے ملی ہو؟“ حنا، باوجود کوشش کے طنز سے باز نہ رہ سکی۔

”نہیں لالہ تو اسلام آباد میں ہیں۔“ عناس کے بجائے ذون نے جواب دیا، حنا کو ذون کی موجودگی نے

جھل کر دیا وہ ذون کے سامنے اپنا بیچ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی اس کا مہرہ جو تھا۔

”بھابی! یہ کون ہے؟“ ذون کے تجسس میں کمی ہو ہی نہیں رہی تھی۔

”یہ رانیہ خالد کی بیٹی ہے دہی سے آئی ہے تم نہیں جانتے اسے تمہارے لالہ تو خوب اچھی طرح واقف

ہیں۔“ حنا، خود پر قابو رکھنے میں ناکام معلوم ہوئی تھی۔

”نہیں بھابی! میں نے تو پہلی بار دیکھا ہے کیوٹ ہے۔“ حسین مناظر کا ولدہ ذون بر ملا تعریف کرنے کا عادی تھا۔

”ہائے عناس! میں ذون تمہارے ماموں ابو زر جاہ کا چھوٹا سپوت۔“

”اور زیدین کا بھائی بھی۔“ حنا نے اس کے تعارف کو آگے بڑھاتے ہوئے زیدین کا خصوصی حوالہ دیا،

عناس کے تو فرشتوں کو بھی اس کے اندر کا علم نہ تھا اس نے ذون کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے آداب

کے سے انداز میں ہاتھ نہا تھے تک لے جا کر گرادیا۔

”او ہونا کس۔“ ذون کو اس کی ادا اچھی لگی ایک بار پھر تعریف کر گیا حنا، اس کے انداز کو بغور دیکھ رہی تھی

ایک خیال کرتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

”او کے ذون تم لوگ باتیں کرو اچھی اچھی سی میں چلتی ہوں وہ۔“ اچھی اچھی پر زور دیتی ہوئی واپس پلٹ

گئی عناس اس کے جاتے ہی فکر مند ہو گئی کہ اس شوخ سے کیسے جان چھڑائے جو زیدین کا بھائی بھی تھا۔

”اور عناس! حویلی کیسی لگی؟“ ذون نے میٹرھیوں کی سائیڈ پر بازو ٹکاتے ہوئے بات کرنے کا بہانہ ڈھونڈا۔

”اچھی ہے۔“ عناس نے زمین کو دیکھتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

”اور حویلی کے مکین؟“ ذون کے لہجے میں شرارت موجود تھی اور آنکھیں اس سفید چہرے پر مرکوز تھیں۔

”وہ بھی اچھے ہیں۔“ عناس نے ایک بار پھر مختصر جواب دیا۔

”اور میں۔۔۔۔۔؟“

”آپ بھی اچھے۔“ عناس بے دھیانی میں بولتے بولتے رک گئی۔

”ہوں بولو۔“ ذون نے جلدی سے کہا۔

”اچھے ماموں کے بیٹے ہیں تو اچھے ہی ہوئے ناں۔“ عناس نے فوراً بات بنائی ذون کا قہقہہ بے ساختہ تھا

رواذا بحسب [43] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور عناس کے دوڑنے کا انداز بھی دیکھنے لائق تھا۔

☆☆☆☆

”عناس! ان پیپر ز پر سائن کرو۔“ عناس اپنے کمرے میں لیٹی عربی سوئگ سن رہی تھی کہ اچانک کمرے میں ای، ابو، تائی ماں، شا، جہانی، صہیب، جاہ، شہوار اور مولوی ٹائپ کے آدنی داخل ہوئے، عناس فوراً سر پر اسکارف لئے اس ناگہانی آفت پر بوکھلاسی گئی شا جہانی نے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلا تہید اس کے سامنے کاغذات رکھ کر سائن کرنے کو کہا تھا۔ عناس نے ماں کی طرف دیکھنا چاہا مگر فرط حیا و گھبراہٹ سے سر نہ اٹھا سکی، نکاح کے ہونے کا تو اسے علم تھا، مگر یوں آنا ناسر پر ہم پھوڑا جائے گا یہ اس کے علم میں نہیں تھا، ماں کے ساتھ بے تکلفی کے باوجود اس معاملے میں ماں نے اسے نہ جانے کیوں اندھیرے میں ہی رکھا تھا اور ماں کا اعتماد بھی کیا خوب تھا کہ باوجود تحفظات اور خدشات کے اس نے ماں باپ کی مرضی کے آگے ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ عناس کے کانپتے ہاتھوں نے کب سائن کر دیئے کب آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی، کس نے گلے لگایا، تسلی دی اسے تو جیسے کچھ بھی خبر نہ تھی، بس کانوں میں تائی ماں کے الفاظ گونجتے رہے۔

”جواو لاد ماں باپ کا مان بڑھاتی ہے، اللہ ان کے بخت کو بلند کرتا ہے ایک خوشی جواو لاد کی فرمانبرداری ماں باپ کو دیتی ہے، اسے بدلے میں خوشیوں کے کتنے خزانے میسر آتے ہیں یہ اب تم اپنی آنکھوں سے دیکھنا۔“ سب کے کمرے سے چلے جانے کے باوجود ایک شفقت سے بھرا ہاتھ اس کے سر پر نکارہا، وہ یونہی بے حس و حرکت سر جھکائے بیٹھی رہی کہ شا جہانی کی آواز نے کمرے کے سکوت کا پردہ چاک کیا۔

”عناس بیٹی! میری بات غور سے سنو، اس حویلی کی تاریخ بہت پیچیدہ ہے اس میں ہزاروں داستانیں بکھری ہیں، انہیں کھولنے کی کوشش مت کرنا، بس اپنے مستقبل کو خوشگوار رکھنے کی آرزو کرنا اور توجہ دینا زیدین سے تمہارے تعلق کا ہمارا فیصلہ کتنا بہترین تھا یہ تمہیں وقت بتائے گا زیدین وہ ہیرا ہے جو ہر عورت اپنے بخت کے ہار میں پرونا چاہتی ہے، ماضی میں الجھنے کی بجائے حال کو جینا سماعت و بصارت کو زیدین سے منسلک کر دینا، وہی سننا جو وہ کہے ورنہ یہاں تمہیں ہر روز نئی کہانی سے واسطہ پڑے گا۔“ شا جہانی اس کا سر تھپتھپاتے باہر چلے گئے، اس کے آنسوؤں نے تو تمام بند ہی توڑ دیئے اپنی انفرادیت کی رخصتی پر اس کے آنسو بہتے چلے گئے۔

☆☆☆☆

”ذون! نیچے ہال میں لالہ کے نکاح کی تقریب ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو۔“ زوار نے لائٹ آن کی ذون بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا تھا، زوار نے اس کا پاؤں بلایا مگر ذون نے کچھ حرکت نہ کی۔

”ذون! نیچے چلو لالہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں؟“ زوار نے اسے تقریباً جھجھوڑتے ہوئے اطلاع دی مگر وہ آنکھیں کھولنے کا بھی روادار نہ تھا۔

”ذون! اگر یہ مذاق ہے تو نہایت بھونڈا سا ہے۔“ زوار نے ذون کے سر کو تکیہ سے اٹھا کر واپس شیخ دیا۔

”زوار! جاؤ یہاں سے مجھے تنگ مت کرو۔“ ذون نے بیزارگی سے کہتے ہوئے کروٹ لے لی۔

”لیکن ذون! ہوا کیا ہے بتاؤ تو سہی، آج لالہ کا نکاح ہے اور تمہیں ذرا خوشی نہیں لانا منہ بتائے پڑے ہو۔“

”اس میں خوشی کی کوئی بات ہے؟“

”کیا مطلب ہے تمہیں لالہ کی زندگی میں آنے والی تبدیلی سے خوشی نہیں ہوتی۔“ زوار کو اس کے زونے سے از حد حیرت ہو رہی تھی، کہاں لالہ پر جان چھڑکے والا ذون اور کہاں لالہ کی خوشی کے دن منہ بسورتا اس کا

رداؤ انجسٹ 44 اگست 2016ء

رویہ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ معاملہ کیا ہے۔

”ذون! اگر تمہیں یاد نہیں تو میں یاد کرا دیتا ہوں کہ لالہ صرف تمہارے بھائی نہیں باپ جیسے بھی ہیں، تم دونوں بھائیوں کی خوشیوں کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی تیاگ دی، تم ہی کیا اس حویلی کی خاطر انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا اور آج جب انہوں نے اپنے لئے ایک ذرا سی شیخ روشن کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہاری خود غرضی کا یہ عالم ہے۔“ زوار کا ہر لفظ اسے غرق کئے دے رہا تھا، وہ خود غرض نہ تھا ہاں کم عقل ضرور تھا۔

”زوار! تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں لالہ کی خوشی میں خوش نہیں ہوں، لیکن اس اتج میں ایسی بچکانہ حرکت وہ بھی لالہ سے میرے لئے قابل قبول نہیں، شادی کرنے کے لئے اپنی عمر سے چوتھائی عمر کی لڑکی ہی کیا ضروری تھی۔“ ذون کی نگاہوں کے سامنے عناس کی شبیہ تھی اسے جب سے یہ خبر ملی تھی وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا، لالہ سے ملاقات تک نہ کی تھی، جبکہ زیدین نے اس کے انتظار میں ابھی تک نکاح نامے پر سائن بھی نہیں کئے تھے۔

”ذون! عمر کا الٹو خوب اٹھایا تم نے کیا فرق پڑتا ہے اس بات سے اصل چیز تو لالہ کی پسند ہے کیا یہ کافی نہیں؟“ زوار کو اس کی سوچ پر تاسف ہوا۔

”لیکن زوار! لالہ کے لئے ایسی لڑکی موزوں نہیں۔“

”لالہ کے لئے کیا موزوں ہے کیا نہیں یہ ان پر چھوڑ دو اور تم بہتر جانتے ہو کہ لالہ ناممکن کو ممکن بنانے والی شخصیت ہیں، تم صرف یہ بتاؤ کہ تمہارا ارادہ کیا ہے۔“ زوار اب کچھ اس کی دلی کیفیت سے سمجھ چکا تھا۔

”میں کیا کروں لالہ نے مجھ سے پوچھا تک نہیں؟“ ذون نے نیا بہانہ تراشا، جو خود اس کی نظر میں بھی فضول سا تھا۔

”تم نے شادی کرتے وقت لالہ سے پوچھا تھا؟“ زوار نے طنز یہ کہا، ذون نے اس کی طرف دیکھا زوار کی تسخیرانہ ہنسی نے اس کا سر جھکا دیا وہ جانتا تھا کہ یہ خیال حاضرین محفل کے ہر فرد کے دل میں ہوگا اور وہ مزید کسی کو بولنے کا موقع دیے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔

ذون اور زوار ہال کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے ہی زیدین وائٹ کلف لگی شلوار قمیص میں ملبوس کاندھے پر اجرک اوڑھے شاندار انداز نشٹ اور ہاتھ میں قلم اور کاغذات لئے بیٹھا تھا، ذون کو ایک نظر دیکھ کر پھر سے صہیب سے مصروف گفتگو ہو گیا، ذون خاموشی سے زیدین کے برابر جا بیٹھا، جو زیدین نے اس کے لئے خالی کر رکھی تھی، وہ اگرچہ ذون سے بات نہیں کرتا تھا، مگر اس کی ہر ضرورت کا پہلے ہی کی طرح خیال رکھتا تھا، اس کے ساتھ بیٹھتے ہی ذون انتہائی شرمندگی کے احساس میں گھر گیا۔

”شا جہانی! ایک بار اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں زوبیہ بہت شور مچائے گی۔“ تانیہ چچی کو زوبیہ کی انتہائی فکر تھی، وہ یہ بات کوئی دسویں بار دہرا چکی تھیں، زوبیہ اس وقت اپنے شوہر کے ساتھ فارن میں تھیں اور اس تمام واقعے سے لاعلم بھی، حنا نے نکاح کی خبر سننے ہی انہیں فون کیا تھا، مگر رابطہ نہ ہو سکا وہ اپنے کمرے میں بند تھی نہ خود آئی اور نہ ہی کسی نے اسے بلایا تھا، شا جہانی کو یہ موقع مناسب لگا کہ زوبیہ کی غیر موجودگی میں فوراً نکاح کر دیا جائے اسی لئے زیدین کے آتے ہی یہ فریضہ انجام دیا جا رہا تھا، جس میں ہر حاضر تقریب کے دل میں خدشات اور دوسو سے تھے۔

”شا جہانی! کوئی کیا کرتا ہے اور کیا کر سکتا ہے مجھے پرواہ نہیں شور مچانے کی ریت اس حویلی میں بہت پرانی ہے، مگر وہ وقت گزر گیا جب ناحق، حق پر غالب آ جاتا تھا اب سے حویلی کی روایات ہم بنا میں گئے۔“ زیدین کا

رداؤ انجسٹ 45 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہی دو ٹوک انداز جس کے سامنے کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا، سب کی سن اندر ہی سن ہو گئیں اور زیدین نے نکاح نامے پر سائن کر دیئے، مبارک سلامت کی صداؤں میں زیدین کا ہر چاہنے والا اس سے بغل گیر ہوا ایک پارٹی کا جوش اپنے عروج پر تھا، شرارتوں کی کوئی حد بھی نہ مل غبارے میں کوئی کمی، زیدین کے لبوں پر بھی ایک جیسی مسکراہٹ ذوق کے اندر اتر گئی اسے لگا وہ عداوت سے نکل رہا ہو، وہ آگے بڑھ کر زیدین کے گلے لگنے کی خود میں ہمت نہ پاتا تھا، مگر اس کی نگاہ میں حیرت کا سمندر موجزن تھا، کیا لمحہ تھا جب زیدین نے اسے نظر بھر کے دیکھ کر اپنا بازو دوائے تھے برقی میں بھی کیا تیزی ہوتی جس تیزی سے ذوق اس کے بازوؤں میں سا گیا تھا، دونوں کے مضبوط ہاتھوں نے ایسے ایک دوسرے کو چبھ لیا تھا جیسے اب بھی جدا نہ ہوں گے ذوق کی آنکھوں سے اشک رواں تھے تو زیدین کے سپاٹ دل پر بھی آ رہے چل رہے تھے، ذوق خواہ خواہ ہی عناس کا مشکور تھا جس کے باعث یہ دن آیا تھا۔

☆☆☆☆

آہٹ پر عناس نے سراٹھایا تو دنگ سی رہ گئی گم صم تو وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے تھی مگر سامنے کٹری شخصیت نے اسے حیرت زدہ کر دیا جتنا اس کا اس کے کمرے میں آنا کوئی نظر انداز کئے جانے والی بات تو نہ تھی، سنا، اس سے رویہ عجیب و غریب تھا، وہ عناس کو مخاطب تو نہیں کرتی تھی، مگر جب وہ جہاں دیکھتی نگاہوں کی کاٹ و طرا سے پریشان ضرور کر دیتے، وہ سنا، اس کے رویے کی اصل وجہ سمجھنے سے قاصر تھی، ایسے میں اس کے نکاح کے وقت کی آمد اور کیف و شو مشکوک سی لگ رہی تھی۔

”مبارک ہو نکاح کی“ اس نے نکاح کا لفظ چاچا کے ادا کیا، عناس کو کچھ بھائی نہ دیا کہ اسے سچ لہجے اور چبھتی نگاہوں کا کیا جواب دے؟

”خوب عربی ہونے کا ثبوت دیا ہے تم نے عربی ہر کام میں افضل ہیں۔“
”میں عربی نہیں ہوں بس پہناواں کا سا ہے۔“ عناس نے پہلی بار زبان کھولی اور اس کی بات کی نفی کی۔
”چلو لباس بھی تو تمہارا بہت ڈیفرنٹ سا ہے فوراً متوجہ کرتا ہے بڑوں کو۔“ اس نے بڑوں پر خاص زور دیا، عناس کے لئے وہ معرکہ جی جابری تھی، اس وقت سب لان میں دعوت شیراز سے لطف اندوز ہو رہے تھے، جو زیدین کے نکاح کی خوشی میں شا جہانی کی طرف سے منعقد تھی، سنا، اسی وقت سے فائدہ اٹھا کر اس کے پاس چلی آئی تھی اور اب دل کی بھڑاس خوب نکال رہی تھی۔

”ویسے بڑی زیادتی ہے تمہارے ساتھ تمہاری زندگی کا اتنا اہم دن ہے اور نہ تو تمہیں تیار کیا گیا ہے نہ ہی تقریب وغیرہ میں لے جانے کی زحمت، دہن غائب ہے باقی سب دنیا دعوت شرویات کے مزے اڑا رہی ہے۔“
”وہ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو۔“ عناس کی ایسی مدلل سی آواز برآمد ہوئی جیسے اس کے سامنے کوئی اعلیٰ وارفہ ہستی ہو، جس کے آگے بولنے کی گستاخی کی وہ مرتکب ہو رہی ہو۔

”یہ ٹھیک ہے زیدین کی عمر کا تقاضہ یہی ہے کہ سادہ سی تقریب ہو، لیکن سب کو تمہاری عمر و جذبات کا بھی تو خیال رکھنا چاہئے لیکن یہاں تو ایسا لگ رہا ہے جیسے نکاح نہیں ماتم ہو رہا ہو۔“ اس کی کل افشائیاں اسے تپائے دے رہی تھیں مگر پتہ نہیں کیوں اس سے کچھ بولا تک نہیں جا رہا تھا۔
”تم دیکھو نیچے جا کر کیسے رونانا دھونا ہو رہا ہے، بھی خوشی کے موقع پر سرے ہوؤں کو یاد کرنے کی کیا تک؟ پر نہیں جناب زیدین کو تو دوسروں کی خوشیاں تباہ کرنے کی عادت ہے اس نے ہماری شادی پر بھی یو بھی کیا تھا،

رداؤ مجسٹ [46] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناراض ہو کر کمرے میں بند ہو گیا تھا اور شا جہانی نے اپنے لاڈلے کے پیچھے تمام خوبی کو ایک ٹانگ پر کھڑا کر دیا تھا، عناس میری شادی بھی میری زندگی کا اتنا اہم دن، لیکن کسی نے کوئی خوشی نہ منائی یہاں تک کہ ذوق اس نے کپڑے تک نہ بدلے تھے، انہیں ساری زندگی اس بات کا قلق رہا کہ ان کے بھائی نے ان کی خوشی ملیا میٹ کر دی اور اسی زیدین نے ذوق ان کے ساتھ بھی یہی کیا، اس کی شادی سے پانچاٹ کر دیا، اتنے لوگوں کی موجودگی کے باوجود ذوق کو کورٹ میں جا کر شادی کرنا پڑی زیدین کسی کو خوش نہیں ہونے دیتا۔ اس کی داستان چار درویش جاری تھی، آنکھوں سے اشک پانی کی مانند بہہ رہے تھے، آواز کی کیکیا ہٹ الگ اس کی ہر بات پر سچائی کی مہر ثبت کر رہی تھی، عناس کے ہمدرد دل نے فوراً ہر بات کو سن و عن تسلیم کر لیا، وہ پانی کا گلاس لے کر اس کے پاس آئی تھی اور گلاس تھا کر اس کا ہاتھ نرمی سے دبانے لگی، اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا پھر عناس کی طرف دیکھ کر پہلی بار مسکرائی۔

”عناس! تم بہت پیاری اور معصوم ہو، میں تمہیں دکھ دینا نہیں چاہتی جو کہا اسے بھلا دینا۔“
”نہیں، نہیں آئی آپ بیٹھیں۔“ عناس نے بید سے اٹھتی سنا، کاہاتھ تھام کر پھر بٹھا دیا۔
”آئی اوہ آپ کی شادی پر خوش نہیں تھے؟“ عناس کے حسب توقع سوال پر اس کو اطمینان سا محسوس ہوا۔
”ہاں عناس! وہ خوش نہیں تھا۔“

”کیوں؟“ عناس کے سوالات کی ٹرین چل پڑی تھی۔
”دراصل عناس! بات یہ ہے کہ زیدین اور میری سنگینی بچپن سے ملے تھی وہ مجھے بہت پسند کرتا تھا لیکن۔“
اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی، عناس نے بیٹائی سے اس کا بازو دبایا۔

”لیکن کیا؟ کیا ہوا بتائیں ناں؟“ سنا، اس کی بے قراری پر مسکرا دی اور مزید گویا ہوئی۔
”لیکن عناس! زیدین بہت آوارہ صفت دل پھینک تھا ابو کو اس کی عادات پر بہت اعتراض تھا، اس کے شر سے تو خاندان کی لڑکیاں تک محفوظ نہ تھیں، ابو زر ماموں نے اسے بہت سز چڑھا رکھا تھا، ابھی وہ ساتویں میں تھا کہ اس نے اسے رنگ ڈھنگ دکھانا شروع کر دیئے، مانا ابو کی اس سے ہر وقت ٹھنی رہتی تھی، اکثر وہ مجھ سے بھی جد سے بڑھنے کی کوشش کرتا، لیکن مجھے یہ سب گوارہ نہ تھا ان سب باتوں کے باوجود میں اس سے شادی پر تیار تھی ہر ایک اس کی داستان آوارگی سناتا ہی، ابو کی ناراضی کے باوجود میں یہ ہی سمجھتی رہی کہ وہ شادی کے بعد ٹھیک ہو جائے گا، مگر اسی دوران اس نے ایسی حرکت کی کہ میرا دل مزید بوجھ نہیں سہار سکا اور میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا۔

”کیا حرکت کی تھی؟“ عناس کی بے صبری عروج پر تھی، اس نے چند لمحے اسے غور سے دیکھا پھر گہرا سانس لے کر بولی۔

”میں تمہیں بتانا تو نہیں چاہتی عناس! آخر وہ تمہاری زندگی سے منسلک ہو چکا ہے، تمہارے اس کے بارے میں جذبات خوش آمد ہوں گے لیکن عناس میں ہر ایک کی طرح تمہیں اندھیرے میں بھی نہیں رکھنا چاہتی، یہاں سب نے زیدین کی تعریفوں کے پل باندھے ہوں گے اور تمہیں خوب سچ جھوٹ سنایا ہوگا، مگر عناس میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں، آخر میں ماں ہوں مجھے تم میں اپنی بیٹی دعا کا چہرہ نظر آتا ہے۔ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی اس کے دل میں اعتبار کے سچ بونی کتنی اپنی اپنی سی لگ رہی تھی، عناس کو اب اس سے اپنا سیت محسوس ہونے لگی تھی خوف و الجھن کا کہیں نام تک نہ تھا۔

رداؤ مجسٹ [47] اگست 2016ء



”آپ بتائیں ناں کہ کیا حرکت کی تھی؟“ وہ بات کو واپس اپنے پوائنٹ پر لے آئی۔
”میں نے اسے عدی کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھا تھا اس نے عدی کو بالکل دبوچ رکھا تھا اور.....“ اس کی ادھوری بات کے باوجود عناس کوئی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی وجود تھا کہ گم صم، آنکھیں تھیں کہ پھٹی پڑ رہی تھیں اور کمزور دل تھا کہ دھڑکننا بھول گیا تھا، اس نے اس کا کندھا ہلایا۔
”عناس! میں جانتی ہوں تمہیں شک لگا ہے لیکن یہ سب بتانا بھی تو ضروری تھا۔“

”آئی یہ عدی کون ہے؟“ عناس نے اسی کیفیت میں کانپتے لبوں سے دھیرے سے دریافت کیا۔
”وہ اشعر ماموں کی بیٹی ہے عدویہ ماں باپ کے انتقال کے بعد اسی حویلی کے ایک کونے میں پڑی رہتی ہے، تبھی تو زیدین نے اسے نشانہ بنایا، وہ جانتا تھا کہ اپنی ذات میں قید عدی کسی سے بھلا کیا کہے گی اور اگر کہے گی بھی تو یقیناً کون کرے گا، وہ تو اتفاق سے میں وہاں پہنچ گئی ورنہ تو مجھے بھی ساری زندگی اس بات کا علم نہ ہوتا اور عناس میری محبت دیکھو کہ میں نے زیدین سے ملنے کی تو توڑ دی، مگر کسی کو اصل وجہ نہ بتائی، بلکہ خود ہی پر الزام لیتی رہی آج بھی سب یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی ملنے کی توڑ دی، اصل بات یا تو میں جانتی ہوں یا پھر آج کے بعد تم۔“ عناس کے کوئی رسپانس نہ آنے پر اس نے اپنی بات کو مزید آگے بڑھایا۔

”ممکنہ تو تھے کے بعد میں نے ذوالنواس سے شادی کر لی، کیونکہ ابوزر ماموں کے انتقال کے بعد وہ دونوں بھائی بے حد اکیلے اور رنجیدہ تھے، ذیون ہر وقت میلا پھیلا حویلی میں پھرتا اسے کوئی پوچھتا تک نہ تھا، زیدین کو تو اپنی رنگ رلیوں سے ہی فرصت نہ تھی، میں نے صرف ان کے گھر کے بکھرے شیرازے کو سمیٹنے کے لئے ذوالنواس سے شادی کی لیکن زیدین نے اسے اپنا مسئلہ بنالیا، ذوالنواس سے قطع تعلق کر لیا اسے اس بات کا انتہائی صدمہ تھا اور یہ صدمہ اس کی جان لے کر رہا، جوان بھائی کے مرنے کے بعد بھی زیدین کی روش میں کچھ فرق نہ آیا اس کی بے اتفاقی سے عاجز آ کر ذیون نے اپنی پسند سے شادی کرنی زیدین نے اس کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ اسے مجبوراً اپنی بیوی کو طلاق دینا پڑی، زیدین اپنے بھائیوں کے حق کا غاصب ہی نہیں ہے، تمام پر اپنی کا زبردستی مالک و مختار بھی بن بیٹھا ہے، ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کے باوجود دونوں چھوٹے بھائی اپنی ذرا ذرا سی ضرورت کے لئے زیدین کے آگے ہاتھ پھیلا کر تے تھے، اور اب تم سے شادی بھی وہ اسی لئے کر رہا ہے کہ.....“ اس نے پھر اہم موڑ پر بات چھوڑ دی، وہ عناس کو مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ رکھنے کے لئے ایسا کر رہی تھی، عناس نے سکوت پر چونک کر سر اٹھایا۔

”کیوں کر رہے ہیں وہ مجھ سے شادی؟“ اس سوال نے تو خود کئی دنوں سے اسے بے چین کر رکھا تھا وہ جاننا چاہتی تھی کہ زیدین نے شادی کے لئے اسی کا انتخاب کیوں کیا؟“
”کیونکہ ذیون ہمیں پسند کرنے لگا تھا۔“

”جی.....“ اس کے انکشاف نے عناس کے لئے اور بھی مشکل پیدا کر دی، وہ جان نہ پائی کہ بھاگنے کے لئے کونسا راستہ تلاش کرے اور اس عفریت سے جس کا نام اس کے نام سے جڑ گیا تھا، کیسے جان چھڑائے۔
”ہاں شاید ذیون نے اسے اپنی پسند سے آگاہ کیا ہوگا، اور تب ہی اس نے آنا فانا یہ نکاح کا ڈھونگ رچالیا اپنے بھائیوں کو وہ کہاں خوش دیکھ سکتا ہے؟“
”لیکن وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟“ عناس کی تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی حالت تھی انکشافات نے اسے نیم جاں سا کر دیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”عناس! وہ جنونی انسان ہے نفسیاتی مریض، اسے اذیت دے کر سکون ملتا ہے، وہ تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہے تم نہیں جانتیں مجھے تو خدا نے دوسری بار بھی اس کے چنگل سے بچالیا مگر تم، خدا تم پر رحم کرے۔“ ہمدردی کے ان بولوں کا سننا تھا کہ کتنی دیر سے ضبط کئے آنسوؤں کو راہ مل گئی، خوف و صدمے نے اس کی حالت غیر کر دی تھی، بے اختیار وہ حنا کے بازو پر سر رکائے روئے چلی گئی، اس نے کمال شفقت کے ساتھ اس کے سر کو اوپر اٹھا کر اس کے آنسو پونچھے۔

”عناس! میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں، تمہارا نکاح تمہارے پاؤں کی زنجیر ہے، ملنے کی انگوٹھی ہاتھ سے کھینچ لینا آسان تھا، وہ میں نے کر دیا دوسری بار بھی سب زیدین سے شادی پر مصر تھے مگر میری ایک ناں نے میری زندگی ہل کر دی مگر تم تو اپنا ہر اختیار زیدین کے نام کر چکی ہو۔“

”آئی! میں کیا کروں مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میں کس سے کہوں کیا کروں۔“ عناس کی حالت دیوانوں کی سی لگتی تھی وہ بے ربط بولتی ذہنی خلفشار کی انتہا پر تھی، خوفزدہ تو وہ زیدین سے ہمیشہ سے تھی مگر آج کے انکشافات کے بعد تو زیدین کی دہشت اور بھی بڑھ گئی تھی۔

”عناس! ابھی صرف تمہارا نام اس سے جڑا ہے خود کو اس جال میں مزید مت الجھانا، واپسی کے لئے روزن کھلا رکھنا۔“ عناس کی بات اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی، حنا اس کے خالی چہرے سے اخذ کر چکی تھی کہ دماغی لیول زیادہ ہائی نہ تھا۔

”عناس! میری بات سمجھ رہی ہو، اسے اپنے وجود پر اختیار میت دینا۔“ اس کی سرکوشی نے اس کے روٹنے کھڑے کر دیئے، ابھی تک تو وہ پتہ نہیں کوئے دکھڑے رو رہی تھی، اصل ٹینشن تو اب شروع ہوئی تھی وہ سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوب گئی۔

”عورت کا تقاضا مرد کے لئے زہر قاتل ہوتا ہے اور زیدین جیسا بھر پورا لیگور کھنے والا شخص تمہارے ایک قدم پیچھے ہٹنے پر سو قدم دور جائے گا، اس کی دوری میں ہی تمہاری زندگی کا سکھ ہے۔“ اس نے پہلی بار زیدین کے پارے میں سچ تجزیہ کیا، مگر اس انداز میں کہ عناس کو وہ بھی منہ ہی لگا دے جا چکی تھی مگر اس کے گرد باز گشت جاری تھی۔

☆☆☆☆

صہیب جاہ کی مہندی زور و شور سے جاری تھی، عناس کی عدم موجودگی سبھی کے لئے باعث تشویش تھی، مسکراہٹیں، شوخیاں اپنی جگہ مگر فکر و پریشانی بھی کم نہ تھی زیدین کا نکاح کوئی معمولی بات نہ تھی طوفانوں کی آمد سے پہلے کا سننا ہر سنت تھا۔ ہرنی جیسی عناس کا سہا سہا انداز الگ سب کے لئے حیرت کا باعث تھا، نکاح کے بعد زیدین کا دلکش التفات یکک پارٹی کے لئے بہت اثر کیٹو تھا، وہ سب کی موجودگی کے باوجود اپنی منکوحہ سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا، صغیرا اور لیلیٰ اس کی مددگار کے طور پر ساتھ موجود تھیں، زیدین کے بند کمرے کو ناک کرنے کا انداز بھی دلفریب تھا لیلیٰ اس کی مدد کے خیال سے اپنے کمرے میں گھس گئی، مگر اندر کے منظر نے ردائیں سے سچے ماحول کی ایسی شبیہ کر دی۔ عناس سر تک چادر لپیٹے اونڈھا لپٹی تھی۔

”عناس! اٹھو جلیہ درست کرو لالہ تم سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔“ لیلیٰ نے اس کی چادر کھینچی اور کان میں شریک سرکوشی کی ملنے کے لفظ پر لیلیٰ کی اداسی معنی خیزیت سے پر تھی۔ مگر ساٹ چہرے اور جان بوجھ کر بند کر دی ہوئی آنکھوں نے سارے سحر کو توڑ دیا، کافی تنگ و دو کے بعد مایوس لیلیٰ نے زیدین کو اس کی ناسازی طبیعت کی

خبر دی، زیدین چند لمحے سوچنے کے بعد واپس لوٹ گیا۔ اور آج دوسرے دن بھی عناس کی مستقل کمرہ بندی کے بعد لیلیٰ کو تائی ماں نے اسے بزور لہانے کو بھیجا مگر وہ حقیقی بخار کے باعث تپ رہی تھی اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔

”کیا ہوا اس کی طبیعت کو کیسے خراب ہوئی؟“ صغیرا نے بے تکا سا سوال کیا۔

”محترمہ! انسانوں کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے، مگر آپ پر تو جن کا سایہ ہے آپ کو کیا پتہ ان عوامل کا۔“

زوار نے تیر پھیکا جو حسب معمول نشانے پر لگا۔

”اور یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ جن خوبصورت لڑکیوں پر عاشق ہوتے ہیں۔“ صغیرا کہاں پیچھے رہنے والی تھی اتر کر گویا ہوئی۔

”اے خوبصورت لڑکی! تو دیکھو سارا میک اپ کا کمال ہے، حسن تو ہمارا تھا، اللہ کا دیا ہوا خالص ترین۔“ زوار کے دل کی بھڑاس بالی ماں نے نکال لی، نتیجتاً زوار دھڑکتے ہوئے صغیرا کو بتا دیا۔

”جی جی بالکل بالی ماں کا حسن تو ایسا تھا کہ انہیں تمام کوڑوں کی ملکہ کہاں جاتا تھا۔“ صغیرا کی توپ کا رخ بالی ماں کی طرف مڑ گیا تھا۔

”صفو! تمیز سے بات کرو بڑی ہیں تم سے۔“ تائی ماں نے گھر کا ایک تو ان کی ڈانٹ اوپر سے زوار کی چڑاٹی ہوئی ہنسی وہ غصے سے اٹھی جانے والی تھی کہ جویریہ نے ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیٹھو صفو! ابھی کانوں کی پریکٹس باقی ہے، مقابلہ بھی تو کرنا ہے۔“

”نہیں اب ہرگز اس گروپ میں شامل نہیں ہوں گی۔“ صغیرا نے نفی میں زور سے سر ہلایا۔

”اے صفو! آرام سے ساری جوئیں مجھ پر گر رہی ہیں۔“ حارث نے مصنوعی کپڑے جھاڑے۔

”میں تجھے بھی جوؤں کی طرح مسل دوں گی۔“ صغیرا نے جوئیں مارنے والے انداز میں دونوں انگوٹھوں کے

ناخن آپس میں رگڑے۔

”خواہ مخواہ اتنی تکلیف کرو گی صفو! بس دور سے ہی اپنا چھری نما ناخن دکھا دو ہیبت سے کون کون نہ مر جائے گا۔“ زوار نے مزید تیلی دکھائی۔

”نہیں میرا نہیں خیال کہ حارث کو کچھ ہوگا۔“ حفصہ نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ سب اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

”کیوں؟“ تیمور نے سب کی ترجمانی کی۔

”اس لئے کہ جو شخص صبح وشام تمہارے اور زوار کے بدبودار موزے کبھی نہ برش کئے دانت اور سر پر بالوں کا انبار دیکھتا ہو اس کا دل اتنا کمزور نہیں ہوگا کہ ذرا سے ناخن دیکھ کر ڈر جائے۔“ حفصہ نے صغیرا کی مسلسل گھینچائی

ہوتے دیکھ کر پہلی بار زبان کھولی، صغیرا نے مارے خوشی کے تالیاں بجنانی شروع کر دیں جبکہ باقی سب بغلیں جھانکنے لگے۔

”ایک تو یہاں ہر وقت جملے بازی ہوتی رہتی ہے ذرا بھر آرام نہیں۔“ لیلیٰ نے ان کی بے مقصد گفتگو سے عاجز آ کر کہا، وہ ایسی باتوں سے دور ہی رہتی تھی۔

”ہاں ذرا بھر تمیز نہیں تم لوگوں کو خبردار! اب کوئی نہ بولے لیلیٰ میں نے انہیں ڈانٹ دیا ہے کوئی اور خدمت؟“ حمزہ جو اس تمام وقت خاموشی سے ہال میں لائٹس لگوانے میں مصروف تھا لیلیٰ کی بات پر حسب عادت اس نے جواب دینا ضروری سمجھا، سب لڑائی جھگڑا بھول کر ہنس پڑے۔

”اے رانیہ! خیر تو ہے کہاں بھاگی جا رہی ہو؟“ رانیہ بیگم کو تیزی سے سیڑھیاں اتر کر باہر جاتے دیکھ کر تائی ماں کا دل جو ویسے بھی دھڑکنے کا بہانہ ڈھونڈتا تھا، شروع ہو گیا وہ انہیں زور سے مخاطب کر کے بولیں، مگر رانیہ تیزی میں تھیں پلٹ کر جواب تک نہ دیا، تائی ماں نے لیلیٰ کو ان کے پیچھے بھیجا، کیونکہ رانیہ کا رخ لیلیٰ کے کمرے کی طرف تھا جہاں عناس کا آج کل ڈیرا تھا۔

☆☆☆☆

”عناس میری بیٹی سب سے الگ تھلگ کیوں ہو؟ ارے حویلی کی رونقوں کو تو تم دور بیٹھ کر ترستی تھیں اور آج جب حویلی میں شادیانے بج رہے ہیں تو یوں کمرہ بند کئے بیٹھی ہو باسب میں گھل مل کر رہو سارے بچے کھیلتے شرارتیں کرتے اتنے اچھے لگتے ہیں، اک سوا تیرے۔“ رانیہ بیگم کی کسی چوڑی تقریر پر اس کا رد عمل صرف

تھکے سے سر اٹھا کر ان کی گود میں رکھنے کا تھامہ میں تو جیسے زبان سوکھ ہی گئی تھی۔

”عناس! بول ناں ارے کوئی بات ہے تو اپنی ماں کو بتاتی کیوں نہیں؟“ ماں کا شہد و شکر گھلا لہجہ ہر ناراضی کو

پل بھر میں ختم کر گیا، وہ ان کی گود میں سر گھسائے ہوئے بولی۔

”ماما! آپ نے مجھ سے کسی بات میں رائے نہیں لی خود سے سب کچھ کر لیا۔“ رانیہ بیگم کو اس کے لہجے کا مان

بڑا ہی پیارا لگا۔

”میری جان! تمہارے لئے بہتر سے بہتر کرنے والے ماں باپ کو تیری رائے کی ضرورت تھی کیا؟“

ان کے جوابی سوال نے اسے لا جواب کر دیا، مگر خیر ہو اس دل کا جو خدشوں کا مسکن تھا۔

”ماما! آپ انہیں کتنا جانتی ہیں؟“

”کسے؟“ رانیہ بیگم اس کا اشارہ سمجھ نہ سکیں۔

”وہ ہی لالہ، عناس نے جھکے ہوئے کہا بھی تو لالہ رانیہ بیگم ہنس پڑیں۔

”پاگل وہ تمہارا شوہر ہے اب لالہ نہیں کہنا۔“

”ماما! وہ اچھے نہیں ہیں۔“ وہ ضدی پن سے بولی۔

”اوں ہوں، بناء ملے خود ہی سے فرض کر لیا زیدین حق سے آیا تھا تمہارے پاس مگر تم۔“

”ماما! مجھے پتہ چل چکا ہے ان کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں۔“ عناس نے رانیہ کی بات کاٹ کر

تیزی سے کہا، انداز ایسا ہی تھا جیسے آج کل کی نیوز چینل کا کہ گویا تمام دنیا کی خبر اور وہ بھی صحیح انہی کے پاس ہوتی ہے۔

”اچھا تو کیا پتہ چلا ہے؟“ رانیہ اس کا دل بہلانے کے خیال سے ایک گیلی کی مانند بات سے بات بڑھا رہی تھیں۔

”یہی کہ وہ بہت خود غرض ہیں۔“

”عناس! بدتمیزی..... ارے وہ تمہارا شوہر ہے۔“ اب تک اس کے رویے کو بچپنا سمجھ کر نظر انداز کرنے

والی رانیہ کا ماتھا ٹھنکا۔

”بس بہت ہو گئی میں سمجھ رہی تھی تم نا سمجھی میں یونہی الناسیدھا بول رہی ہوں لیکن تمہارا لہجہ سخت نازیبا ہے

آئندہ ایسی بات مت کرنا نہ سوچنا، تمہیں کیا معلوم وہ تمہاری یا ہماری کسی نیکی کا ثمر ہے، تیری خوش بختی کا ستارہ ہے، چاہنے والا، نبھانے والا شخص ہے جو ہر عورت کی خواہش ہوتی ہے۔“ رانیہ بیگم اسے اچھا خاصا لٹرائے اور

سمجھانے کے بعد نرم پڑ گئیں اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر چوم لیا۔

(باقی آئندہ)



WWW.PAKSOCIETY.COM

عائشہ الیاس

ناولٹ

کالج کی سلاست

لئے سوٹ استری نہ ہوا تو خیر نہیں تھی پر اب صد شکر کرتے اس نے استری کرنا شروع کر دی تھی استری کر کے وہ سوٹ بیگر میں لٹکا کر کمرے میں رکھ آئی تھی اور واپس کچن کی طرف رخ کیا چوہے پر چائے کا پانی چڑھا کر روٹی اور پرائیٹ کے لئے پیڑے بنانے لگی۔ ”ارے بھئی بھو! چائے تیار ہے کیا.....؟“ وہ بڑی مصروف سی کام میں مگن تھی جب عقب سے قیوم صاحب کی آواز ابھری تو وہ چونک کر پلٹی تھی اس نے سب سے پہلے تیزی سے اپنا دوپٹہ درست کیا ہاتھ پاؤں یکدم ہی سرو پڑ گئے تھے۔

”جی.....“ بڑی مشکل سے اس کی آواز نکلی تھی قیوم صاحب اس کے زرد پڑتے چہرے سے خوب محظوظ ہوئے تھے۔

”اچھا تو پھر میں لاؤنج میں ہی بیٹھا ہوں وہیں لے آؤ۔“ وہ عیاری سے مسکرا کر بولتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اب سارا دن اس کا سوئی پر لٹک کر یونہی گزارا تھا اور یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں سجانے وہ کونسا دن ہونا تھا جب اسے بھی سکون کی سانس میسر ہوئی تھی اس نے نماز کی طرح دوپٹہ لپیٹ کر اپنے ہر اعضاء کو اچھی طرح چھپا لیا تھا پھر بھی عجیب سی فکر لاحق تھی اس کا بس چلتا تو خود کو کسی تہہ خانے میں چھپا لیتی قیوم صاحب بظاہر اخبار پڑھ رہے تھے پر دور سے آتی نور پران کی سیلی نگاہ جم سی گئی تھی وہ خوف زدہ سی چائے کا

ساری رات چھا جوں چھا ج پینہ برستار ہا بجلی کی کڑکڑاہٹ گر جتے بادل تیز طوفانی ہوا کیں اس کی تو کسی طور آنکھ ہی نہ لگی ساری رات اس نے آنکھوں میں کالی اور اب صبح کو یہ عالم تھا کہ جمائیوں سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں پر نیند کو خیر آباد کر کے فجر کی نماز ادا کر کے وہ کام میں جت گئی سب سے پہلے اس نے کچن کی طرف رخ کیا ناشتے کی آج پوں تھی جلدی تیاری کرنی تھی کہ اور ڈھیروں کام بھی منہ کھولے ہوئے تھے سب سے پہلے تو کشادہ صحن کی صفائی جو آندھی اور طوفان کی وجہ سے گندگی کا ڈھیر بن گیا تھا رکھنے کو وہ ملازمہ بھی رکھ سکتی تھی پر اس کی نفس طبعیت کسی اور کے کام کو پسند کرنے کی روادار نہ تھی پھر کفایت شعار بھی وہ کالی تھی بچتوں سے ہی اس نے اچھے برے وقت کے لئے کچھ سیونگ کر رکھی تھی اس نے سب سے پہلے تند ہی سے آٹا کوندھنا شروع کیا معا خیر سے بجلی کی آمد ہوگئی اس نے جلدی سے آٹے کو کوندھ کر پیالے میں ڈالا اسے ڈھک کر ہاتھ دھوتی ہوئی لاؤنج کی طرف بڑھی استری کا پلنگ لگا کر آن کر دیا رات بجلی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے عادل کے کپڑے استری نہیں کئے تھے ورنہ عموماً وہ دو تین جوڑے استری کر کے رکھتی تھی پر پہلی بار یہ اتفاق ہوا تھا کہ آج کوئی استری شدہ سوٹ نہیں تھا عادل سے وہ یہ بات چھپا گئی تھی پر اندر ہی اندر ڈر تھا کہ اگر صبح تک بجلی نہ آئی اور عادل کے آفس جانے کے

کب تھا ان کی جانب بڑھی ان کے آگے رکھی چھوٹی سی میز پر اس نے چائے کا کپ بڑی عجلت میں رکھا تھا اور تیزی سے واپس کچن کی طرف لپکی آج حیرت کی بات بھی انہوں نے کوئی غلیظ جملہ نہیں کہا تھا وہ اتنی تیز بھاگتی ہوئی کچن میں آئی تھی کہ اس کا سانس پھول سا گیا دیوار سے ٹیک لگائے بڑی اذیت میں اپنے پھولے ہوئے سانس کو بحال کر رہی تھی قطرہ قطرہ آنسو اس کے اندر گر رہے تھے کافی دیر وہ یونہی کم صم کھڑی رہی تھی پھر خود ہی اپنے آپ کو سنبھالتی تھینکتے ہوئے کام میں جت گئی تھی گھر کے کاموں کو وہ جلد سے جلد نبھالیتی تھی اور پھر سارا دن خود کو کمرے میں مقید کر لیتی پر یہ سب اتنا آسان بھی نہیں تھا وہ ایک انتہائی چالاک انسان تھے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اب تو یہ کھیل سالوں پر محیط ہو گیا تھا۔

”منال سورہی ہے.....؟“ قیوم صاحب پوٹی کے بارے میں ناشتے کے دوران عادل سے پوچھ رہے تھے۔

”جی ابا“ عادل نے چائے کا کھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

”ہم ہم..... منال اس بجلی نے تو رات بھر کسی کو بھی سونے نہیں دیا، بھوپجاری بھی لگتا ہے رات بھر جاگتی رہی ہے اور اب صبح سے کاموں میں جتی ہوئی ہے بیٹا اب تم کچھ دیر آرام کر لینا۔“ وہ بڑی اپنائیت سے چور لہجے میں بول رہے تھے عادل کی موجودگی میں وہ یونہی شفقت لٹاتے نظر آتے تھے جس سے عادل ان کا اور بھی گرویدہ ہو جاتا تھا ان کے اس مکروہ چہرے پر دل چاہا وہ گرم چائے ہی چھینک دے اس نے جواباً گردن اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہ کیا، چپ چاپ بے دلی سے نوالے لگتی رہی جبکہ عادل کو ان پر بے پناہ پیار آ رہا تھا کس قدر وہ سب کا خیال رکھتے تھے یہ سوچ کر ہی وہ ان کا مشکور ہو جاتا۔

”اچھا ابا! اجازت دیں چلتا ہوں۔“ وہ اپنا ناشتہ مکمل کر کے ان کے آگے احترام سے سر جھکا بٹے ہوئے بولا۔

”خدا کی امان میں جاؤ۔“ وہ اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے بولے۔ عادل کے پیچھے وہ بھی فوراً چل دی تھی عادل کو رخصت کرنے کے بعد بجائے اندر جانے کے اس نے واپس اور جھاڑوا اٹھایا اور صحن میں لگی موٹر کے ساتھ پائپ لگا کر اس نے موٹر آن کر دی، موٹر کے چلتے ہی فوارے کی طرح پانی پھوٹ کر پائپ سے باہر نکل آیا اس نے تیزی سے دھلائی کرنا شروع کر دی، قیوم صاحب کچھ دیر اس کا انتظار کرتے رہے شاید وہ اندر آئے پر باہر سے جب دھلائی کی آواز آنا شروع ہوئی تو وہ اپنی کرسی اٹھا کر وہیں لے آئے کرسی پر بیٹھ کر اخبار کی تہہ کھول کر مطالعہ شروع کیا پر سرکش نگاہیں اسی کے تعاقب میں تھیں اس نے نظراٹھانا تک گوارہ نہ کیا حالانکہ ان کی آمد کو محسوس کر لیا تھا پر وہ پوری طرح انجان بنی رہی یہ سلسلہ اس کے لئے کوئی نیا تو تھا نہیں جب وہ شادی ہو کر اس گھر میں آئی تھی تب پہلی ہی نظر میں وہ سرسری نگاہوں کو سمجھ گئی تھی حیرت کے جھٹکے کے ساتھ وہ کافی خوف زدہ سی ہو گئی تھی سسرال میں واحد ایک عادل اور سرسری تو تھے شادی کے شروع کے دنوں سے ہی وہ بات بے بات اس سے فری ہوتے بات بات پر ان کا اسے ہاتھ لگانا مزید ہراساں کر دیتا اپنی پریشانی بیان کرتی بھی تو کس سے ماں باپ کے سائے سے محروم ماموں مائی کے سائے میں لپی بڑھی مائی کی ہر وقت کی روک ٹوک اور غصے نے اسے بزدل بنا دیا تھا کسی سے مقابلہ کیا خاک کرتی، عادل اس کے محلے میں ہی رہتا تھا کالج جاتے ہوئے عادل کا اس سے اکثر آتنا سامنا ہوتا تھا کب یہ نگاہیں پسند میں بدلیں دونوں ہی کو خبر نہ ہوئی، کچھ ہی عرصے بعد عادل نے اس کے گھر رشتہ بھجوا دیا، نہ محبتوں کا عندیہ نہ طویل گفتگو نہ سیر سپاٹے اس نے سیدھی اور صاف راہ چنی بنا کسی خیل محبت کے رشتہ پکا ہو گیا وہ بہت خوش تھی ہمیشہ اس نے جبر کی اور دوسروں کی محتاج بن کر زندگی گزاری تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر یہاں تو قسمت خود پر بڑی مہربان لگی سسرال کے نام پر صرف سسر اور پھر جسے چاہا وہ ہمسفر بن گیا وہ بے پناہ خوش تھی سہیلیاں رشک کر کے نہ تھک رہی تھیں پر شادی کے بعد یہ ساری خوشی خاک بن گئی تھی بلاشبہ عادل بہت اچھا تھا پر باپ سے بے پناہ پیار کرنے والا ان کے خلاف تو ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا تھا وہ کوئی بات کرتی بھی تو عادل نے دوسرے ہی پل ہاتھ سے پکڑ کر اسے چلتا کرنا تھا اب واحد حل تھا خدا سے اپنی حفاظت کی دعائیں مانگنا اور بچ بچ کر رہنا پر قیوم صاحب اس کی بزدلی سے نڈر ہوتے جا رہے تھے شروع شروع میں ان کے ساتھ اکیلے گھر میں رہنے سے خوف آتا، جس کا اس نے یہ حل نکالا جب تک عادل آفس سے واپس نہ آ جاتا وہ سحر کو بلا لیتی جو اس کی بچپن کی پہلی تھی جملہ ایک ہونے کی وجہ سے دونوں میں قربت بھی کافی تھی اس نے اول روز ہی ساری روداد اس کے گوش گزار کر دی تھی اس نے چھوٹے ہی عادل کو سب بتا دینے کا مشورہ دیا تھا جس کا کوئی فائدہ نہ تھا فی الوقت وہ اس کے پاس آ جاتی پر قیوم صاحب کو اس کی مسلسل آمد کسی رکاوٹ کی طرح لگی تو انہوں نے بھی ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے کان اس کے خلاف بھر دیئے جس کا نتیجہ یہ ہوا سحر کی آمد بند ہو گئی، قیوم صاحب کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ چھا گئی جبکہ وہ کھستی ہوئی آنسوؤں کو اندر اتارنے لگی خدا سے ہر وقت حفظ و امان کی دعائیں مانگتی رہتی اس کی دعاؤں کی گڑ گڑاہٹ بھی جیسی اس کی تنہائی بانٹنے کے لئے خدا نے اس کے آنگن میں ننھا پھول مہکا دیا تھا وہ منال کے کاموں کا بہانا بنا کر کمرے میں بند رہتی پر قیوم صاحب اسے عاجز کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور آج یہ عالم تھا کہ وہ اتنے بے باک ہو چکے تھے کہ کبھی بھی اس پر کوئی بھی جملہ کس دیتے وہ صحن کا آخری حصہ صاف کر کے فارغ ہی

ہوئی تھی کہ دروازے پر بیل بج اٹھی وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھی۔

”سحرا“ دروازہ کھولتے ہی سامنے جو نظر اٹھی تو خوشی سے چوٹے بنا نہ رہ پانی۔

”تم آج یوں اچانک.....؟“ اس کے لئے اس کی آمد کافی حیران کن بھی جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ کم کم ہی آتی پر دونوں نے فون پر ریکارڈ رکھا ہوا تھا پر فون کی نسبت آسنے سامنے دیکھنے کی تقویت کچھ اور ہی تھی۔

”بتائی ہوں اندر تو آنے دو۔“ وہ شوخ لہجے میں بولی۔

”او..... ہاں آؤ ناں۔“ وہ شرمندہ سی دروازے سے پیچھے ہٹتی اسے اپنے ساتھ اندر لاتے ہوئے سحر کے قدم قیوم صاحب کو دیکھ کر رک گئے۔

”السلام علیکم انکل!“ بظاہر وہ بڑے بیٹھے لہجے میں مخاطب ہوئی پر اندر تو جیسے انہیں دیکھ کر ہی آگ بھڑک اٹھی تھی۔

”وعلیکم السلام بھی کیسی ہو سحر.....؟ بڑے دنوں بعد چکر لگایا۔“ قیوم صاحب اس کی آمد سے چوٹے تھے کچھ بد مزہ بھی ہو گئے تھے پر بیٹھے لہجے میں بولتے ہوئے اپنے خیالات چھپا گئے تھے۔

”بس انکل! مصروفیت ہی کچھ ایسی تھیں کہ آنا نہ ہو سکا۔“ وہ وضاحت کرتے ہوئے بولی۔

”ہاں بھی شادی کے بعد ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔“ وہ اتفاق کرتے ہوئے بولے۔

”اور انکل! آپ کی طبیعت ٹھیک ٹھاک ہے۔“

”یہ تو تم بتاؤ کیسا نظر آ رہا ہوں.....؟“ وہ شوخ سے بولے۔ اس کا دل چاہا کہ۔

”کاش تم بستر پر ہی نظر آؤ۔“ پر حسرت دل میں ہی ذہانی نوروں سے جا چکی تھی اس سے پہلے وہ مزید کوئی اوجھی گفتگو پر اترتے اس نے وہاں سے کھسکا ہی تیز سمجھا جواباً ان کی بات پر جبراً مسکرا کر۔

”اچھا انکل پھر ملاقات ہوگی۔“ کہہ کر فوراً اندر

کی طرف بڑھ گئی، قیوم صاحب بد مزہ سے ہو کر رہ گئے۔
جبراً اخبار میں ہی دل لگانا پڑا۔

”یہ بڑھا بھی نہیں سدھریے گا۔“ نور بچن میں کھڑی ناشتے کے برتن دھو رہی تھی وہ اس کے پاس وچیں چلی آئی بچن میں موجود چھوٹی سی گولی میز کے گرد گھسی کر سی کو بچھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
”میں تو سوچتی ہوں اس کے ویدوں کا انتخابی مر گیا ہے کہ اسے جائز و ناجائز کسی چیز کا کوئی خیال نہیں۔“ اس کے لفظ انکارے بر سار ہے تھے۔

”آہستہ بولو۔۔۔ اگر انہوں نے سن لیا تو پھر خیر نہیں ہوگی۔“ نور نے فوراً ٹوکا۔

”ارے دفعہ سنتا ہے تو سننے میں نہیں ڈرتی۔“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولی نور ہاتھ دھو کر اسی کے پاس آ بیٹھی۔
”پر میں ڈرتی ہوں۔“ ستا ہوا چہرہ فکر، خوف پریشانی سب عیاں تھا اس کے چہرے پر سحر کو بے پناہ ترس آیا اس پر۔

”تم کب تک یوں خوف زدہ ہو کر زندگی گزارو گی، میری مانو تو عادل بھائی کو بتا دو سب۔“ اس نے ہمیشہ کا دیا گیا مشورہ دوبارہ دیا۔

”تم ایسے بول رہی ہو جیسے عادل کو جانتی نہیں ہو وہ کبھی بھی میری بات پر یقین نہیں کریں گے۔“ وہ روہا کی سی بولی۔

تو پھر کیا کرو گی، خدا نا خواستہ وہ کوئی اونچھے ہتھکنڈوں پر اتر گئے پھر کیا کرو گی۔۔۔۔۔؟ وہ آنے والے وقت کے لئے پریشان تھی۔

”اس سے زیادہ اور اونچھی حرکتیں کیا ہوں گی۔“ اس کی آواز ڈوب سی گئی تھی سحر نے محبت سے سہلی والے انداز سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔

”تو پھر اور کیا کر سکتی ہو، کیا یونہی ڈر ڈر کر زندگی گزارو گی۔۔۔۔۔؟“

”پتا نہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا بس خدا ہی ہے جو میرا محافظ ہے، پچھلے سات سالوں سے بھی تو اسی نے

میری حفاظت کی ہے آگے بھی وہی کرے گا۔“ بے پناہ خوف کے باوجود بھی وہ نا امید نہ تھی اس کی سوچ اور لہجہ دونوں توکل تھے۔

”میں تو بس اتنا کہوں گی ایسے انسانوں پر خدا کا عذاب پڑے۔“ سحر جتنا ملامت کرتی ایسے کم ہی لگتا ویسے بھی وہ بڑی جذباتی سی تھی سوچتی بعد میں بھی بولتی پہلے تھی۔
”دفعہ کرو تم انہیں تم بتاؤ تمہارے سسرال میں سب ٹھیک ہیں۔۔۔۔۔؟“ نور نے موضوع بدلنے میں ہی عافیت جانی۔

”ہاں یار! شکر ہے خدا کا سب بہت اچھے ہیں بے شک مجھے بھرا پر اسرال ملا ہے پر شکر ہے سب بہت ملنسار ہیں۔“ اس کے لہجے میں خوشی واضح تھی۔

”اچھی بات ہے اور تم کتنے دن کے لئے آئی ہو۔۔۔۔۔؟“

”ایک ہفتے کے لئے حیدر سے میں نے صاف صاف کہہ دیا جب سے شادی ہوئی ہے ایک آدھ دن سے زیادہ روکنے نہیں دیا۔“ وہ مسکراتی ہوئی بولی اس کا سکون اور خوشی اس کے چہرے سے چھٹک رہے تھے نور اسے یوں دیکھ کر خوش تھی۔

”بالکل ٹھیک کیا تم نے اور اب شام سے پہلے تو میں بھی تمہیں نہیں جانے دوں گی۔“ اس نے بھی وارن کیا۔
”جو حکم میرے آقا پر اس کا تاوان بھرنے کے لئے آپ کو مجھے بریانی کھلانی ہوگی۔“ وہ مسکراتی ہوئی

بڑے مودبانہ انداز میں بولی۔

”جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔“ نور بسر جھکا کر بولی تو وہ کھٹکھٹا کر ہنس دی۔

”مایا! چھ سالہ منال آ نکھیں مسلتی ہوئی بچن میں آ گئی تھی وہ دونوں ہی اس کی آمد پر چونکی تھیں۔

”ارے میرا بچہ۔“ سحر فوراً چپکتی ہوئی اس کی جانب بڑھی اور جھٹ سے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا، منال بھی اسے دیکھ کر چونکی تھی وہ اسے چومتے ہوئے اپنی گود میں لے کر کرسی پر بیٹھ گئی، جبکہ منال خوشی کا اظہار کرنے کے بجائے نروٹھا سامنے بنا کر بیٹھی

تھی، نور ان دونوں پر مسکراتی ہوئی نظر ڈال کر اٹھ گئی اور کھانے کی تیاری کے لئے فریج سے گوشت نکالنے لگی۔

”کیسا ہے میرا بچہ۔۔۔۔۔؟“ وہ اس کے ریشمی بالوں کو ماتھے سے سرکاتے ہوئے محبت سے چور لہجے میں بولی، وہ اس کے یونہی لاڈ اٹھاتی تھی۔

”میں آپ سے ناراض ہوں۔“ وہ منہ بسور کر بولی، سحر کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا، نور گوشت کا پیکٹ پانی میں بھگو کر کچے چاولوں کو ڈش میں نکال کر ان کے پاس آ بیٹھی۔

”ہیں بھی کیوں۔۔۔۔۔؟“ سحر نے نور پر بھی نظر ڈالتے ہوئے کہا جو صرف مسکرا رہی تھی۔

”آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئیں۔۔۔۔۔؟“ وہ لاڈ سے بولی۔ سحر سوچ میں پڑ گئی آخر کیا تو جیہہ پیش کرے۔

”میرے بچے خالہ مصروف تھیں ناں۔“

”نہیں آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔“ وہ کسی طور پر راضی ہونے کے لئے تیار نہ تھی۔

”میرے بچے بول رہی ہوں اچھا چلو چھوڑو خالہ آپ کے لئے اتنی زبردست چیز لائی ہیں کہ آپ فوراً سے راضی ہو جاؤ گی۔“ سحر اپنا ہینڈ بیگ کھولتے ہوئے بولی وہ بھی فوراً متوجہ ہو گئی اس نے

ہینڈ بیگ سے چاکلیٹ کا ڈب نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ چاکلیٹیں دیکھ کر اس کا چہرہ کھل اٹھا اس نے جھٹ سے تھام لیا تھا۔

”تھینک یو خالہ!“ اس نے سحر کے گال کو چومتے ہوئے کہا، سحر مسکرا دی۔

”اب تو خالہ سے ناراض نہیں ہوناں۔۔۔۔۔؟“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

”نہیں۔“ اس نے بڑی عجلت میں جواب دیا کیونکہ اب زیادہ توجہ کامرکز چاکلیٹیں تھیں۔

”تم نے اس کی عادتیں بگاڑ دی ہیں سحر!“ نور ٹوکے بنانہ رہ پائی۔

”نہیں یہ تو میرے جگر کا نکلڑا ہے بھلا اتنی سی چیز

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے کیا عادت بگڑے گی۔“ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں سہلاتے ہوئے بولی وہ جانتی تھی وہ دیوانگی کی حد تک اس سے پیار کرتی تھی۔

☆☆☆☆

وہ کپڑے دھو کر تار پر پھیلا رہی تھی قیوم صاحب معمول کی طرح اس پر نظر جمائے بیٹھے ہوئے تھے وہ ان کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی پر ان گھناؤنی نظروں کو واضح طور پر محسوس کر رہی تھی خوف سے اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے وہ جلد از جلد کام نمٹا کر کمرے میں مقید ہو جانا چاہتی تھی۔

”منال! بیٹا! میرا چشمہ تو اندر سے لانا۔“ صحن میں بال سے کھیلتی منال کو کہا، وہ بھی ان کا حکم مانتے ہوئے اندر کی طرف دوڑی، نور روکنا چاہتی تھی اسے

لیکن وہ تیزی سے بھاگ چکی تھی وہ خوف زدہ سی پلٹی پر سامنے قیوم صاحب سینہ تانے کھڑے تھے اس کا چہرہ عرق آلود ہو گیا تھا اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرے کو خشک کیا اپنے خوف کو چھپانے کی وہ نا کام سی سعی کر رہی تھی اس کی اس کیفیت سے قیوم صاحب بہت محظوظ ہو رہے تھے۔

”اتنا کیوں گھبراتی ہو مجھ سے۔۔۔۔۔؟“ وہ لبوں پر مکارانہ مسکراہٹ سجائے دلفریب انداز میں بولے اس کا دل چاہا ز میں پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

”خدا کا واسطہ ہے آپ کو کیوں میری زندگی جہنم بنا رہے ہیں۔۔۔۔۔؟“ وہ گڑ گڑا کر ہاتھ جوڑے بولی۔

”اوہو۔۔۔۔۔ میں بھلا تمہاری زندگی کیوں عذاب بناؤں گا اگر تم میری بات مان لو تو اس سے تم بھی خوش رہو گی اور میں بھی۔“ وہ ساری شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر دھیرے سے اپنا مطالبہ پیش کر رہے تھے نور کا دماغ بھگ سے اڑ گیا، جہاں کچھ دیر پہلے خوف تھا وہاں اب آنکھیں سرخ

انگارے بر سار ہی تھیں کیونکہ بات اس کی عزت کی تھی۔

”بس اس سے آگے کوئی لفظ اگر آپ نے کہا تو

مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ آپ کی تو غیرت مر گئی ہے
 بر میں ابھی اتنی بے غیرت نہیں ہوئی ہوں۔ وہ
 لفظوں کو دبا کر بولتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی
 کہ انہوں نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا وہ ہکا بکا رہ گئی۔
 اس جرأت پر وہ غصے میں پھری اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔
 ”چھوڑیں مجھے ورنہ میں شور مچا دوں گی۔“ وہ
 دھمکی دیتے ہوئے بولی۔

”میں بہت شرافت دکھا رہا ہوں ورنہ میں
 چاہوں تو تمہارا منہ کالا کر کے اس گھر سے چلتا کروں
 اس کے بعد تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی
 تمہارے لئے بہتر یہی ہے میری بات مان لو۔ اب
 کے وہ سختی سے بولے اس کی آنکھوں سے تو اتر سے
 آنسو بہنے لگے۔

”دادا۔“ منائل کی آواز پر انہوں نے یکدم ہاتھ
 چھوڑ دیا تھا۔

”دادا! مجھے آپ کا چشمہ نہیں مل رہا۔“ وہ کافی
 دیر تلاش کے بعد ہار کر واپس آ گئی تھی اس سے پہلے وہ
 کچھ جواب دیتے ہوئے نور سے گود میں اٹھا کر اپنے کمرے
 کی طرف بھاگی تھی روتی بلکتی نور کو دیکھ کر منائل ہکا بکا
 ہو گئی تھی کمرے کو لاک لگا کر منائل کو سینے سے لگائے
 وہ روئے چلی جا رہی تھی۔

”ماما کیا ہوا ہے آپ کیوں رورہی ہیں.....؟“
 وہ گھبرا گئی تھی آگے سے اس نے نفی میں گردن ہلا دی
 کافی دیر وہ روتی رہی منائل کے معصوم چہرے پر
 ہوائیاں اڑ گئی تھیں ماں کو یوں روتا دیکھ کر۔

”آپ بابا کو کچھ مت بتانا۔“ وہ قدرے توقف کے
 بعد اپنے آنسوؤں کو دھو پٹے سے پونچھتی ہوئی بولی آگے
 سے وہ بھی فرمانبرداری سے اثبات میں گردن ہلا گئی۔
 ”آپ چپ ہو جائیں میں بابا کو کچھ نہیں بتاؤں
 گی۔“ وہ اس کے آنسو پونچھ کر سینے سے لگ گئی تھی۔

☆☆☆☆

”بھئی واہ کیا بات ہے میری بہو کی اتنا عمدہ کھانا

شاید ہی میں نے کبھی کھایا ہو۔“ قیوم صاحب بڑے
 خوشگوار لہجے میں بول رہے تھے عادل باب کو یوں
 خوش دیکھ کر مسکرا دیا جبکہ نور لا اقلقی برتے ہوئے سر
 جھکائے بیٹھی رہی عادل باب کو خوش دیکھ کر مزید
 پرسکون ہو جاتا ساتھ ہی مشکور بھی آخر کو اس کی پسند کو
 وہ سراپتے تھے جبکہ وہ ان کی ہر چال سے اب اچھی
 طرح واقف ہو چکی تھی وہ ہر قدم پھونک پھونک کر
 چلتے کہ ان کے کالے کرتوتوں کی خبر اپنے سائے تک
 کو نہ ہونے دیتے تھے۔

”ابا! کتنے اچھے ہیں ناں مجھے تو رشک آتا ہے
 خود پر کہ خدا نے مجھے اتنے اچھے ماں باپ دیے۔“
 رات کھانے کے بعد وہ قیوم صاحب کے محبت بھرے
 انداز کو سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔

وہ الماری کا پٹ کھولتے کھولتے تھم سی گئی عادل
 کی بات تیر کی طرح اس کے دل کو زخمی کر گئی تھی جہاں
 اپنے شوہر کی سادگی پر دکھ ہوا تھا وہیں غصہ بھی آیا کہ وہ
 اگر ذرا غور کرتا تو بہت سی حقیقتوں سے پردہ اٹھ جاتا پر
 یہ تو اس کا خیال تھا بھلا وہ باپ کے بارے میں کیونکر
 سوچتا ایسا اس نے عادل کی بات کا کوئی جواب نہ دیا
 الماری سے اوڑھنے کے لئے چادریں نکال کر خاموشی
 سے بستر پر سیٹ کرنے لگی۔

”میں تو شکر کرتا ہوں خدا کا کہ وہ کوئی دقیقہ فوسی
 قسم کے انسان نہیں ہیں ہمیشہ میرے ساتھ دوستوں
 کی طرح سلوک رکھا خاص کر اماں کے جانے کے
 بعد بہت خیال رکھا۔“ وہ بڑے موڈ میں تھا نور کا
 جواب نا پا کر بھی خود ہی بولتا گیا جبکہ وہ ہنوز چپ رہی
 عادل کے منہ سے ادا ہوئی باپ کی تعریفوں پر کھول ہی
 سکتی تھی ورنہ دل تو شدت سے جاتھا تھا اس کے باپ
 کا اصلی مکروہ چہرہ دکھا دئے اس کی مسلسل خاموشی پر
 عادل نے اسے نظر اٹھا کر دیکھا جو گم سم سی بیٹھی تھی۔

”کیا ہوا کیا سوچ رہی ہو.....؟ تم نے میری
 بات کا کوئی جواب بھی نہیں دیا۔“ وہ اس کے آگے

ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا تو وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔
 ”کچھ نہیں بھلا میں کیا سوچوں گی.....؟“ وہ
 بات کو ل کر گئی تھی۔

”تو پھر ٹھیک کہہ رہا تھا ناں میں.....؟“ اس نے
 دوبارہ اپنی بات کی تائید چاہی اور اس کے حلق میں تو
 الفاظ جیسے گولے کی طرح پھنس گئے عادل جواب کا
 منتظر اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا چاروں ناچار
 اسے ہائی بھر لی پڑی۔

”جی۔“ اس کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ بمشکل خود
 اس کے کانوں میں آواز پہنچی ہو عادل کو اس کا ستا ہوا
 چہرہ آج کچھ زیادہ ہی مضطرب کر گیا اسے کئی دفعہ
 محسوس ہوتا تھا عجیب بے چینی ابجھنیں اس کے
 چہرے کا طواف کرتی تھیں پر وہ ہم سمجھ کر جھٹک دیتا پر
 اب اس کا چہرہ دن بدن زرد پتے جیسا ہوتا جا رہا تھا۔

”نور! کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو.....؟“
 آخر کو رہا نہ گیا تو پوچھ ہی ڈالا اپنے تئیں تو اسے یہی
 وجہ لگی وہ عادل کی بات پر چونک سی گئی۔

”ایسا کیوں کہہ رہے ہیں بھلا کیوں خوش نہیں
 ہوں گی میں آپ کے ساتھ.....؟“ الٹا اس نے
 سوال جڑ دیا۔

”پتا نہیں مجھے ایسا کیوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں کوئی
 پریشانی ہے۔“ وہ متانت سے بھرے نرم لہجے میں بولا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے بلا وجہ کا وہم ہے آپ کا
 آپ تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں پھر بھلا مجھے کیا
 پریشانی ہو سکتی ہے۔“ اس نے بڑی مشکل سے خود پر
 ضبط کرتے ہوئے جھوٹ کہا تھا۔

”پھر مجھے کیوں خوشی تمہارے چہرے پر دکھائی
 نہیں دیتی۔“ وہ الجھ سا گیا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے اصل میں سارا دن کام
 کر کے تھک جاتی ہوں اس لئے آپ کو ایسا لگتا
 ہے.....؟“ وہ یہ موضوع بدل دینا چاہتی تھی۔

”ایسا ہے تو کسی ملازمہ کا بندوبست کر لو خود پر اتنا

بوجھ مست لاؤ مجھے یہ مرجھایا ہوا چہرہ بالکل اچھا نہیں
 لگتا۔“ وہ اس کے گرد بازو حائل کرتے ہوئے محبت
 سے بولا اس نے شکر کیا کہ عادل مان گیا ورنہ اس
 کے کرید نے پر اس کا دل و دماغ انگاروں پر لوٹنے
 لگے تھے وہ آنسوؤں کو اندر اتارتی رہی دکھ و تکلیف
 کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ چاہ کر بھی لب نہیں کھول
 سکتی تھی روز بروز بڑھتی ٹھٹھن سے اسے اپنا آپ
 مفلوج ہوتا لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆

عادل نے اگلے روز یاد دہانی کرواتے ہوئے
 ملازمہ کے بندوبست کا کہا تھا اس نے ٹال مٹول کیا
 پر عادل نے سے تنبیہ کی بھی پھر اسے بھی یہ بات کچھ
 معقول لگی ملازمہ کے ہونے سے اسے بھی سہارا مل
 جاتا تھا کسی تیسرے کی موجودگی سے شاید قیوم
 صاحب بھی باز رہتے پھر ایک دو دن بعد ملازمہ کام
 کے لئے آنے لگی ملازمہ کی وجہ سے کام جلد ہی ٹمٹ
 جاتا اس کے جاتے ہی وہ منائل کو لے کر کمرے میں
 مقید ہو جاتی قیوم صاحب تو بے چین ہو کر رہ گئے
 آنکھ بھر کر اب دیکھنا دور کی بعد نظر ہی بڑی مشکل سے
 پڑتی وہ تو مضطرب سے رہنے لگے سارا وقت ٹپکتے
 رہتے پھر شاطر دماغ کا استعمال کرتے ہوئے
 ملازمہ جیسے کانٹے کو ہٹاتا ہی بہتر حل تھا پھر بڑی
 آسانی سے انہوں نے ملازمہ پر پیسوں کی چوری کا
 الزام لگا کر چلتا کر دیا نور حق دق سی رہ گئی زیادہ
 حیران یوں نہ ہوئی ان کی چالوں سے واقف تھی اس
 نے بھی ہار نہ مانی دوسری ملازمہ رکھی قیوم صاحب
 نے اس کے ساتھ بھی یہی عمل دوبارہ دہرایا یکے بعد
 دیگرے وہ جو ملازمہ رکھتی وہ اسے یونہی چلتا
 کر دیتے اب تو محلے میں بھی چہ گویاں ہونے لگیں
 خوف کے مارے اب کوئی ملازمہ کام کرنے پر راضی
 ہی نہ ہوتی وہ روہاسی سی سر پکڑ کر بیٹھ گئی قیوم صاحب
 کے چہرے پر اب پرسکون مسکراہٹ چھا گئی تھی۔



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آن لائن بیسٹ سیلرز:-



☆☆☆☆

”ماما! مجھے آنسکریم کھانی ہے۔“ منائل نے پچھلے ایک گھنٹے سے رٹ لگا کر اسے عاجز کیا ہوا تھا۔
”مجھے پریشان مت کرو منائل! شام میں پایا آئیں گے تو دلا دیں گے۔“ وہ اندر باہر اپنے کام نمٹاتے ہوئے بولی وہ بھی دم چھلانی اس کے پیچھے پیچھے گئی۔
”نہیں مجھے ابھی کھانی ہے۔“ وہ بھنڈھی نور سر پکڑ کر رہ گئی پتا تھا یہ ضد آسانی سے تو نہیں ٹوٹے گی۔
”منائل! مجھے مت ستاؤ میں ابھی آنسکریم نہیں لاسکتی۔“ وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔

”نہیں پر مجھے ابھی کھانی ہے۔“ بھلا وہ کہاں ماننے والی تھی قیوم صاحب بھی اس کے واویلے کو سن کر باہر آ گئے۔
”کیا بات ہے دادا کی جان نے کیوں شور مچا رکھا ہے۔“ وہ اسے گود میں اٹھاتے ہوئے بولے۔
”مجھے آنسکریم کھانی ہے ابھی کے ابھی۔“ وہ ضدی انداز میں بولی۔

”بس اتنی سی بات دادا آپ کو ابھی آنسکریم دلانے لے کر چلتے ہیں۔“ وہ بھاش سے بولے۔
”تھینک یو دادا۔“ وہ چمک اٹھی تھی انہیں جانا دیکھ کر نور سرد آہ بھر کر رہ گئی تھی کاش کے ان کی نظر میں ہر شے کے لئے تقدس ہوتا بڑی دلگہری سے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆☆

سردون بغیر کسی چاپ کے سرکتے جا رہے تھے خوف و ہراس کی آگ اسے جھلسائی جا رہی تھی جب رشتوں کا تقدس ختم ہو جائے جائز نہ جائز کا فرق مٹ جائے آنکھوں سے شرم و حیا کا پردہ اٹھ جائے حرام کاموں سے لتھڑے وجود بے خبر ہو جائیں گناہوں کا مشام جام بی کر سو جائیں تو تب زلزلے آتے ہیں آندھی طوفان آتے ہیں شق ہوتی زمین تھر آلود ہوا آئیں خدا کی طرف سے خبردار ہی تو کر رہی ہوتی ہیں پر پھر بھی انسان مشام جام پئے خود کو خاسترہ ہی تو

کر ڈالتا ہے پر خدا کے پاک باز بندوں کے لئے انعامات ہیں ان کی حفاظت بھی وہی کرتا ہے روز حشر میں چپکتے پرسکون چہرے اس کے نیک بندوں کے ہی تو ہوں گے وہی تو دلوں میں سکون اتارتا ہے وہی تو ہے جو اپنے اچھے بندوں کو شیطانوں کے شر سے بچاتا ہے۔

☆☆☆☆

وہ کمرے کی صفائی کر رہی تھی جب قیوم صاحب موقع پا کر کمرے میں گھس آئے دروازے کو لاک کیا تو نور چونک کر پلٹی تھی اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔
”کیا کر رہے ہیں آپ یہاں۔“ وہ سختی سے بولی تھی۔

”زیادہ شور مچانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہاں تمہاری فریاد سننے والا کوئی نہیں ہے۔“ وہ مکاری سے مسکراتے ہوئے اس کی طرف بڑھے تھے وہ خوف کے مارے پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی۔
”آپ کو خدا کا واسطہ ہے یہاں سے چلے جائیں۔“ وہ خوف زدہ سی بولی۔

”اوہوں۔۔۔۔۔۔ بھلا اتنا اچھا موقع میں کیسے ہاتھ سے جانے دے سکتا ہوں۔“ وہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔

”خدا کے لئے کچھ تو خوف کریں میں آپ کے بیٹے کی بیوی ہوں۔“ پتھر انسان کا تعمیر جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں نہیں مانتا کسی بھی رشتے کو۔“ وہ اس کے رو برو آ گئے اس کے سارے رستوں کو انہوں نے بند کر دیا تھا وہ روتی سسکتی ان کے قدموں میں گر گئی۔

”بہت ترپایا ہے تم نے مجھے پر اب نہیں۔“ ان کے برہنہ لفظ کانوں میں سیسے کی طرح اتر رہے تھے اس نے کانوں پر سختی سے ہاتھ رکھ دیئے تھے۔

”خدا کے لئے چلے جائیں یہاں سے خدا کا خوف کھائیں۔“ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تھر گیا اور لہجہ کالج کی طرح ٹوٹ گیا انسان کی سوچ کی پہلی حد

امید اور آخری ناامیدی ہوتی ہے وہ بھی امید و بیم کے بیچ میں آکھڑی ہوتی تھی اس کا نازک وجود خاکسرا ہونے جا رہا تھا قیوم صاحب کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا انہوں نے اس کی جانب ہاتھ یوں بڑھایا جیسے کسی جوہری کوسونے کی کانٹل گئی ہو اس کے سر کی جانب بڑھتا ہوا ہاتھ جہاں سے وہ اس کی عزت کی رد اٹھاؤ دینے کا ارادہ رکھتے تھے جبکہ وہ مٹی کا ڈھیر ہو گئی تھی ان کے ہاتھ اور اس کے سر کے درمیان بڑا قلیل فاصلہ تھا پر لاکھ کوشش کے باوجود اس فاصلے کو وہ ختم نہیں کر پا رہے تھے ان کا ہاتھ اتنا بھاری ہو گیا گویا کسی نے ان کے ہاتھ پر پھاڑ رکھ دیا ہو ان کے جبرے بھیجنے سے گئے جسم پسینے میں شرابور ہو کر لرزش کرنے لگا تھا صرف چند لمحے لگے تھے نوز کی معائنہ نظر ان کی کپکپاتی ٹانگوں سے پڑتی پڑتی ان کے چہرے کی جانب اٹھ گئی تھی نچلا لب اوپر کے لب سے جدا ہو کر ٹیڑھا ہو گیا تھا ہاتھ پاؤں مڑتے ہی چلے جا رہے تھے دوسرے ہی پل وہ زمین بوس ہو گئے تھے اس کی آنکھیں حیرت سے ان کی مدد کو پکارتے وجود پر جم سی گئی تھیں صرف چند لمحوں میں وہ ڈھیر ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆

”ڈاکٹر! اب کیسے ہیں میرے نادر۔۔۔۔۔۔؟“ آئی سی یو سے باہر آتے ڈاکٹر کی طرف عادل پریشان سا لپکا۔
”دیکھئے ان کی حالت کافی سیریس ہے ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں باقی آپ اللہ سے دعا کیجئے۔“ ڈاکٹر تیزی سے بولتا آگے کی طرف بڑھ گیا جبکہ وہ ست قدموں کے ساتھ خود کو گھسیٹتا ہوا نور کے برابر میں آ بیٹھا جو سپاٹ سی خاموش بیٹھی تھی اس نے ابھی تک ایک لفظ عادل سے بھی نہ کہا۔

”نجانے یہ سب اچانک کیسے ہو گیا۔۔۔۔۔۔؟“ وہ دیوار سے سر ٹکائے گلوگیر لہجے میں بولتا اس سے مخاطب تھا دکھ سے آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں تھیں وہ پھر بھی کچھ نہ بولی پتھر کا بت بنی جیسے وہ ابھی تک

صدے میں تھی وہ دونوں نجانے کتنے گھنٹے چپ سا دھے بیٹھے رہے ایک گہرا خون کا شکوت سا پھیل گیا تھا۔
ایک دن۔۔۔۔۔۔ دو دن۔۔۔۔۔۔ تین دن۔۔۔۔۔۔ یونہی گزرتے گزرتے پورے دو ہفتے گزر گئے تھے وہ درد کے ایسے دوراں پر کھڑے تھے کہ نہ موت ملتی نہ زندگی یوں لگتا جیسے روزانہ کے جسم پر کوڑے برسائے جا رہے ہوں جس کی تکلیف سے وہ جنبش بھی نہ کر پاتے عادل روز ہی اسپتال سے آس و زراش لئے واپس لوٹ آتا ڈاکٹر زور سے اتنا کہتے کہ ”دعا کیجئے“ دعا میں تو وہ بے پناہ مانگتا تھا پر وہ بھی جیسے بے اثر ہو گئی تھیں دن رات اس کے درد و غم میں کٹ رہے تھے گھر میں بھی گھرے سنائے دار خاموشی کا راج قائم ہو گیا تھا نہ وہ زیادہ بولتا نہ نور اسے تو بلکہ پہلے سے زیادہ چپ لگ گئی تھی منائل مرجھائے چہروں کو دیکھ کر وہ بھی مجھ سی گئی خوشیوں کے پتے جیسے جھڑ گئے تھے اب ہجرت تھا خاموش اداس کھڑا تھا اس پر پڑتی برف ہر احساس کو منجمد کرتی جا رہی تھی ٹھیک بیس دن بعد قیوم صاحب کے فوج زدہ وجود کو ڈسچارج کر دیا گیا تھا عادل ان چند دنوں میں ایسا ٹڈیال ہو گیا تھا جسے طویل مسافتوں سے تھکا ہارا لوٹا ہو قیوم صاحب کو اتنی اذیت میں دیکھ کر وہ مزید گرنا جا رہا تھا اس نے ان کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی ہر طرح کا علاج کروا رہا تھا پر وہ سب جیسے بے اثر ہو گیا تھا وہ کسی بھی طرح امیر و نہیں کر پا رہے تھے عادل نے ان کی مستقل دیکھ بھال کے لئے ایک لڑکا رکھ لیا تھا نور پر وہ یہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا اور خود جب آفس میں ہوتا تو ان کی ہی فکر لگتی رہتی اس لئے یہی حل بہتر لگا جب آفس سے لوٹتا تو پھر سارا وقت ان کا ہاتھ تھا بے باتیں کرتا رہتا قیوم صاحب کے آنسو بہتے جاتے جنہیں وہ ان کی تکلیف سمجھ کر محبت سے پونچھ ڈالتا۔
”انشاء اللہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے

ابا۔۔۔ وہ ان کا ہاتھ چوم کر حوصلہ دیتا، قیوم صاحب مزید اذیت میں دھستے چلے جاتے، بیٹے کی بے غرض محبت، فرمانبرداری صرف پشیمان ہی پشیمان کرتی تھی، اگر ان کے وجود میں ہاتھ ہی جنبش کرنے کے قابل ہوتے، تو شاید وہ اپنا گلا گھونٹ کر اس اذیت سے چھٹکارا پالیتے، سب سے تکلیف دے لحد وہ ہوتا ہے جب انسان کو اپنے گناہوں کا ادراک ہو جائے، وہ اس دور اسے پر آکھڑے ہوئے تھے، نور سے معافی مانگنے کے لئے تو اب ہاتھ جوڑنے کے بھی قابل نہ رہے تھے اور سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی تھی وہ کیسے اس کے سامنے نظر اٹھاتے انہیں لگا اگر ان کی آنکھیں پھوٹ بھی جائیں تو وہ غلاظت کیسے ہٹا پائیں گے جو انہوں نے ایک پاک رشتے کو میلا کرنے کے لئے اٹھائی تھیں۔

☆☆☆☆

”یہ شخص تو واقعی مکافات عمل کی تصویر بن گیا ہے۔“ سحر قیوم صاحب کی عیادت کے لئے آئی تھی اور اس وقت سے حیران پریشان سی بیٹھی تھی، نور کے لبوں پر نجدی خاموشی آکھڑی۔

”جتنی حدیں اس آدی نے پار کی ہوئی تھیں یہ سب تو ہونا ہی تھا۔“ سحر نے طنز کیا۔

”پلیز سحر پلیز چپ ہو جاؤ۔“ وہ جھنجھلاتی ہوئی اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی چڑچڑاہٹ دور کرنا چاہ رہی تھی جو کسی طور کم ہونے میں نیا رہی تھی، سحر اس کی حالت پر حیرت زدہ سی رہ گئی تھی، وہ پریشان رہتی تھی پر اتنا شدید رد عمل اس نے کبھی نہیں کیا اس کا تن من شدید جھنجھلاہٹ کی زد میں تھا، زرد چہرہ ہر تاثر سے پاک ہو چکا تھا، بے رونق آنکھیں گزرے دنوں کی اذیتوں کی داستانیں سن رہی تھیں، سحر سنجیدہ سی ہو گئی اس نے آگے بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لگالیا تھا، نور ایک ہمدردانہ لہجے پر مزید پھرتی چلی گئی، آنسو تواتر سے بہنے لگے، اندر کا جس آنسوؤں کی

صورت میں بہنے لگا، سحر ابھی تک بے خبر تھی وہ کیوں ایسا رد عمل کر رہی ہے اور نہ ہی اس نے کبھی اس کی حالت اتنی نازک تھی کہ وہ کچھ پوچھ نہ پائی اسے کسی ہمدرد ساتھ کی ضرورت تھی، اس لئے اسے سیٹنا ہی بہتر لگا تھا۔

☆☆☆☆

قیوم صاحب کی حالت گزرتے دنوں کے ساتھ مزید بگڑتی جا رہی تھی وہ ایک بار گڑگڑا کر نور سے معافی مانگنا چاہتے تھے خدا سے تو دن رات گڑگڑا کر انہوں نے معافیاں مانگی تھیں پر وہ قدرت بھی تو تب راضی ہوتی ہے جب اس انسان سے معافی مانگ لیتے جس کو انہوں نے دن رات اذیت دی تھی، ان کی اگلی ہوئی سانس بس اس خواہش کے پورا ہونے کی طلب گار تھی، پر نور سے وہ بات کیا کرتے وہ بھولے بھٹکے بھی ان کے سامنے نہ آتی، ان کی طبیعت صبح سے کافی نا ساز تھی عجیب اضطرابی سی کیفیت تھی، آج انہوں نے بڑی مشکل سے خود میں ہمت جمع کر کے اسے بلانے کا سوچا تھا ملازم کے ہاتھ انہوں نے پیغام بھیجا تھا کاموں میں اب بھی وہ ملازم کے پیغام پر برف کی سی بن گئی، نہ منع کر سکتی تھی نہ ہاں کر سکتی تھی، ملازم کہہ کر چلا گیا، جبکہ وہ پتھر کی بنی رہ گئی، پچھلا گزرا ہر پل جسے دن رات کی کوششوں سے ذہن سے مٹا دینا چاہتی، اب کسی فلم کی طرح دماغ کے پردے پر چلنا شروع ہو گیا، وہی اذیتیں وہی تکلیفیں ایک بار پھر یاد آنے لگیں تھیں، اسے جتنی اس انسان سے نفرت ہو گئی تھی شاید ہی کسی سے ہوئی ہوگی، پھر اس کا سامنا کرنا سب سے مشکل ترین کام تھا، آخرا ب کیا چاہتا تھا وہ اس کی زندگی کو جہنم بنا کر اب کیا چاہتا تھا سوالات ذہن میں کوبندے تھے وہ بزدل نہیں تھی اور اب تو یوں بھی زیادہ مضبوط ہو گئی تھی جس طرح قدرت نے اسے بچایا تھا یہ خیال ہی اس کے ایمان کو مضبوط بنا گیا تھا خود سے ابھی سمجھاتی ہمت کر کے ان

کے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی دروازے کی چوکھٹ پر اس کے قدم منوں کی طرح بھاری ہو گئے وہ چوکھٹ پر جم سی گئی۔

”آجائیں باجی!“ ملازم اسے یوں کھڑا دیکھ کر بولا ساتھ قیوم صاحب کے بستر کے پاس رکھی کرسی پر اس کی تھی، ملازم کی آواز پر قیوم صاحب نے نم آنکھیں پٹ سے کھولی تھیں اور سامنے سفید چادر سے لپٹے پر نور وجود کو دیکھ کر ان کی نظریں جھک گئی تھیں، آج ان کے جذبات سوچیں نظروں کے زاویے سب بدل گئے تھے، جس رشتے کو انہوں نے کبھی قبول نہیں کیا تھا قدرت نے ایک جھٹکے میں سب باور کرا دیا تھا وہ بھاری ست قدم اٹھاتی کرسی پر آ بیٹھی، نظریں زمین پر جم گئیں جبکہ سلام دعا کے لئے بھی اس نے لب نہ کھولے تھے، ملازم کی کام سے باہر نکل گیا، کمرے میں گہرا سکوت چھا گیا، قیوم صاحب گردن موڑے بہتے آنسوؤں کو تھامنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے جس حالت میں وہ تھے اس سے نظر نہ ملانے کے لئے کافی تھی، پر وہ ان انسانوں میں سے نہ تھی جو ان کی بربادی دیکھ کر پرسکون ہو جاتی، اسے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے سپاٹ سی بیٹھی رہی۔ عادل نے گھر میں داخل ہوتے ہی معمول کی طرح نور کو پکارا تھا اس کی آواز پر ملازم حاضر ہو گیا۔

”صاحب! نور باجی بڑے صاحب کے کمرے میں ہیں۔“ ملازم نے اطلاع دی ساتھ ہی پانی کا گلاس تھما دیا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ۔“ وہ گلاس تھامتے ہوئے بولا تھا، ٹائی کی ٹاٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پانی کا گلاس حلق میں اٹھایا اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ قیوم صاحب کے کمرے کی طرف بڑھا تھا، یہی اس کا معمول بھی تھا، جب تک قیوم صاحب کی خیریت دریافت نہ کر لیتا سکون نہ آتا۔

”مجھے۔۔۔ میرے۔۔۔ کئے کی۔۔۔ سزا مل

گئی۔۔۔ بڑی مشکل سے ادا ہوتے ٹیڑھے منہ سے انہوں نے لفظ ادا کئے ان کے لفظوں نے کمرے کی چوکھٹ کے پاس کھڑے عادل کے قدم جکڑ لئے تھے۔

”تم پر۔۔۔ رکھی۔۔۔ غلط۔۔۔ نگاہ نے۔۔۔ مجھے۔۔۔ آنسوؤں نے ان کا لہجہ تھما دیا، ہر لفظ اتنی دقت سے ادا ہو رہا تھا جیسے کسی نے ان کا گلا دبا رکھا ہو، اعتراف کرنا اتنا مشکل ہو گا انہیں اندازہ نہیں تھا، باہر کھڑا عادل سن سا ہو گیا، کیسی حقیقت آشکار ہو رہی تھی وہ کیا کہہ رہے تھے وہ جھکوں کی زد میں تھا، وہ چاب چاب سر جھکائے بیٹھی تھی، شاید ہی کوئی لفظ وہ ٹھیک سے سن رہی تھی وہ بالکل خالی الذہن سے سن رہی تھی۔

”میں۔۔۔ نے۔۔۔ خدا کی۔۔۔ حدود کو پار کرنے۔۔۔ کی کوشش کی۔۔۔ پر تم ایک مومن عورت ہو، خدا نے تمہیں۔۔۔ میرے شر سے محفوظ رکھا۔۔۔ پر میں عبرت کا نشان بن گیا ہوں۔“ وہ با آواز بلند روتے ہوئے بولتے رہے، عادل کے سامنے پچھلے گزرے ماہ و سال گھومنے لگے تھے نور کے گم قسم چہرے کی وجہ کھل کر سامنے آ گئی تھی اس گھر میں اتنا گھناؤنا کھیل چلتا رہا اور اس کھیل کو کھیلنے والا کوئی اور نہیں، اس کا عزیز از جان باپ تھا، اس سے اب شاید مزید کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا، اس کا چھلنی ہوتا وجود شاید اپنے قدموں پر قائم نہیں رہ سکتا تھا، غصے اور جلال سے آنکھیں سرخ ہوئی تھیں، وہ تیزی سے لمبے لمبے ڈھک بھرتا چلا گیا۔

”میری بیٹی۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔۔ میری مشکل آسان کر دو۔۔۔ میں اب جینا نہیں چاہتا، زندہ رہا۔۔۔ تو یہ پشیمانیاں مجھے۔۔۔ خاک کر دیں گی۔۔۔ خدا! مجھے معاف کر دو۔“ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح ہلکے سے تھے اب کے نور کی نم آنکھیں اٹھی تھیں جس میں دکھ واضح تھا کاش کے وہ اس مقدس

رشتے کی اہمیت پہلے جان لیتے تو آج یہ سب نہ ہوتا۔ اس کے دل میں دکھ سے خیال ابھرا تھا۔ دیر سے صبح پر وہ خدا کی قدرت پر شکر گزار تھی جس نے پھر بے ہوئے دل کو سیدھی راہ دکھادی تھی اس کی اپنی حیثیت اپنی اوقات کیا تھی وہ تو خود بٹی کی تخلیق تھی اور مٹی ہو جانا تھا اتنی اتنی کی پتی نہیں تھی کہ یوں اپنے آگے کسی کو گڑ گڑاتا دیکھتی یہ سچ تھا اس کی تکلیف کو ختم کرنے کا کوئی نعم البدل نہیں تھا مگر اس کے معاف کرنے سے کسی کی تکلیف کم ہو سکتی تھی تو اس میں کیا قباحت تھی۔

”میں نے آپ کو معاف کیا خدا آپ کی مشکل آسان کرے۔“ وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتی ہوئی چیز سے اٹھ کر چلی گئی تھی، قیوم صاحب نے نم آنکھوں کو بند کر لیا تھا ایک ترسا اندر اتر گیا تھا۔

عادل آفس کے ہی لباس میں ملبوس شاور کے نیچے کھڑا تھا گرم آنسو بہتے چلے جا رہے تھے بے آواز روتا وہ گھٹ رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ روئے اتنا چلائے کہ درود یوار مل جائیں وہ اپنی نادانیوں پر تالاں تھا وہ کیسے بے خبر رہا اس سب سے کیوں اس کے چہرے کی اداسیوں کی وجہ کھوج نہ سکا صرف اسی کی وجہ سے نور نے اس پر اعتبار کرنا گوارا نہ کیا اور ٹھیک بھی تو تھا وہ اگر کچھ بتاتی بھی تو کیا وہ اعتبار کرتا؟ ایک زوردار ہاتھ اس نے شکست خوردہ کی طرح دیوار پر مارا تھا غصے سے اس کے جڑے بھنج گئے وہ کسی طور قبول نہیں کر پارہا تھا کیسے وہ نظر ملا پائے گا نور سے ناچا ہے ہوئے بھی ایک بھرم تو قائم تھا پر ایک ریت کے ٹیلے جیسا جو کسی بھی وقت ڈھے سکتا تھا جینا اس قدر مشکل لگ رہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیا وہ باپ کو معاف کر پائے گا؟ کتنا مان کتنا زعم تھا سب چکنا چور ہو گیا تھا اب نہ جیا جانا تھا نہ مر جانا تھا۔

☆☆☆☆

صبح فجر کے وقت ان کی حرکت قلب بند ہو گئی تھی۔ اذیت کا سفر تمام ہو گیا تھا وہ نماز پڑھنے کے بعد ناشتے کی تیاری کر رہی تھی عادل بھی تھکا تھا سا نماز پڑھ کر لوٹا تھا جب ملازم نے قیوم صاحب کی حالت کی اطلاع دی تھی اس وقت ہر خیال دماغ سے جیسے چھٹ گیا وہ گھبرا کر ان کے کمرے کی طرف بھاگا تھا جلد ہی اس نے ڈاکٹر کو بلوایا تھا پر وہ اس جہاں سے کوچ کر گئے تھے وہ ڈھے سا گیا نور بھی دھکی بی رہ گئی تھی خدا نے ان سب کی مشکل آسان کر دی تھی وہ اگر زندہ رہتے تو ان کا سب کا سامنا نہیں کر پاتے اور نہ ہی عادل ان کا سامنا کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆

صبح دن سے شام میں اور شام شب و بچور میں ڈھل گئی تھی گہرا سناٹا گہری خاموشی ہر طرف ہو کا عالم تھا موت کے گھر کی پہلی رات قبرستان جیسے سناٹے میں ڈھل گئی تھی ارد گرد سے اٹھتی ٹھیکڑوں کی آوازیں گہری ہیبت ناک خاموشی میں شور مچا رہی تھیں آج خشک سرد ہوا بھی جیسے نمجد ہو گئی تھی عادل اور اس کے بچ میں ایک گہری چپ کا راج ہو گیا تھا صبح سے رات ہو گئی وہ دونوں ایک دوسرے سے دو لفظ تسلی یا دکھ کے بھی نہ بول پائے تھے عادل نے چپکے سے کہاں آنسو دبا دیئے تھے اسے نہیں معلوم تھا عجیب حالات ہو گئے تھے ان کی زندگی کا ایک خاص فرد انہیں چھوڑ کر چلا گیا پر وہ پھر بھی اس کا ذکر نہیں کر سکتے تھے اس میں تو اتنی ہمت نہ تھی اور عادل تو اس سے نظر چرا رہا تھا وہ صحن میں تخت پر بیٹھی سر سر بیہوڑے ہوئے تھی جب عادل اس کے برابر میں آ بیٹھا اس نے دھیرے سے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا جو بے آب و رنگ لگا ہوں سے اسے تک رہا تھا بلکہ آسمانی رنگ کے سادہ سے دوپٹے میں اس کا صاف شفاف بے تاثر چہرہ بے پناہ معصوم لگ رہا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہیں.....؟“ اس سے رہا نہ گیا تو

WWW.PAKSOCIETY.COM

”کچھ نہیں بس ویسے ہی۔“ اس نے نظر ہٹا کر سیاہ آسمان پر جمالی تھی کچھ دیر کے لئے سکوت سا چھا گیا موت کے گھر کی رات نجانے کیوں قبرستان جیسے سناٹے کی طرح ہو جاتی ہے اس وقت بھی ایسا ہی سناٹا تھا جو روح کو گھائل کر دے اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب قیوم صاحب کی موت کا خیال نہ تھا کچھ اور بھی تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”کچھ کہنا ہے عادل.....؟“ وہ بولی۔
”ہاں! نہیں تو.....“ وہ اتنا محو تھا آسمان کو دیکھنے میں یا شاید الجھنوں میں پھنس گیا جیسی چونک کر بولا وہ حیران ہی ہوئی۔

”شاید واقعی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔“ پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔
”ہاں کہیں۔“ وہ بولی پر وہ پھر چپ ہو گیا وہ اس کی بے چینی کو محسوس کر رہی تھی وہ لاکھ چاہ کر بھی اس کے سامنے اس بھید کو نہیں کھول سکتا تھا اور اب جب وہ انسان ہی زندہ نہ رہا تھا تو کیا فیض حاصل ہوتا تھا ان باتوں کا پر معانی مانگ سکتا تھا اس کا اعتبار تو جیت سکتا تھا یہ تو اس کے اختیار میں تھا۔

”میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔“ بہت ہمت جمع کر کے وہ بولا تھا آگے سے وہ حیران رہ گئی تھی۔
”معافی! پر کس بات کے لئے.....؟“ وہ واقعی انجان تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ سب حقیقتیں اس پر آشکار ہو گئی تھیں۔

”پتا نہیں بس خود کو تمہارا مجرم سمجھتا ہوں مجھے لگتا تھا میں نے کبھی تمہارے دل تک رسائی حاصل کی ہی نہیں اور شاید اس میں ہی قصور وار ہوں میں نے تمہیں اعتبار دیا ہوتا تو تم بھی شاید مجھے اپنا ہمراز سمجھتیں۔“ وہ ناگہی سے اس کی بات سن رہی تھی بات کا مفہوم کیا تھا اور آج یوں اچانک کہہ دینا عجیب

ہی اعتراف لگا تھا اسے۔

”ایسا نہیں ہے عادل! مجھے بھروسہ ہے آپ پر۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا عادل کی شرم سے نظریں خود بخود جھک گئی تھیں وہ خاموش ہو گیا اور اسے اس کی خاموش بے چین کر رہی تھی کچھ تھا جو وہ کہنا چاہتا تھا پر پھر بھی چپ تھا۔

”عادل پلیز! کوئی الجھن ہے تو مجھ سے شیئر کریں۔“ اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا وہ بڑی تکلیف سے مسکرا دیا اب وہ کیا الجھنیں بتاتا اور کیا سمجھاتا سب کچھ تو بیت گیا آندھی طوفان سب گزر گئے بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا پھر بھی نیا جہان آباد ہو گیا کوئی کسی کے لئے نہیں روکتا سب اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور ویسا ہی انجام پاتے ہیں وہ اپنا کردار ادا نہ کر سکا شاید طوفان کو مخصوص کرتا تو بچنے کے لئے ضرور کردار ادا کرتا اسے لگا وہ برسوں کا سویا ہوا تھا اور آج جیسے جاگ اٹھا ہو جیسے کوئی نیا جنم لیا ہو اب جب ہوش آ ہی گیا تھا تو اپنا اب کروار بھی ادا کرنا تھا اور سب سے پہلے اپنے ہمسفر کا اعتبار جیتنا تھا۔

”تم پریشان مت ہو میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا کچھ نئے عہدوں کے ساتھ نور نے اپنے بو جھل سر کو اس کے مضبوط کندھے پر رکھا دیا تھا۔

ایک طویل کانچ کی مسافت ختم ہو گئی تھی جہاں بہت سے بھرم قائم تھے وہیں بہت سے بھرم ٹوٹے تھے اور کچھ بھید اعترافوں کے ہی منتظر تھے پر ان کا چھپا رہنا ہی بہتر تھا اگر اس سے ایک دوسرے کے لئے نگاہ اٹھانے میں اور جینے میں آسانی تھی تو انہوں نے ان بھیدوں کا بندر ہنا ہی بہتر سمجھا تھا اس دکھ کے عالم میں وہ چاپ چاپ ایک دوسرے کو میٹ لینا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆





WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو گئی ہے جاؤ اپنے کام سے کام رکھو۔ رمضہ اچھلتے ہوئے پانی کے قریب پہنچ گئی تھی، بھیکتی ہوئی شام جو نمی گزری اذان ہو گئی سب نے ساحل سمندر پر بیٹھ کر روزہ کھولا تھا، ایک تیز لہر آئی عمر اور رمضہ کے درمیان، تو سب کچھ ساتھ بہا کر لے گئی اماں کی تیز تیز آوازیں آرہی تھیں۔

”رمضہ! سارے برتن سمیٹو چادر لپیٹو۔“
”کیوں تائی اماں! کھایا سب لوگوں نے اور سیٹے صرف رمضہ۔“ عمر بولا۔

”تم بڑے چچے ہو رمضہ کے۔“ تانیہ نے بڑے غور سے اسے دیکھا۔
”کیوں تمہیں بڑی تکلیف ہو رہی ہے رمضہ کا

چشم چھاما چشم بارش کی بوندیں بہت تیز گر رہی تھیں آسمان پر بجلی بہت زور سے کڑکی تو اسلام آباد کے گرین درختوں پر روشنی پھیل گئی تھی، ایک لمحے کے لئے وہ کانپنی اور پھر اس نے اپنا ہاتھ وٹڈ سے باہر نکالا، پھیلی پر لگی ہوئی مہندی بھیک کر اور گہری نظر آنے لگی خواب جیسے منظر جب آنکھوں سے ہٹے تو اماں اسے آواز دے رہی تھیں۔

”رمضہ..... رمضہ جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے۔“ وہ بہت تیز پلٹی تھی۔

”اماں بس آتی ہوں۔“ اس نے بھیکتی ہوئی گلی پر نظر ڈالی دور تک سناٹا تھا، زندگی کا یہ ایک پل گزر گیا۔ تیز ہوا کا جھونکا آیا تو بارش کا پانی اندر تک چلا

افسانہ

بس ایک چہرہ کی عید

صالحہ محمود

نام سن کر یو آرجیس.....؟“ احمد نے ہنس کر عمر کے ہاتھ پر تالی ماری۔
”تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔“ عمر کھٹکھٹا پڑا رمضہ نے گھور کر عمر کو دیکھا عمر رخ پھیر کر ہنسنے لگا۔

☆☆☆☆

صبح عید تھی سب جلدی جلدی شاور لے کر گھر سے مرد مسجد جا رہے تھے، عمر کی پاکستان میں پہلی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کے بعد جب سب لوگ گھر آئے، حلیم، شای کباب اور پلاؤ کی ڈشز پر سب ٹوٹ پڑے، احمد، عمر، ضیاء، بھائی، رابع ماموں اور ابراہار خالو اور بڑی چھپھو کے بیٹے جنید بھی آ گئے

آیا اور دونوں پیر بھگ گئے تھے شفاف پانی میں بھیکے ہوئے پیر سمندر کی ریت میں دور تک دوڑنے لگے، اچھلتی ہوئی لہر آئی اور اس نے رمضہ کو پور پور بھگو دیا تھا۔

”رمضہ پلیز! تم ابھی بخار سے انٹھی ہو روزے سے ہومت دوڑواتا تیز دیکھو تم پانی میں بھیک گئی ہو۔“ عمر نے اس کی کلائی تھام لی۔

”چھوڑو عمر! کیا کرتے ہو سب دیکھ رہے ہیں۔“

”کیا دیکھ رہے ہیں سب دیکھ لیں، اتنا تیز مت دوڑو۔“

”تمہیں اتنی اچانک مجھ سے ہمدردی کیوں

رواڈا جکسٹ 66 اگست 2016ء

تھے۔
 ”یہ رات بھر حلیم کس نے گھوٹا.....؟“ احمد عمر کو
 چھیڑ رہا تھا۔
 ”جب میں آیا تو رمضہ دیکھا پکڑے بیٹھی تھی
 اور عمر اس میں تجربات کر رہے تھے۔“
 ”کیسا تجربہ.....؟“ فہد بھائی بولے تو احمد
 ہنس کر بولا۔
 ”چاند رات کو حلیم پاکستان میں کیسے بناتے
 ہیں عمر یہ یہاں سے سیکھ کر جائیں گے۔“
 ”تو اب امریکا میں حلیم بنے گا.....؟“
 ”رہی کارڈ وہ ساتھ لے جائیں گے۔“ نعیم
 نے ہنس کر رمضہ کی جانب دیکھا تھا تانیہ کے تن
 بدن میں آگ لگ گئی۔
 ”جی نہیں حلیم خالہ نے بنایا ہے۔“ ایک تیز پانی
 کی بو چھاڑ آئی تو وہ سمٹ کر کھڑکی کے پردے کو
 تھامے ہوئے صوفے پر گر گئی، بھیگی برسات کی یہ
 پہلی ٹھوکھی جب وہ بالکنی پر سر دھواؤں کے جھونکوں
 سے سہم کر بالکنی پر کھڑی رہ گئی۔
 ”یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں ذویا باجی، عمر اور
 رمضہ کا کیا جوڑ ہے میری نند کا بیٹا ہے میرے گھر
 مہمان بن کر آیا ہے اس پر میری بیٹی کا حق ہے
 طلعت آ پاپا ایک بار نہیں کئی بار فون پر یہ بات کہہ چکی
 ہیں کہ وہ تانیہ کو اپنی بہو بنائیں گی اور میرے آگے
 پیچھے ہے کون میری بہن اچھی طرح جانتی ہے
 اسلام آباد کی یہ کوئی میں عمر کے ہی نام کر دوں گی یہ
 میں نے سوچ لیا ہے آپا میں نے رحم کھا کر بھائی کی
 ڈیوٹی کے بعد آپ کو اپنے گھر میں رہنے کی
 اجازت دی، رمضہ اور تانیہ میں میں نے کبھی کوئی
 فرق نہیں کیا، لیکن اب بات تانیہ کے مستقبل کی
 ہے آپ سمجھ رہی ہیں ناں.....؟“ صبیحہ بولیں۔
 ”جھجھو! جو تمہارے اختیار میں ہے وہ تم کرو،
 زیبا کچھ بھی نہیں ہے اب مجھے تمہارا یہ در رہنے کے

لئے چاہئے اور کچھ نہیں۔“ وہ بھیکے لہجے میں
 بولیں۔
 ”دیکھیں آپا! میری بھی مجبوری ہے، طلعت
 باجی کے آنے سے پہلے پہلے آپ چنڈی والے گھر
 میں شفٹ ہو جائیں وہ عید پر آرہی ہیں۔“ بارش
 ٹوٹ کر برسی تھی وہ کب کیسے بالکنی میں منجمد بے خبر
 گری پڑی تھی، زیبا آواز دیتی ہوئیں واپس چلی
 آئیں۔
 ”رمضہ! کیا ہوا تم کپڑے پھیلاتے بالکنی میں
 گئی تھیں کیا سوکھا رہی ہو۔“ وہ دروازہ کھول کر
 کارڈ در میں آئی تھیں۔ کپڑے تو ٹب میں جوں
 کے توں رکھے تھے البتہ بے ہوش پڑی ہوئی وہ
 بارش میں بھیگ رہی تھی۔
 ”رمضہ مر گئی، رمضہ مر گئی، رمضہ کو کچھ ہو گیا۔“
 زیبا بے اختیار پلٹ کر شور مچا رہی تھیں، دوسرے
 پورشن سے کزنز احمد، جنید دوڑتے ہوئے آئے تھے
 رمضہ بدستور بے ہوش تھی یہ کسی کو پتہ نہ چل سکا
 ٹھنڈی ہوائیں اور بارش نے اسے بے خبر کر دیا
 تھا۔
 ☆☆☆☆
 ”میں دیکھ لوں گا اسے آپ لوگ گھر
 جائیں۔“ عمر اور احمد صبیحہ اور زیبا سے بجٹ کر رہے
 تھے۔
 ”ہاں ٹھیک ہے احمد اور زیبا یہاں موجود ہیں تم
 کس لئے یہاں رکو گے تم گھر چلو عمر، تم مہمان ہو
 ہمارے خاص مہمان۔“ وہ دبی دبی مسکراہٹ سے
 ہنسی تھیں۔
 ”نہیں آنٹی! آپ لوگ جائیں روزے کا
 وقت ہو رہا ہے ہم اور احمد بھائی ہیں جنید بھائی بھی
 آگئے روزے کے بعد ہم اسے لے کر گھر آ جائیں
 گے۔“
 ”نہیں..... پھر تو میں ایسا کرتی ہوں کہ میں

تانیہ کو بلوائیتی ہوں تم اور تانیہ سامنے ریشٹورنٹ
 چلے جانا چاہیں تو احمد اور جنید بھی وہاں چلے جائیں
 ہم اور زیبا گھر چلے جائیں گے ابھی ڈرائیور گاڑی
 لے کر آ جائے گا چلیں زیبا باجی گھر۔“
 ”میرا دل نہیں چاہ رہا میں یہیں رہوں گی
 جب تک میری رمضہ کو ہوش نہیں آ جاتا۔“
 ”آنٹی! میں نے کہا ناں رمضہ ٹھیک ہے
 تھوڑی دیر میں اسے ہوش آ جائے گا میں، جنید
 اور عمر یہاں موجود ہیں آپ کیوں پریشان
 ہو رہی ہیں۔“ صبیحہ نے ایک قہر بھری نظر زیبا پر
 ڈالی۔
 ”چلیں! ایسا کرتے ہیں ہم بھی ویٹنگ روم
 میں بیٹھ کر انتظار کرتے ہیں ہم میں سے کوئی گھر
 نہیں جائے گا۔“ احمد بولا پھر آخری شب بھی
 آگئی اس دن بھی ٹوٹ کر بارش برسی کیسا شور تھا،
 سب مل کر آسمان پر ننھے سے چاند کو ڈھونڈ رہے
 تھے بادلوں کی آنکھ پچوٹی میں عمر کی نظریں رمضہ کو
 ڈھونڈ رہی تھیں رات آہستہ آہستہ اندھیرے میں
 تبدیل ہوتی جا رہی تھی ہلکی ہلکی پھوار آسمان سے گر
 رہی تھی، رمضہ لان میں پڑے ہوئے پتھر پر بیٹھی
 ہوئی نجانے کیا سوچ رہی تھی، آہٹ ہوئی تو
 گھبرا کر کھڑی ہو گئی، عمر اس کے بہت قریب آ کر
 کھڑا ہو گیا تھا۔
 ”رمضہ میری بات سنو اور میری بات کا جواب
 دو۔“ لیکن رمضہ ہاتھ چھڑا کر بہت تیز اونپر بھاگی تھی
 اور عمر اس کے پیچھے۔
 ”تم میرا پیچھا کیوں کرتے ہو میری ذلت و
 رسوائی تمہاری وجہ سے ہو رہی ہے میری ماں یہ گھر
 چھوڑ کر واپس کراچی جا رہی ہے صرف تمہاری وجہ
 سے۔“
 ”اگر یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے تو اس کا
 ازالہ میں ہی کروں گا۔“ عمر کا لہجہ بہت ہی پر اعتماد

”یار! احد ہوتی ہے کوئی ایسی بات نہیں ہمارے اور رمضہ کے درمیان اور مای نے اتنا بڑا الٹو بنادیا“ رمضہ کی تعریف کیا کر دی تانیہ طنز کرتی ہے جاؤ دیکھو کس طرح ایک یتیم لڑکی بارش میں کھڑی رو رہی ہے اور ہم سب انجوائے کر رہے ہیں کیا یہی ہے عید.....؟“ عمر نے سب سے سوال کیا تھا، عمر ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھا، ٹیکسی گیٹ پر آچکی تھی صبیحہ غصے میں زیبا پر چیخ رہی تھیں۔

”مای! آپ یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں وہ مظلوم لڑکی ہے عید پر تو دشمنوں کو بھی گلے لگاتے ہیں آپ کی یہ عید ہے جو میں دیکھنے آیا تھا“ کہ سب ہنس رہے ہیں بول رہے ہیں اور ایک لڑکی صرف میری وجہ سے در بدر کی جا رہی ہے۔“ عمر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

”صرف تھوڑے دن کی بات ہے کوئی میں عمر بھر کے لئے انہیں نہیں بھیج رہی دو چار دن کے بعد میں زیبا آپ کو واپس بلا لوں گی۔“ وہ بے دھیانی میں سب کچھ بول گئی تھیں۔

”مثلاً یہ کہاں جا میں گی کس سرونٹ کو اور میں انہیں آپ بھیجیں گی عید منانے کے لئے.....؟“ عمر پوچھ رہا تھا۔

”کوئی سرونٹ کو اور نہیں میں اتنی ظالم انسان نہیں جتنا تم سمجھتے ہو۔“ صبیحہ نروس انداز میں بولیں تو وہ پلٹ کر بولا۔

”کیا کسی فانیو اشار ہوٹل میں بھجوا رہی ہیں.....؟“ تو وہ شکستہ پالچے میں بولیں۔

”مجھ سے ان کا خونی رشتہ ہے آپ سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔“

”یقیناً..... بھی تو مجھے زیادہ احساس ہے کہ آپ اپنے خونی رشتوں سے ایسا سلوک کر رہی ہیں تو آپ پھر کس کی ہوں گی۔“

بارش ٹوٹ کر برسی وہ دوبارہ کھڑکی تھام کر

دیکھ رہی تھی سرخیں بھیک رہی تھیں صبح پھر عید تھی، عمر رات ہی چلا گیا تھا، کتنا گہرا سناٹا تھا گھر میں۔

”میں مجرم تھی اس کی وہ پلٹ کر ہی نہ آیا اس کی خبر ہی کوئی نہ ملی میں کس سے پوچھتی بس جانتے جاتے اس کے جملے یاد رہ گئے کہ جب بھی تمہاری شادی کی خبر ملی تو عمر یہ دنیا چھوڑ جائے گا کیا واقعی وہ مجھ سے محبت کرتا تھا اس بات کو 5 سال بیت گئے عمر جاتے جاتے کیا مجھے قید کر کے گیا ہے کتنے رشتے آئے پر ہر رشتے میں عمر مجھے یاد آیا اگر میں نے شادی کر لی تو عمر مر جائے گا، کوئی وجہ نہیں کوئی عشق بھی نہیں نہ وہ مجھے یاد آتا ہے ہر آنے والے رشتے پر وہ مجھے یاد آتا ہے کتنا جنونی تھا عمر کیسی گہرائی تھی اس کی آنکھوں میں، جب وہ مجھے دیکھتا تھا تو یوں لگتا تھا کہ دل کے اندر کچھ ہو رہا ہے۔“

”رمضہ! رمضہ! کیا ہو گیا ہے شام سے تم کھڑکی کھولے کھڑی ہو، کچھ تمہیں دھیان ہے کہ کل عید ہے کچھ گھر کے کام کرلو۔“ وہ بیٹے پانچ برسوں سے پلٹ کر لوٹ آئی تھی۔

☆☆☆☆

وقت کسی کے لئے رکتا نہیں موسم رت کی پانچ بہاریں گزر گئیں نعیم اور احمد آ کر رمضہ کو چھیڑتے تھے۔

”عمر جب بھی فون کرتا ہے تو یہی پوچھتا ہے کہ جب بھی رمضہ کی شادی ہو مجھے ضرور بتانا میں کمیڈ ہوں بہت اچھا تحفہ دوں گا۔“ احمد بولا۔

”کیا ہوا رمضہ تم تو کانپ رہی ہو۔“ نعیم بولے۔ اور وہ گہرا کران کے پاس سے ہٹ جاتی عمر کے الفاظ سماعت میں گونجنے لگتے۔

”جب تک تمہیں میری شادی کی خبر نہیں ملتی تب تک تم بھی شادی نہیں کرو گی اگر کرو گی تو.....“

رداؤ انجسٹ 70 اگست 2016ء

پانچ سال میں عمر پلٹ کر ایک بار بھی نہ آیا، زیبا ٹھگ ہار گئیں ان 5 سالوں میں رمضہ نے شادی کے لئے کہیں بھی ہاں نہ کی کہنے والے پتہ نہیں کیا کچھ کہتے رہتے۔

”یہ خالہ کے گھر میں پتی بڑھی ہے ناں تو اس لئے نفسیاتی ہو گئی ہے ہر وقت کام کام کرتی رہتی ہے شادی کے نام سے اس کو فٹس (جھکے) پڑتے ہیں۔“ لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے رشتے دار کہتے۔

”مفت کی نوکرانی مل گئی ہے اس لئے وہ رشتے سے انکار کر دیتی ہیں۔“ ان پانچ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا، اچھا رشتہ آیا تو تانیہ بھی اپنے گھر رخصت ہو گئی۔ پھر ایک شب اس دن بھی ٹوٹ کر بارش برسی تھی، نعیم بھائی اس کو کھڑے ہوئے بتا رہے تھے۔

”آج شب عمر آ رہا ہے رات کی فلائٹ سے“ کل عید کے دن وہ دھماکہ کرنے والا ہے کہیں یہ دھماکہ تمہارے ارد گرد تو نہیں ہوگا۔“ دل دھڑ سے ہوا چہرہ ساٹ ہو گیا، نعیم کھڑے ہنس رہے تھے اور وہ کھڑی انہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔

شب کی وہ نجائے کوئی گھڑی تھی جب عمر آیا البتہ بہت دیر تک وہ کھڑکی سے پرے کھڑی بارش کو تکتی رہی۔

عید کا دن تھا صبح بڑی گہما گہمی تھی نماز کے بعد سبھی لوگ ڈائننگ ہال میں موجود تھے بڑا سا عید کیک سامنے رکھا تھا، جو عمر صبح نعیم بھائی کے ساتھ جا کر لایا تھا۔

”یہ بہت ایشیئل گفٹ ہے جو عمر کھولے گا۔“ کیک کے سائڈ پر رکھے ہوئے پاؤچ کو دیکھ کر احمد بولا، عمر کی ماں مسکرا پڑی تھیں، صبیحہ بھی بہت مطمئن سی تھیں بھی تانیہ اپنے 6 ماہ کے بچے کو اٹھائے ہوئے اندر آئی تھی۔

”کیا ہوا تانیہ.....؟“ تانیہ عمر کو یک ٹک دیکھ جا رہی تھی صبیحہ جلدی سے بول پڑیں۔

”کچھ نہیں ماں۔“ وہ گہرا کر بولی عمر اپنا رخ پھیر گیا تھا، رمضہ شیر خور سے کی ڈش رکھنے ٹیبل پر آئی عمر کی ماں نسرین نے رمضہ کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

”بس کرو رمضہ! آؤ تم ہمارے پاس بیٹھو۔“ عمر نے جلدی سے اپنی سیٹ چھوڑ دی تھی۔

”ایشیئل فار یو۔“ احمد بھائی کیک کی طرف اشارہ کر کے ہنسے تھے، زیبا بھی مسکرائیں کہ جس سے پتہ چلا کہ ان کو خبر ہے اس کیک کی نسرین نے بیگ سے بہت خوبصورت ڈائنمنڈ رنگ نکالی تھی۔

”بھئی سب دیکھ لیں زیبا! اجازت ہے میں یہ رمضہ کے ہاتھ میں پہنا دوں۔“ زیبا ہنسیں تو نسرین نے رنگ رمضہ کی انگلی میں ڈال دی، رمضہ نے گہرا کر چاروں طرف دیکھا لیکن عمر کیک کاٹ رہا تھا۔

”پلیز عمر پلیز سب سے پہلے تم رمضہ کو کھلاؤ“ عمر نے احمد نعیم ایک ساتھ بولے تھے، تانیہ نے تمللا کر اپنے بیٹے کو پھٹ مارا تو صبیحہ نے جلدی سے بچے کو تھام لیا۔

”کیا ہوا تانیہ.....؟“

”کچھ نہیں امی صبح سے ٹگ کئے جا رہا ہے۔“ تو صبیحہ نے غور سے تانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا وہ اس کے دل کا بھید جان گئی تھیں، عمر رمضہ کا ہاتھ تھامے نجائے کن خیالوں میں گم تھا باہر بارش کی آوازیں تیز ہو رہی تھیں، تانیہ کا دل اندر سے سک رہا تھا اور رمضہ کی آنکھوں سے بھی نجائے کیوں آنسو چھٹک پڑے تھے، رمضہ نے دھیرے سے پللیں اٹھا کر عمر کو دیکھا۔

☆☆☆☆☆
☆☆

رداؤ انجسٹ 71 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

نثر

یہ آٹھویں صدی کا قرطبہ ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب لفظ ”قرطبہ“ اور ”عروج“ دو مختلف باتیں نہیں تھیں۔ یہ اسی قرطبہ کا ایک بازار ہے، معمول کی گہما گہما ہے، لوگ آ جا رہے ہیں مختلف ملبوسات میں ملبوس مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے سیاح غول درغول بازار کی رونق بڑھا رہے ہیں بازار میں تاجرا اپنی اپنی دکانیں سجائے ہوئے ہیں، ریشمی پوشاک، ہیرے موتیوں سے سجے زیورات، مختلف نوادرات اور ہر وہ شے جو خریدار کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہے وہاں بک رہی ہے ہر انسان مسرت و شادیاں اس بازار کی پکی گلیوں میں گھوم پھر رہا ہے اس بازار میں موجود لوگوں کی آوازیں کھینچوں کی جھنجھٹ کی مانند سنائی دیتی ہیں، اسی بازار سے کچھ دور وہ بھی رکی ہے جس میں سے وہ پچیس سالہ نوجوان نمودار ہوا ہے، وہ اپنی پروقار پوشاک میں خاصا جاذب دکھائی دیتا ہے اس کے چہرے کے تیکھے سے نقوش بتاتے ہیں کہ وہ کچھ مغرور سا بھی ہے وہ عبداللہ ہے۔

بھئی سے اتر کر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا وہ بازار کی طرف آیا، وہاں اس نے ایک راہ گیر سے کچھ پوچھا، جواباً راہ گیر نے اسے اشارے سے بتایا، اب وہ اس کے بتائے ہوئے پتے پر جا رہا ہے، وہ ایک عالیشان محل نما عمارت ہے جس کے سامنے وہ آرکا، دسک پر باہر آنے والے

غلام سے اس نے پوچھا۔ ”کیا یہ ہارون امان اللہ کا گھر ہے؟ مجھے عاصم سے ملنا ہے۔“ غلام اسے لئے اندر آیا اور اس محل نما گھر کے بائیں طرف بنے مہمان خانے میں ٹھہرنے کا کہہ کر خود اندر چلا گیا، کچھ دیر بعد اس کی واپسی ہوئی تو ساتھ میں ایک فرہبی مائل آدمی بھی تھا۔

”آپ غالباً عبداللہ ہیں؟“ عبداللہ نے اشارت میں سر ہلایا، وہ آدمی اب اس کے سامنے قالین پر بیٹھ چکا تھا۔

”زے نصیب آپ سے مل کر اچھا لگا، عاصم کئی بار آپ کا ذکر کر چکا ہے کہ کیسے آپ نے اس کی مدد کی جب ایک پرانے دیس میں اسے رہنویوں نے لوٹ لیا اور سارا مال اسباب لے کر اسے زخمی بھی کیا، وہ آپ کا دل سے احسان مند ہے اور ہونا بھی چاہئے۔“

”مدد تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، مجھ جیسے انسان صرف وسیلہ ہوتے ہیں۔“ اتنے میں وہی غلام ایک تھالی میں سجے مختلف انواع کے پھل لئے آیا تھا، ایک دوسری تھالی میں رس سے بھرے گلاس تھے۔

”بے شک! مجھے عاصم نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کے اصرار پر آپ قرطبہ آنے والے ہیں لیکن کل شام اسے خلیفہ عبدالرحمن سوم کی جانب سے



WWW.PAKSOCIETY.COM

بلو او آیا اور اسے وہاں جانا پڑا۔

”عاصم نہیں ہے۔“

”نہیں جناب! لیکن وہ چند روز میں واپس آجائے گا اور تب تک آپ یہاں مہمان کی حیثیت سے رہیں گے۔“

”عاصم نے بتایا تھا اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔“ ہارون امان اللہ نے ایک جام اسے دیا تھا۔

”جی جناب! میں اس کا چچا ہوں لیکن وہ مجھے میری اولاد کی طرح عزیز ہے۔“ کچھ دیر بعد وہ اسے وہیں آرام کرنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔ اس شام وہ مہمان خانے کے سامنے بنے باغیچے میں چہل قدمی کے لئے آیا تھا، ہلکی ہلکی ہوا بدن کو توانائیاں دے رہی تھی، سامنے زمین پر زمیں گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا، انار، خوبانی کے بیڑ پھولوں سے لدے تھے اس حسین شام میں عبداللہ نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، وہ ہلکے سبز رنگ کی آنکھوں والی نازک سی لڑکی جو باغیچے میں لگے پودوں سے نکلیاں الگ کر کے اپنے ریختی دوپٹے کے دامن میں بھر رہی تھی، ساتھ میں وہ کچھ گنگنار بھی تھی، ایسی آواز جیسے جلتے رنگ بجائے ہوں، عبداللہ جیسے پتھر کا بنا اسے دیکھے چلے جا رہا تھا، جی وہ نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے پٹی اور ایک اجنبی کو دیکھ کر چونکی، جلدی سے دوپٹہ سر پر کھینچا اور اندر کو بھاگ گئی۔

وہ کون تھی؟ عبداللہ نہیں جانتا تھا لیکن جانتا چاہتا تھا، وہ پوری شام اس نے اس پھولوں جیسی لڑکی کو سوچتے ہوئے گزاری تھی، جیسے جیسے وہ اسے یاد کرتا جاتا تھا، ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی جاتی تھی، اسی رات جب وہ اپنے کمرے میں درتے میں سے سیاہ آسمان پر بکھرے چاندی کے ذرے جیسے تاروں کو دیکھ رہا تھا اسے وہ پھر سے

دکھائی دی تھی، محل کی اونچی منڈیروں پر وہ دیئے روشن کر کے رکھتی جا رہی تھی، اندھیروں میں روشنی بکھیرتی وہ روشنی جیسی لڑکی۔ وہ اس کے حواسوں پر چھانے لگی تھی، وہ اس کے حواسوں پر چھا چکی تھی، عبداللہ کے دماغ کے یادداشت کے خانوں میں بس ایک وہ اور بس وہ رہ گئی تھی، اگلے دن جب باغیچے میں آیا تو وہ خاموشی سے آنکھیں موندنے ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

”سنئے“ عبداللہ کو خود پر قابو نہ رہا اور وہ اسے پکار بیٹھا وہ چونک کر اٹھی۔

”بات سنئے۔“

”ہم اجنبیوں سے بات نہیں کرتے۔“

”میں عبداللہ ہوں۔“ وہ کچھ قدم گھاس کو روندتا اس کے نزدیک آیا وہ اس کی طرف پشت کئے کھڑی تھی۔

”کہئے۔“ اور وہ کیا کہتا؟ اسے کچھ کہنا ہی نہ تھا، اسے تو بس سننا تھا اس کی مدھر آواز کا مدھر سا سنگیت۔

”میں نے سنا تھا قرطبہ میں دنیا کے حسین ترین افراد بستے ہیں مجھے اس بات کی سچائی میں شک تھا جب تک میں نے آپ کو نہیں دیکھا تھا۔“ وہ ایک لمحے کے لئے رکی اور پھر اندر کو بھاگ گئی۔ ناشتہ کا خوان لانے والی کنیر سے عبداللہ نے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا۔

”وہ زہرہ ہیں، عبداللہ جناب! وہ نالک کی بیٹی ہیں، قرطبہ کی سب سے خوبصورت لڑکی۔“

”بے شک۔“ وہ زیر لب بولا۔ وہ پورا دن قرطبہ کی گلیوں میں سیر کرتا پھرتا تھا، اس کے دماغ کی گلیوں میں زہرہ کی یادیں وہاں پھرتی رہی تھی، وہ اسے بھول نہیں رہی تھی اور وہ اسے بھولنا بھی نہیں چاہتا تھا، وہ مہمان خانے میں واپس آیا تو وہ کلیاں چن رہی تھی۔

”اتنے پھول کیوں جمع کرتی ہیں آپ۔“ وہ خاموشی سے اس کے پاس آکھڑا ہوا، وہ بھی خاموشی سے کلیاں شاخوں سے علیحدہ کرتی رہی۔

”پھول بہت پسند ہیں آپ کو۔“

”پھول کسے پسند نہیں ہوتے۔“ وہ سوال کے جواب میں سوال کر رہی تھی وہ زیر لب مسکرایا۔

☆☆☆☆

رات میں وہ دریچے کے سامنے بیٹھا اسے دیئے روشن کرتے دیکھتا رہا تھا، اسے دیکھتے چلے جانے سے زیادہ مسکرا کر اور خوشگوار کام اس وقت عبداللہ کے پاس نہیں تھا۔

”کنیروں کے ہوتے ہوئے آپ خود سے دیئے کیوں جلاتی ہیں۔“ اگلی صبح وہ اس سے پوچھ بیٹھا۔

”مجھے روشنیاں بکھیرنا پسند ہیں۔“

”ویسے دیئے جلانے سے روشنی بکھیرنے کا بھی آپ تردد کرتی ہیں، اندھیرا اور تاریک کمروں راہدار یوں میں سے بس مسکراتے ہوئے گزر جایا کریں ایسی روشنی پھیلے گی کہ اف۔۔۔۔۔“ وہ ہنسی چلی گئی۔

”آپ بہت چرب زبان ہیں۔“

”واللہ یہ سچائی ہے۔“ وہ چلی گئی اور عبداللہ نیلے امبر تلے اکیلا کھڑا رہ گیا، نیچے ہری بھری مٹلیں گھاس کا فرش تھا اور اوپر نیلا امبر جس سے گلابی پنکھوں والی محبت کی ہنسی تھیں تھیں، کہتے ہیں اگر آپ کی محبت سچی ہو تو اس میں اتنی طاقت ضرور ہوتی ہے کہ آپ کے محبوب کو آپ تک لے آتی ہے۔ خدا جانے یہ سچائی ہے کہ نہیں لیکن اس دن دوپہر کے وقت زہرہ ایک طعام کی تھالی لئے مہمان خانے میں ضرور آئی تھی۔

”والد محترم اپنے ایک دوست کے ہاں عیادت کے لئے گئے ہیں اور آپ کے بارے میں خاص تاکید کر کے گئے ہیں کہ آپ کا خیال رکھا جائے۔“ وہ مہمان تھا اور وہ آداب مہمانی بھار ہی تھی۔ وہ دوپہر ہوئے ہوئے گزر گئی تھی، مہمان خانے سے وقتاً فوقتاً قہقہے اور ہنسی کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں اس شام بھی وہ دونوں اکٹھے کلیاں جن رہے تھے اور رات میں چند دیئے وہ اس کے اندھیرے درتے میں بھی سجائی تھی۔ عبداللہ کی محبت محبوب کو لے ہی آئی تھی، لگتا تو ایسا ہی تھا۔ اگلی صبح ہوئے ہوئے بیدار ہو رہی تھی جب عبداللہ باغیچے میں آیا وہ وہیں چہل قدمی کر رہی تھی، اسے دیکھ کر مسکرائی۔

”مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔“ اندھے کی زردی ایسے سورج نے لفظ ”محبت“ سنا اور مسکرا کر اپنی سونے ایسی کرنیں بکھیرنے لگا، خوبانی کے بیڑوں پر کھلتے ہلکے گلابی پھول مسکرا اٹھے۔

”اور مجھے پوچھنا ہے کہ کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ ہے۔“ عبداللہ نے جواب پانے کے لئے اس کی ہلکی سبز آنکھوں میں جھانکا وہاں رقم تحریر اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔

”آپ سے محبت ہمیں رسوائی کے سوا کچھ نہیں دے گی۔“

”مگر کیوں۔۔۔۔۔؟“ اس کے جواب دینے سے پہلے محل کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی تھی، زہرہ چونکی اور جلدی سے اندر کو بھاگ گئی، آنے والا اندر آچکا تھا۔

”عاصم!“ عبداللہ نے مسکرا کر اسے دیکھا، عاصم دونوں بازو کھولے اس کی طرف بڑھا تھا،

کچھ دیر بعد وہ دونوں مہمان خانے میں آئے
 سامنے بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔
 ”قرطبہ کے ارد گرد بسنے والے قبیلوں میں کچھ
 تو چل رہا ہے ان کے درمیان مجھے لگتا ہے وہ کچھ
 کرنے والے ہیں خلیفہ پریشان ہیں قرطبہ کو مختاط
 ہونا چاہئے۔“ عبداللہ کا ذہن کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔
 ”آپ سے محبت ہمیں رسوائی کے سوا کچھ نہیں
 دے گی۔“ وہ سارا دن عبداللہ نے عاصم کے ساتھ
 گزارا تھا عاصم اسے اپنے کچھ دوستوں سے
 ملوانے لے گیا تھا کچھ تفریح کا ہیں دکھائی تھیں اسی
 شام ہارون امان اللہ بھی واپس آگئے تھے۔
 ”میرے خیال سے مجھے قرطبہ آئے کافی دن
 ہو گئے ہیں اب واپس جانا چاہئے۔“ شام کے
 کھانے پر جب ہارون اور عاصم موجود تھے تو
 عبداللہ نے کہا۔
 ”اتنی جلدی کیا ہے۔۔۔۔۔؟“
 ”بہت دن ہو گئے! پھر آؤں گا نا۔۔۔۔۔۔
 جلد۔۔۔۔۔۔ سب کھانے کے بعد قہوہ پی رہے تھے جب
 اس نے کہا تھا۔
 ”جاتے وقت میں آپ سے کچھ مانگنا چاہتا
 ہوں۔“
 ”کہو۔۔۔۔۔۔ تم مہمان ہو ہمارے تمہارے لئے
 ہماری جان بھی حاضر ہے۔“
 ”میں آپ کی بیٹی زہرہ کا ہاتھ مانگتا
 ہوں۔“ مہمان خانے میں خاموشی چھا گئی تھی عاصم
 کے ہاتھ سے قہوہ کی پیالی قالین پر لڑھک گئی۔
 ”زہرہ۔۔۔۔۔۔ عاصم کی منگیتر ہے۔“ ہارون امان
 اللہ کی بات پر وہ خاموش رہ گیا اور اس رات وہ
 اپنے در بچہ میں اس کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن وہ
 نہیں آئی کئی محل کی اونچی منڈیریں اندھیروں میں
 ڈوبی رہی تھیں۔

☆☆☆☆

”تم نے کیوں کہا ایسا عبداللہ۔۔۔۔۔؟“ اگلے
 دن عاصم نے پوچھا تھا۔
 ”سچ کہوں۔۔۔۔۔؟“ عاصم نے اثبات میں سر
 ہلادیا تھا۔
 ”مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔“
 ”اور اسے۔۔۔۔۔؟“
 ”یہ اسے معلوم ہوگا اسی سے پوچھ لو۔“ اور
 عاصم اس سے پوچھنے اس کے کمرے میں آیا وہ
 اپنے پلنگ پر ٹیک لگائے بیٹھی تھی وہ اس کے
 پاس آ بیٹھا۔
 ”آپ سے ایک سوال پوچھیں۔۔۔۔۔؟“
 ”جی۔“ وہ اپنی بوجھل سبز آنکھوں سے اسے
 دیکھنے لگی۔
 ”جب آپ لفظ محبت بولتی ہیں تو آپ کے
 ذہن میں پہلا لفظ کیا آتا ہے۔۔۔۔۔؟“
 ”قرطبہ۔“ وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
 ”کیا آپ کو ہم سے محبت ہے۔۔۔۔۔؟“ وہ
 نظریں چرا گئی۔
 ”پتہ نہیں۔“
 ”کیا آپ کو اس مہمان سے محبت ہے۔۔۔۔۔؟“
 وہ ویسے ہی سر جھکائے بیٹھی رہی خاموشی سے بنا
 ہاں کہے بنا ناں کہے اور عاصم کو جواب مل
 گیا۔ اگر کوئی آپ کے سوال کے جواب میں
 ”ناں“ نہیں کہتا ہے تو اس کا مطلب بھی ”ہاں“
 ہی ہوتا ہے۔
 ”کتنی محبت کرتے ہیں اس سے۔۔۔۔۔؟“ عاصم
 نے اس سے پوچھا تھا جب وہ دونوں تلواریں بازی
 میں مصروف تھے۔
 ”اس سے کہیں زیادہ جتنی ایک انسان اپنے
 آپ سے کرتا ہے۔“ عاصم نے فیصلہ کر لیا تھا۔
 ”وہ بچپن سے تمہاری منگیتر ہے۔“
 ”اور وہ میرے حسن ہیں۔“

رداؤ انجسٹ 76 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”عاصم تم اس سے محبت کرتے ہو بیٹے۔“
 ”وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔“ اگلی صبح
 مہمان خانے میں ہارون امان اللہ نے اسے
 گلے سے لگایا تھا۔
 ”قسمت میں اگر زہرہ کا ہمیشہ کے لئے تمہارا
 ہونا لکھا ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں عبداللہ اسے
 خوش رکھئے گا۔“ اور بھی گھوڑے کے ٹاپوں کی صدا
 بلند ہوئی تھی بھاگتے ہانپتے سپاہی۔
 ”قرطبہ پر حملہ ہوا ہے جلدی کیجئے۔“ کچھ ہی
 دیر میں تیر و تلوار سے لیس عاصم جانے کو تیار تھا
 عبداللہ بھی اس کے ہمراہ تھا عاصم نے اسے ساتھ
 چلنے کو نہیں کہا تھا وہ خود سے تیار ہو گیا تھا۔
 ”میرا دل جس کے لئے دھڑکتا ہے اس کی
 پہلی محبت قرطبہ ہے اور روایت ہے کہ محبت اپنے
 محبوب کی ہر محبت سے محبت کرتا ہے۔“ اور نکلنے
 سے پہلے وہ آخری بار زہرہ سے بھی ملا تھا۔
 ”میں جلد آؤں گا۔“
 ”میں انتظار کروں گی۔“ وہ کلیاں نوچتے
 ہوئے بولی وہ مسکرایا اور شرارت سے اسے دیکھا۔
 ”اور اگر میں نا آیا۔“ وہ خاموش رہ گئی۔ اور
 وہ سب جنگ کے لئے چلے گئے قرطبہ کے تحفظ
 کے لئے جنگ وہ محل نما حوٹلی میں اکیلی رہ گئی دن
 بھر کلیاں چنتی اندھیرے پھیلنے لگتے تو طاقتوں اور
 منڈیروں میں دیے روشن کرتی جاتی رمضان
 شروع ہو گیا ایک ایک کر کے دن گنتے لگی جنگ کی
 خبریں بھی آتی رہتی تھیں قرطبہ کے دلیر سپاہی
 جنگ جیت رہے ہیں وہ خوشی کے سنگیت گانی اور
 روشنیاں پھیلائی۔ اور خبر آئی جنگ جیت لی گئی ہے
 فاتح واپس آرہے تھے۔ وہ عید کا دن تھا وہ حقیقت
 میں عید تھی فضا میں شہنائیوں کی گونج تھی آسمان
 سے خوشیاں برس رہی تھیں سارا قرطبہ رنگا رنگ
 جھنڈیوں سے سجا تھا کلیوں کے تھال لئے وہ سبز

آنکھوں والی زہرہ داخلی دروازے پر کھڑی تھی
 جب فاتح آنے لگے تھے۔ وہ سب چہروں کو
 پہنچاتی تھی فاروقی معاویہ حسن ابو بکر سب سے
 آخر میں عاصم اس نے ادھر ادھر دیکھا وہ کہاں
 ہے۔۔۔۔۔؟ اس کی نظریں اس مجمع میں بھٹکتی رہیں
 اسے اپنا محبوب دکھائی نہ آیا وہ انسان جو جلد آنے
 کا عہد کر کے گیا تھا۔
 ”عاصم۔۔۔۔۔۔ عاصم۔۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔۔ وہ کہاں
 ہیں۔۔۔۔۔۔؟“ وہ بے قراری سے اپنے چچا زاد کی
 طرف بڑھی وہ زخموں سے آلود دروازے سے بے حال
 چور چور تھا۔
 ”وہ نہیں رہا زہرہ! ہم نے اسے کھو دیا۔“
 تھال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئے کلیاں یہاں
 وہاں بھڑکنیں وہ بے یقینی سے عاصم کو دیکھنے لگی وہ
 زخموں سے چور لاش محل کے وسط میں لا کر رکھ دی
 گئی زہرہ کی سبز آنکھوں سے پانی بہہ نکلا وہ ماتم
 بھی نا کر سکی اور اندر بھاگتی چلی گئی۔ عید کی وہ
 رات اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھی خوبانی کے
 پیڑوں پر کھلے گلابی پھول ہوئے ہوئے مرجھا
 رہے تھے مہمان خانے کا در بچہ ویران پڑا تھا
 اور محل کی اونچی منڈیریں بھی تاریک پڑی تھیں
 عاصم اس کے کمرے میں آیا تو سارے کمرے
 میں کلیاں بھری ہوئی تھیں طالع نے اندھیرے
 پڑے تھے سبز آنکھوں والی زہرہ بے جان اپنے
 بستر پر پڑی تھی۔
 ”زہرہ۔۔۔۔۔۔ زہرہ۔“ وہ سن نہیں پا رہی تھی
 وہ بول نہیں پا رہی ہے مردے بولا اور سنا نہیں
 کرتے۔ عبداللہ نے رخصت ہوتے وقت
 پوچھا تھا۔
 ”اگر میں نا آیا تو۔۔۔۔۔۔؟“ وہ خاموش رہ گئی تھی
 وہ سچ سچ میں نہیں آیا تھا زہرہ کو خاموش ہونا ہی تھا۔
 ☆☆☆☆

رداؤ انجسٹ 77 اگست 2016ء

ثناء کنول اللہ دتہ

افسانہ

دل و نگہ میں کس طرح عذاب لگتا ہے

”تمہاری نظر میں محبت کیا ہے؟“
”محبت۔ ہر خوب صورت چیز محبت ہے ہر احساس
محبت ہے یہ پہاڑ پھول کلیاں موسم رنگ خوشبو جگنو اور
تم خود سراپا محبت ہو۔“

اس کی آخری بات پر اس کے گالوں پر خود بخود سرخی پھیل گئی جسے چھپانے کے لیے اس نے رخ موڑ لیا وہ جو اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا سنجیدگی اور کچھ خوف سے بولا۔
”محبت ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی یہ تو کچھ چنے ہوئے ہی لوگوں کی قسمت میں ہوتی ہے۔ اشفاق احمد کہتے ہیں محبت وہی شخص کر سکتا ہے جو اندر سے خوش اور مطمئن ہو اور پر باش ہو، محبت کوئی سہ رنگا پوسٹر نہیں کہ کمرے میں لگا لیا سونے کا تمغہ نہیں کہ سینے پر سجا لیا پکڑی نہیں کہ کلف لگا کر باندھ لی جائے اور بازار

آگے طرہ چھوڑ کر محبت تو روح ہے آپ کے اندر کا اندر آپ کی جان کی جان ہے۔ محبت کا دروازہ صرف ان لوگوں پر ہی کھلتا ہے جو اپنی اپنی ایگو اور نفس سے جان چھڑا لیتے ہیں اور میں تمہیں دیکھ کر خوش اور مطمئن ہو جاتا ہوں تم میرے لیے آئینہ کی طرح ہو تمہاری محبت میری رگوں میں خون کی صورت دوڑ رہی ہے میں جب جب سانس لیتا ہوں نا تو میری سانس بھی صرف تمہارا ہی نام لیتی ہوئی نکلتی ہے۔ کبھی کبھی پتا نہیں کیوں مجھے اپنا آپ کیچڑ میں کھلے ہوئے کنول کی طرح لگتا ہے جسے سب پسند کرتے ہیں سراپتے ہیں



WWW.PAKSOCIETY.COM

تعریف کرتے ہیں پر کوئی بھی اسے اس کیچڑ سے نکالنے کی کوشش نہیں کرتا تم کنول ہو اور میں کیچڑ تم گلاب ہو اور میں خوشبو تم جسم ہو تو میں روح تم.....

”بس کرو مر جاؤں گی میں، اتنی محبت نہ کرو مجھ سے کہ میں مغرور ہو جاؤں۔“ وہ ایک دم اس کی بات کاٹ کر نرم آواز میں بولی تو اس نے اس کی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسوؤں کو دکھ سے دیکھا پھر سر جھکا کر بولا۔

”کسی کو چاہنا کہاں اپنے بس میں ہوتا ہے یہ تو دلوں کے معاملے ہوتے ہیں انہیں ہی طے کرنے دو اور ہاں یہ بات بات پر رونا تم چھوڑ دو، دکھ ہوتا ہے مجھے تمہارے آنسو دیکھ کر اور مریں تمہارے دشمن دیکھ لینا ساتھ جیئیں گے اور ساتھ مریں گے بھی یگی۔“ وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا تو وہ سامنے کھڑی عالیشان پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”ان کشمیر کی پہاڑیوں کو دیکھ رہے ہو جس طرح سے یہ کشمیر کا حسن ہیں اسی طرح تم میرا حسن ہو۔“

”صحیح..... چھٹی آوازاں بلارہی ہیں۔“ وہ ابھی اپنی بات کہہ رہی تھی کہ اُٹھی بھاگتا ہوا اونچی نیچی پہاڑیوں پر اس کے پاس آ کر پھوٹی سانسوں سے بولا تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔

”کل ملیں گے خدا کی امان میں شام۔“ وہ کہتی ہوئی مڑی اور پائل کی چھن چھن کرتی اونچی نیچی پہاڑیوں پر مضبوطی سے قدم جما جاتی چلی گئی اور وہ اس کی پشت کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی۔

☆.....☆

وہ جلدی جلدی شاہر میں ترتیب سے گھرے رکھتی جاتی اور پاس ہی موجود اُٹھی کے ہاتھوں میں دیتی جاتی جو ان پر ٹیپ لگا کر انہیں بند کرتا جاتا جب کہ اماں پاس ہی بیٹھی تاروں میں پھول ڈال کر انہیں گھرے بنانے میں مصروف تھیں اور ابا محسن میں ہی کھڑے

ٹوکے میں ترتیب سے مونگ پھلی چوہارے بادام وغیرہ رکھ رہے تھے۔ تقریباً دس منٹ کے بعد صبح اپنے سر پر گجروں کا ٹوکرا رکھے اونچی نیچی پہاڑیوں پر مضبوطی سے قدم رکھتی آوازیں لگانی اپنی پائل کی چھن چھن کے ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔ خوب صورت پہاڑیوں پر یہ اس کی اور اس کی پائل کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گھر جا رہی تھی کہ سامنے وہ آگیا آنکھوں میں اس کے لیے ڈھیر دھیر محبت اور شرارت لیے چہرے پر سنجیدگی طاری کیے ہوئے وہ والٹ سے پیسے نکال کر اس سے بولا۔

”یہ لودو گھرے دو مجھے۔“

”کاہے کو کسے پہناتے ہیں۔“ وہ رعب سے بولی تھی کہ شاید وہ کہے تمہیں لیکن غیر متوقع جواب پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ کچھ سنجیدگی سے بولا تو وہ اس کے ہاتھوں پر گھرے رکھ کر چھن چھن کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی کہ شاید ابھی وہ اسے روکے گا اور کہے گا پائل ہی لڑکی تمہارے بغیر یہ کیسے دوں گا، چل اسے نہیں کچھ قدم جا کر اس نے بے اختیار مڑ کر دیکھا لیکن پہاڑیوں پر دور دور تک اس کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں بے اختیار نہ جانے کتنے ہی آنسو چلے آئے۔ وہ ایسی ہی تھی۔ بے حد حساس ذرہ ذرہ کی بات کو دل پر لینے والی۔ اس کی اس عادت سے شام بھی بہت تنگ تھا بقول اس کے جب صبح رونی ہے تو شام بھی اداس ہو جاتی ہے۔

صبح اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا ایک ہی بارہ سالہ بھائی اُٹھی تھا۔ وہ اور اماں گھرے بنا بنا کر بیچا کرتی تھیں اور ان کے بنائے گھرے ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے جب کہ ابا ایک ٹوکے میں بادام وغیرہ بیچا کرتا تھا اس سے ان کی اچھی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ صبح کے گھر کے پاس ہی شام کا گھر تھا۔ شام اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ وہ دونوں اپنے ناموں

کی طرح ایک دوسرے کے لیے بہت اہم تھے۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے مڑی تو سامنے شام کو دیکھ کر رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

”میں نے کہا تھا ناں کہ ایک بھونی بھانی لڑکی کو 24 گھنٹے رونے والی کو دینے ہیں۔ چلو آنسو صاف کر دیا پھر میں کروں۔“ وہ ہاتھ بڑھا کر بولا تو وہ جلدی سے اپنے ہاتھ سے آنسو صاف کرنے لگی تو وہ وہیں پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے گھرے اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

”کیا صبح اپنے شام کی خطا معاف کر کے اس کے ہاتھوں سے گھرے پہنے گی؟“

اس کی بات پر صبح کا قہقہہ فضا میں زور سے گونجا تو وہ بھی کھل کر مسکرا دیا۔

☆.....☆

اس وقت پورے کشمیر پر موت کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وجہ وہی تھی جو ہر بار ہوا کرتی تھی۔ سرحد پر موجود بھارتی فوج میں نیا آفیسر آیا ہوا تھا جو کہ 14 اگست پر ہی آتا تھا اور پھر پورے کشمیر پر موت کی خاموشی چھا جاتی تھی۔ سب اپنے اپنے گھروں میں بند ہو جاتے تھے جو بھی شخص نظر آتا بھارتی فوج اسے گولی مار دیتی تھی۔ جانور چارہ نہ ملنے کی وجہ سے بھوک سے مر رہے تھے۔ بچے بڑے بزرگ رات بھر جاگتے۔ سب کی نظریں اپنے دروازوں پر ہوتیں کہ ابھی دستک ہوئی، درخت پر بینہیں چڑیاں تک خوف سے آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں جیسے دعا کر رہی ہوں کہ اے اللہ مدد فرما، رحم کر۔ جگادے مسلمانوں کو اب بھی وقت ہے رحم فرما۔ شام کو اتفاق سے شام ان کے گھر پر ہی تھا جب گھروں سے نکلنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ رات کی تاریکی کو چیرتی ہوئی صبح کی بسکیاں اسے پریشان کر رہی تھیں وہ نرمی سے بولا۔ ”صبح پریشان نہ ہو دیکھو رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو

سب روتے ناں۔“

”تجھے پتا ہے ناں کہ ابھی نہ جانے کس کا دروازہ بجے گا اور کس کی عزت کو پامال کر کے اسے بارڈر کے پار برہنہ حالت میں ڈال دیا جائے، کیا پتا ابھی ہماری ہی.....!“

”اللہ نہ کرے، میں مر جاؤں گا صبح ایسا نہ کہو۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ بولا تو وہ پھٹ پڑی۔

”کیوں ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کو احساس نہیں ہوتا ہمارا۔ یہاں کشمیر میں بی بی حوا کی بیٹیوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ ان کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ ہم خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن کیا ہم مسلمان ہیں؟ رسولؐ نے سب مسلمانوں کو ایک ہی جسم قرار دیا ہے۔ سر میں درد ہو تو پورا جسم درد کرنے لگتا ہے، نیند نہیں آتی اور آج کے مسلمان سب اس وقت اپنے اپنے گھروں میں کمرے میں دیکے موم پھلی کھاتے ہنس رہے ہوں گے، کیا انہیں احساس بھی ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ قیامت سے پہلے قیامت آئی ہوئی ہے ہم پر۔ پاکستان کو آزاد کروانے کے لیے قائد اعظم آئے تھے تو کیا کشمیر کو آزاد کروانے کے لیے انہیں پھر سے زندہ ہونا پڑے گا؟ کیا یہ آزادی ہے؟ اگر ہاں تو تم مجھے بتاؤ ہم آزاد کب ہوں گے؟ آخر کب قائد اعظم دوبارہ زندہ ہوں گے؟ کیا یہ ہے وہ پاکستان جس کے خواب علامہ اقبال اور قائد اعظم نے دیکھے تھے؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو وہ بے بسی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اٹھ کر باہر محسن میں چلا آیا کہ وہ مزید اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

”میں صبح ہوں جو رات کی تاریکی کو ختم کرتی ہے۔ بے شک میں ان سب درندوں کو نہیں مار سکتی ایک کو تو مار سکتی ہوں نا اپنی عزت داؤ پر لگا کر تاکہ ایک سال کے لیے ہی سہی دوبارہ کسی کی عزت نہ لوٹی جائے۔“ وہ بی بی حوا کی بیٹی اس وقت جائے نماز پر بیٹھی بڑی ہی عجیب سی دعا کر رہی تھی اپنی عزت بچانے کی

پیش مقبول خواتین رائیٹرز کے شاہکار ناول شائع ہو گئے ہیں

مصنفہ عفت سحر طاہر قیمت 1000/- روپے

بن مائی دعا

مصنفہ آسیہ مرزا قیمت 1000/- روپے

دکھ کا دیریا سکھ کا ساگر

مصنفہ مہوش افتخار قیمت 600/- روپے

جامِ آرزو

مصنفہ نازیہ کنول نازی قیمت 500/- روپے

برف کے آئینو

مصنفہ نازیہ کنول نازی قیمت 600/- روپے

اے مثرگانِ محبت

مصنفہ فاخرہ گل قیمت 600/- روپے

وہی اک لمحہ زیست کا

کتابیں خوبصورت سرورق بہترین کمپوزنگ و طباعت کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

القریش پبلی کیشنز سرکلر روڈ، چوک اردو بازار لاہور فون 042-37668958 — 37652546

اس نے دل ہی دل میں کلمہ پڑھتے ہوئے زہر بھرے گلاس کو منہ سے لگایا پھر اس کی طرف بڑھا دیا جسے وہ ایک ہی سانس میں خالی کر گیا اور اگلے ہی لمحوں وہ دونوں زمین پر مردہ پڑے تھے۔ ایک شہید ہوئی تھی اور دوسرا حرام موت مرا تھا۔

”السلام علیکم شام میری محبت میں نے ہمیشہ تمہیں چاہا ہے اس وقت جب تم یہ خط پڑھ رہے ہو گے میں مر چکی ہوں گی۔ میں وہ صبح ہوں جو رات کی تاریکی کو ختم کرتی ہے لیکن پھر خود بھی ختم ہو جاتی ہے۔ میرے بعد بہت سی صبح آئیں گی اور رات بھی، پر میں نہیں ہوں گی۔ میں نے خود کو مار کر بہت سی لڑکیوں کی عزتیں بچائی ہیں لیکن شام تمہاری مجرم ہوں میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ ساتھ چلیں گے اور ساتھ مریں گے پر میں اکیلی جا رہی ہوں تمہاری صبح ہوں اور جب تک دنیا ہے صبح اور شام ساتھ رہیں گے۔ آج 14 اگست ہوگی۔ آزادی کا دن پتا نہیں ہمیں آزادی کب ملے گی، کب ہمارے مسلمان بہن بھائیوں کو ہمارا خیال آئے گا کہ بی بی حوا کی بیٹیوں کو پامال کیا جا رہا ہے۔ مجھے معاف کر دینا صرف تمہاری ”صبح“۔

اس کے ہاتھ سے کاغذ ایک طرف گرا اور وہ بے حس و حرکت زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ یہ خط صبح نے اسی رات لکھا تھا اس میں سب کچھ سچ تھا پر ایک کے سوا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس نے ساتھ جینے اور مرنے کا وعدہ پورا نہیں کیا ان کا یہ وعدہ خود خدا نے پورا کر دیا تھا۔ آج صبح اور شام ایک ساتھ دو قبروں میں دفن ہیں۔

اس کے بعد عزتیں پامال ہونا تو بند نہیں ہوئیں ہاں ایک سوال آج بھی زندہ ہے کیا ہم مسلمان ہیں؟ کیا ہم انسان ہیں؟ کیا ہمارے سینوں میں دل ہیں یا پھر پتھر؟ کیا بی بی حوا کی بیٹیوں کی عزتیں بچانے کے لیے پھر قائد اعظم کو زندہ ہونا پڑے گا؟ کیا یہ تسلسلہ کبھی ختم ہوگا؟

☆.....

نہیں بلکہ لوٹنے کی۔

”یا اللہ! وہ درندے ابھی میرا دروازہ کھٹکھٹائیں اور مجھے اپنے اڈے پر لے جائیں۔“ سیاری رات روتے ہوئے وہ صرف ایک ہی دعا کرتی رہی کسی عجیب لڑکی تھی وہ اور کسی عجیب سی دعا تھی اس کی۔

وہ اس وقت تک بیٹھی دعا کرتی رہی جب تک زور زور سے دروازے کو پیٹنا نہ گیا۔ ابا تو وہیں پر ہی ڈھسے گئے اماں اس سے آکر چمٹ گئیں جب کہ شام خود دروازے کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور پھر وہ آوی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے اور آگے بڑھ کر اماں کو اس سے الگ کر کے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے لے کر چلے گئے۔ شام کے سامنے آنے پر انہوں نے اسے نہ جانے کیا مارا کہ وہ وہیں پر گر گیا اس نے صرف آخری بار شام کے سر سے نکلنے خون کو دیکھا تھا۔

وہ اپنے صوفے پر بیٹھا ہوس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جب کہ اس کے ارد گرد کھڑے چیلے صبح پر ہوس بھری نظریں گاڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ اس نے جھک کر اپنا دوپٹہ اٹھا کر اپنے سر پر لیا جو نیچے گر گیا تھا۔ پھر سکون سے سامنے بیٹھے شخص سے بولی۔

”آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گی مگر صرف آپ کا کہا مانو گی۔“ وہ معنی خیز انداز سے بولی تو اس کے اشارہ کرنے پر کراخالی ہو گیا۔

”حیرت ہے تم وہ واحد لڑکی ہو جو نہ روئی نہ چیخی نہ ہی ہاتھ جوڑ کر گڑ گڑائیں، وجہ؟“

”میں ردوں چیخوں یا گڑ گڑاؤں آپ مجھے چھوڑیں گے پھر بھی نہیں تو پھر ان سب کا فائدہ ویسے بھی میں آپ کی غلام ہوں۔“

”گڈ! جلدی سے ڈرنک بناؤ۔“

وہ اسے جواب دے کر اپنے فون کی طرف متوجہ ہو گیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں چھپائی اس زہر کی پڑیا کو جلدی سے شراب میں ڈال دیا اور گلاس اس کی طرف بڑھا دیا تو وہ کہنے لگا۔ ”پہلے تم پیو، پھر میں۔“

رداؤ انجسٹ 82 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہلا گل سحر

افسانہ

عید کے رشتے رول کے سنہ

رمضان کے لئے تھوڑے دن باقی تھے اور یہ شادی کو پانچ مہینے ہوئے تھے وہ شہر یار کی سنگت میں فریہ کی سسرال میں پہلا رمضان اور عید تھی اس کی خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی اس کا سسرال ساس



WWW.PAKSOCIETY.COM

محبت کا راز تھا رواڈا تجسٹ جو تینوں کو جوڑے رکھتا ہر کہانی ہر چیز پر تبصرہ تینوں کرتیں۔

☆☆☆☆

فریہ کا ارادہ آج کام والی خالہ کے ساتھ مکمل گھر کی صفائی کا تھا اور ساتھ میں بچن بھی سنبھالنا تھا۔ ”بھابی بھابی آپ کس وقت فارغ ہوں گی؟“ صفائی اچانک آ کر اسے خیالات کی دنیا سے نکالا۔

”یار! آج تو میں بہت بڑی ہوں خالہ کے ساتھ مجھے مکمل صفائی کرنی ہے پھر بچن میں جا کر کھانا

سسر شہر اور دو جڑواں نندوں پر مشتمل تھا شہر اور سسر کا شہر کے پوش علاقے میں ایک بڑا میڈیکل اسٹور تھا جو بہت مشہور تھا اور خوب چلتا تھا۔ ساس ریٹائر ہڈ مسٹریس تھیں جو گھر میں بھی اصول کی پکی سخت مزاج مگر انصاف پسند تھیں اس کی جڑواں نندیں صفا اور مروہ بی ایس سی کا انگریز دے کر فارغ تھیں پڑھائی میں بہترین فیشن کی دلدادہ مگر اول درجے کی کام چور مگر بھابی اور نندوں میں روایتی طرز کا حسد تھا اور نہ لڑائی جھگڑا ان تینوں کی دوستی اور



بنانا ہے۔“ فریہ نے اسے اپنی سوچ سے آگاہ کیا۔
 ”اوہ..... ہم نے ردا ڈائجسٹ کے کچھ خاص سرورق نکالے ہیں، عید کے کپڑوں کی ڈیزائننگ کے لئے مگر آپ کے مشورے کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں منتخب کر سکتے۔“ صفائے بے چارگی سے کہا۔
 ”ڈیزائن اگر تم لوگ تھوڑی بہت کام میں میری مدد کر لو تو پھر بات بن بھی سکتی ہے۔“ فریہ نے تجویز پیش کی تو صفاء مرودہ کو بلانے کے لئے دوڑی اور یوں جب تک وہ صفائی سے فارغ ہوئی تب تک صفاء آٹا کوندھ چکی تھی اور مرودہ ہانڈی کے لئے گوشت اہال کے لوکی کی سبزی بھی کاٹ چکی تھی۔ اماں ساتھ والے گھر میں قرآن خوانی میں گئی تھیں، فریہ بھی فریش ہو کر کچن میں آگئی اور ہانڈی بھوننے لگی، صفاء اور مرودہ نے راستہ اور سلا دینا کر فریج میں رکھا۔

”بھابی! یہ افسانوں میں ہیروئن یا اس کی ماں منٹوں سیکنڈوں میں چکن ہانڈی، ترکی کو فٹے بریانی، چکن روٹ، سوئیٹ ڈش اور جانے الم فلم بناتی ہیں، ماہم سے تو چھوٹا موٹا کام بھی گھنٹوں میں ہوتا ہے۔“ صفائے ہاتھ دھو کر وہاں پڑے ٹاول سے خشک کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”اگر انسان کام میں ایکسپٹ ہو تو حقیقت میں وہ جلدی جلدی کام نمٹالیتا ہے۔“ فریہ نے منانت سے کہا۔
 ”ویسے بھابی! روا کی ایڈیٹر صالحہ محمود ”صالحہ آپ“ کہتے ہی ذہنوں کو جلا بختی ہیں۔ ان رسالوں کو پڑھنے لکھنے والی لڑکیاں زندگی کے لمحات کو حقیقی بصیرت سے دیکھنے لگتی ہیں۔“ مرودہ نے تفصیل سے اپنی بات مکمل کی اور پھر فریج سے خربوزے نکال کے کیوب کی صورت میں کاٹنے لگی۔

”بالکل ٹھیک کہا صالحہ آپ! خود بھی بہت اچھی رائٹر ہیں اور انہیں ہمیشہ اچھے رائٹر کی تلاش رہتی ہے جنہیں وہ تراش کے ہیرا بنا سکیں، وہ جہاندیدہ سوچ کی مالک ہیں شازیہ مصطفیٰ کا قلم دیکھو شعاعیں نکھیرتا ہوا، زبردست ٹاول سپر ہٹ کردار۔“ فریہ نے ہانڈی بھون کر سبزی ڈالی اور آج ہلکی کر لی اس کے لہجے میں دبا دبا جوش تھا۔
 ”ویسے بھی اماں کی طبیعت ٹائیکلہ کے ٹاول کے کردار خرمن سے ملتی جلتی ہے، سخت کیر استانی ٹائپ۔“ صفائے جیسے پھلچھڑی چھوڑی تو دونوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی، روم میں آ کے فریہ کی مدد سے انہوں نے ڈیزائن منتخب کئے۔

”ویسے یہ بات تو سولہ آنے سچ ہے کہ ردا کے سارے سرورق سارے کے سارے یونیک اور زندگی سے بھرپور ہوتے ہیں۔“ مرودہ نے رسالوں کے اخبار کو سنبھالتے ہوئے گویا افشانی کی، تو دونوں نے ہی اثبات میں سر ہلا کر اس کی بات کو تسلیم کیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
 رات کو شہر یار کے بازو پر سر رکھے وہ رسالہ پڑھ رہی تھی جبکہ موصوفی وی دیکھ رہے تھے چند لمحوں کے بعد حسب معمول رسالہ شہر یار نے قبضے میں لے لیا۔
 ”ایسا کیا ہے اس میں کہ میری قربت کے باوجود بھی تمہیں اس کے علاوہ کچھ اور نہیں سوچتا۔“
 ”یہ تو میرا سیکنڈ میکنہ ہے اور اس میں لکھنے والی میری عزیز و جان دوستیں ہیں، میں نے بہت کچھ اس سے سیکھا ہے۔“ وہ پیار سے اس سے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔
 ”یار میں جیلس ہوتا ہوں بہت روا سے جس

نے میری نیگم کے آدھے پیار پر قبضہ کیا ہوا ہے۔“ شہر یار نے اسے قریب کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا تو اس کے سینے میں چہرہ چھپا بے وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
 ”ارے بھابی آپ نے فرزانہ حبیب کی شادی کی پکچر اور احوال پڑھا؟“ صفائے جوش میں آ کر کہا اور دھپ سے اس کے پاس بیٹھ گئی، جو رزوں کے لئے مختلف چٹنیاں بنا رہی تھی۔

”بھابی! آپ یہ سب کیسے بنا لیتی ہیں۔“ مرودہ بھی کچن میں وارد ہوئی۔

”کھانا تو امی نے سکھایا اور باقی کی نئی نئی ڈشز میں نے ردا کے ”کچن“ سے سیکھیں اور یقین کرو کہ اپنی شادی کے علاوہ میں کبھی پارلر نہ گئی ”سنگھار“ میں اتنے مزے کے ٹوٹکے ہوتے ہیں ”گھریلو اور نیچرل“ جس کا کوئی سائیڈ افیکٹ بھی نہیں ہوتا۔“

”سچ بھابی! پھر اس بار ہم بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔“ صفائے خوش دلی سے کہا۔

”خرچ کم بلا نشین۔“ مرودہ نے بھی لقمہ دیا اور پھر دونوں ہی غیر محسوس طریقے سے فریہ کی مدد کرنے لگیں۔

”ردا کے مرہون منت دونوں کا رجحان ٹی وی اور فیس بک سے کم ہو گیا تھا اور اماں بھی اس بات سے خوش اور بہو کی مشکور تھیں۔“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
 ”بھابی میں سوچ رہی ہوں کہ اس بار ہم بھی ردا فیملی کا حصہ نہ بن جائیں۔“ صفائے سوالیہ نظروں سے بھابی کو دیکھا جو دھلے اور صاف ڈبوں میں تمام مصالحہ جات بند کر رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”وہ کیسے.....؟“ فریہ نے کینٹ میں ڈبے منتقل کرتے ہوئے صفا کو دیکھا۔

”بھئی میں مرودہ اور آپ ایک ایک تحریر لکھ کر ردا کو بھیج دیتے ہیں، میں تبصرہ لکھ لوں گی آپ کوئی شاعری بھیج دیں اور مرودہ دوستوں کے نام عید کا پیغام بھیج دے پتہ چلے کہ ہم بھی خاموش ردا کی قاری اور ردا فیملی کا حصہ ہیں۔“

”ارے یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“ فریہ اچھل پڑی۔
 ”اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو پھر مستقل لکھیں گے۔“

”ٹھیک بالکل ٹھیک۔“ صفا کی آنکھیں انجانی خوشی سے جگمگانے لگیں۔ اور پھر واقعی انہوں نے لکھنے کا کارنامہ سر انجام دینا شروع کیا، تینوں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

”ویسے یار تبصرہ لکھنا آسان کام نہیں۔ آفرین ہے افشاں علی اور صبا الغنی یہ کیسے لفظوں کے موتی پیار کی خوشبو اور خلوص کی چاشنی میں ڈبو ڈبو کے سندیے کی محفل کو چار چاند لگاتی ہیں۔“ صفائے تیسرا کاغذ توڑ کر پھینکتے ہوئے کہا۔

مرودہ نے ”ردا کی ڈائری“ کے لئے اپنی پسندیدہ شاعرہ سباس گل کا کلام منتخب کیا کہ وہ ان کے ٹاول اور افسانے بھی شوق سے پڑھتی تھی۔ فریہ نے ایک پیغام شہر یار کے اور ایک پیغام ردا کی شہزادیوں کے نام لکھا، ویسے تو کبھی رائٹر بہت اچھے سے اپنے ہر بینڈ کے لئے محبت کا اقرار کرتی تھیں مگر ریمانور کی بات ہی الگ تھی، اس کی تقریباً ساری شاعری ان کے ہم سفر کے نام تھی اور سچی اور پاک محبت کی غمازی کرتی تھی، اپنا کام مکمل کر کے اس نے اور مرودہ نے صفا کی مدد کی اور یوں ایک جامع اور دلکش تبصرہ صفحہ قرطاس پہ

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابرار	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

منتقل ہو گیا اور شہر یار کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے اس نے خط پوسٹ کر دیا۔

☆☆☆☆

رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہو گیا تھا عبادات پکوان اور افطاریوں کا اہتمام ذوق و شوق سے جاری تھا فریضہ مکمل اپنے رب سے رجوع کئے ہوئے تھی صفا اور مردہ بھی اس کا ساتھ دینے میں پیش پیش تھیں فریضہ کی دعاؤں میں سب کے ساتھ ساتھ ”ردا کی فیملی“ بھی شامل تھی۔ ”ساس اور سسر کی دعا کی اس کے ساتھ ساتھ تھیں اس کی سخت گیر ساس اس کے لئے موم ثابت ہوئیں جب وہ سحری کے لئے اٹھتی تو وہ اپنی دونوں بیٹیوں کو اٹھائیں۔

”جاؤ مدد کرو بھابھی کی نوکرائی نہیں اس گھر کا حصہ ہے وہ۔“ یوں سحری اور افطاری کا کام آسانی سے منٹ جاتا تب اسے فریدہ فرید کی تحریر ”ناز کی بستی“ یاد آئی جب ناز ”بھرے پرے“ خاندان کے لئے گھن چکر بنی پھرتی۔ مگر اس کے لئے سوہنے رب نے بہت آسانیاں پیدا کی تھیں۔ اس کی تقریباً شاپنگ عید سے پہلے ہو گئی تھی۔ رمضان کے آخری عشرے میں طویل عبادت اور پھر گھر کی صفائی کہ عید کے دن ہر چیز چمکے اور مہکے اور پیارے رب کے انعام کا صحیح معنوں میں اقرار کیا جائے۔ وقت کی چمکی اپنی رفتار سے چلتی رہی اور یوں چاند رات بھی آگئی صبح ”ردا“ سنگھار کی مدد سے گھریلو اشیاء سے فیشنل کیا گیا تینوں نے رات کے لئے مہندی کے ڈیزائن بھی منتخب کئے اور مہندی لگانے کی ذمہ داری مردہ کی تھی کہ وہ اس ڈپارٹمنٹ میں ماہر تھی آخری افطاری کے بعد ”شہباز حسن“ نے وائلٹ نکال کر ہرے ہرے نوٹ

لگا لے اور بیٹیوں اور بہو میں تقسیم کر دیئے۔

”بابا! ایڈوانس میں عیدی۔“ صفا ٹھکی۔

”نہیں بیٹی یہ تم لوگوں کا انعام ہے انواع و اقسام کے کھانے لڈیز پکوان نئی نئی سویٹ ڈشز جو تمہاری ماں کے ہاتھ سے تو نصیب نہیں ہوئی مگر اس بار تو تم لوگوں نے اتنا اچھا انتظام سنبھالا کہ مجھے میری اماں یاد آ گئی تھی۔ ان کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔“

”یا ہو۔“ مردہ نے نعرہ لگایا مگر اماں کی گھوری پر جلدی سے سنجیدہ ہو گئی۔

”ویسے میاں بڑے احسان فراموش ہو ساری عمر میرے ہاتھ کا کھایا اور اس بار بہو اور بیٹیوں کے ہاتھ کا کھایا تو پینترا ہی بدل دیا آپ نے۔ انہوں نے بنایا تو جزا اور میرا کھایا پیاسزا۔“ اماں نے ان کی خبر لی تو بابا نے فوراً وائلٹ ان کی گود میں رکھ دیا۔

”ارے بیگم میں تو مذاق کر رہا تھا ارے ہم بھی آپ کے ہیں اور یہ سب کچھ بھی۔“ بابا کے بیان بدلنے پر اماں بچوں کے سامنے بوکھلا گئیں اور انہیں گھورتی استغفر اللہ پڑھتے ہوئے اٹھ گئیں۔

”ویسے مجھے پتہ نہیں تھا کہ ابامیاں راجہ افضل کے ہیرو کی طرح رومینٹک اور اماں شہ کنول کے افسانوں کی طرح شرمیلی ہیں۔“ صفا نے بابا کے جانے کے بعد پچھلے چھوڑی تو تینوں کا تہنہ بے ساختہ تھا۔

☆☆☆☆

سب کچھ سمیٹ کر اس نے کچن سنبھالا صبح کے لئے کچھ تیاری ایڈوانس میں کی اور پھر مہندی لگوانے صفا لوگوں کے روم میں آ گئی مہندی کے ڈیزائن صبح سے ہی منتخب کئے ہوئے تھے مردہ نے اسے بہت پیاری مہندی لگائی تھی۔

”ویسے بھابی! ماریہ یاسر کے افسانے شارٹ مگر سبق آموز ہوتے ہیں اور عائشہ ذوالفقار کا ناول ٹاپ جارہا ہے حلقہ کا حوصلہ اور ہمت واہ واہ۔“ صفا اپنی باری کے انتظار میں پرانا رسالہ پڑھ رہی تھی اچانک بولی۔

”ہونہہ.....“ دونوں نے ہنگارا بھرا۔

”ڈیئر حاضرین سامعین ناظرین اور اس گھر کی خواتین آج آپ لوگوں نے چاند رات پہ باہر جانے کی فرمائش نہیں کی۔“ عشاء کی نماز کے بعد شہر یار نے بھی ادھر انٹری ماری کہ نظریں فریضہ کو ڈھونڈ رہیں تھیں تو وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

”اصل میں چاند رات میں اتنا رش ہوتا ہے لوگ صرف انجوائے منٹ کے لئے آتے ہیں خریداری تو ویسے بھی سب کر چکے ہوتے ہیں۔ ہم پورا رمضان عبادت کریں اور پھر سے انعام سے پہلے ہی نامحرموں کو دیکھ کر یامستی میں شامل ہو کے پھر سے کیوں خود کو گناہوں سے آلودہ کریں تو پھر وقت اور پیسوں کا ضیاع بند کیوں نہ کر دیں۔“ فریضہ نے متانت سے جواب دیا تو شہر یار نے پیار سے اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھا اور پھر دو پیکٹ نکال کے بہنوں کو دیئے جنہوں نے بے صبری سے چاک کئے تو چوڑیوں کے دو دوسٹ اور ساتھ میں ”ردا“ کا عید نمبر دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑیں جلدی جلدی اپنے مطلوبہ صفحات چیک کئے اور پہلے خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر بے ساختہ تینوں کی چیخ نکلی ”صالہ آپ! اور نورین جی زندہ باؤ۔“ تینوں کی تحریریں چھپ چکی تھیں اور وہ ”ردا فیملی“ کا حصہ بن چکی تھیں۔

☆☆☆☆

کمرے میں شہر یار اس کا منتظر تھا شاور لینے کے بعد پنک ٹائی میں وہ بیڈ پر آئی تو بالوں سے پانی ٹپ ٹپ گر رہا تھا اس کا چہرہ اس کے باطن کی روشنی سے چمک رہا تھا اس کے چہرے پر نور اور الوہی چمک تھی شہر یار نے اسے اپنی طرف کھینچا۔

”میرا گفٹ۔“ فریضہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے شہر یار نے مسکراتے ہوئے جیب سے ٹکلی ڈبیہ نکالی اور پیارا سا گولڈ کاربیسلیٹ اسے پہنا دیا اور پھر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔

”اف شہر یار.....“ اس کی بے باک جساتوں سے وہ اس کے بازوؤں میں کسمپاسی۔

”یار حسن آفریدی جیسا رومانس کرنے دو ناں۔“ شہر یار نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ جھٹکے سے الگ ہوئی اور مشکوک نظروں سے شہر یار کو دیکھا جو ”ردا“ کو اپنا رقیب سمجھتا تھا آج اس کے مشہور ناول کے سپر ہیرو کا تذکرہ کر رہا تھا۔

”یار! جب تم بچن سے لیٹ آئی تھیں تو تنکیہ کے نیچے سے نکال کے میں ٹائم پاس کے لئے پڑھ لیتا تھا اور میں بھی متاثرین ردا میں شامل ہوں۔“ شہر یار نے کان کھجاتے ہوئے کہا۔

”بے ایمان۔“ اس نے اس کے سینے پر ایک مکارا۔ شہر یار نے پھر سے اسے خود میں سمولیا اور اس کی خدمات اور اچھائیوں کا اعتراف کرنے لگا اس کے پیار کی رم جھم میں بھیگی فریضہ نے زیر لب سرگوشی کی ”تھینکس ممما اور تھینکس ردا سدا سلامت رہو۔ آمین۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM



”اشنا! زندگی کی اس حسین شاہراہ پر اب ہم ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔“
”ایسی باتیں مت کرو حیدر! میرا نڈا سادل بچکولے کھانے لگا ہے میں کیسے جیوں گی تم بن تم مجھے چھوڑ کے

مت جاؤ حیدر! میں تمہاری سر میں درو کر دینے والی بہن اور جلا کی شکل سے ملتی تمہاری ماں کے ساتھ رہنے کو تیار ہوں تم تین وقت کھلانے کی بجائے اک وقت ریستورنٹ لے چلنا میں تین وقت کا کھٹھے کھالوں گی۔“
”اشنا! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں تمہیں اپنی نام نہاد محبت سے آزاد کر رہا ہوں تم کسی اور سے شادی کر لو میں تمہیں اپنے دوست سے ادھار مانگی بائیک میں کہیں گھمانے بھی نہیں لے جاسکتا، کیونکہ پچھلے ہی دنوں اس نے وہ کھٹا ریا نیچ دی ہے۔“ وہ دھکی تھا اشنا چھکوں بہکوں رونے لگی۔
”اشنا! میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ.....“ حیدر عالم بے چارگی سے ہتھیلیاں مسل رہا تھا۔
”تمہیں ایسا کرنا پڑے گا اشنا! کیونکہ مجھے بلڈ کیٹرس ہے اور میں چند دنوں کا مہمان ہوں۔“

”اشنا آپ ہیں؟“ خشک دوہنگ آواز میں دھاڑنے والے اشاکل سے استفسار کیا گیا، وہ جو ہاسپٹل کے نیم تارک گوشے میں چیئر پر دونوں پیرموڑے ناول پڑھنے میں بری طرح منہمک تھی اچانک افتاد پر دھل گئی ہلکی سی بیچ کے ساتھ ناول اس کی گود سے نیچے گر گیا، سینے پہ ہاتھ رکھ کر دھڑکن چیک کر رہی تھی دوسرا ہاتھ لبوں پر



WWW.PAKSOCIETY.COM



جاڑا تھا نظر اس اٹھا کر اس نے نازل ہونے والے شخص کو دیکھا تھا، بلیک جینز شرٹ اور ڈارک گرے کوٹ میں سینے پر دونوں بازو لپیٹے وہ جو کوئی بھی تھا مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا، اشنا کو بغور دیکھتے اس کے لب بھیجے ہوئے تھے۔
 ”آریو اشنا غیر؟“ درشت لہجے میں ایک بار پھر لبوں کو زحمت دی، اوپچی پیشانی کی چند لکیروں کو اپنی طرف گھورتے پا کر اس نے حلق تر کیا۔

”جی! اسے میرا نام کیسے معلوم ہوا۔“
 ”آپ روم نمبر فورون کی پیشدہت کے ساتھ ہیں؟“ انداز ہنوز تھا۔

”جی روم نمبر تو مجھے یاد نہیں۔“

”وہاٹ؟“ اس کی معصومیت اسے کھولا گئی۔

”فورٹون میں اسپینڈس کی مریضہ ہیں۔“ وہ ضبط کر کے گویا ہوا، وہ بدستور دونوں پیرموڈے بیچ پر بیٹھی تھی۔

”آپ یقیناً ان کی تیمارداری کرنے آئی ہیں۔“ وہ لفظ چبا کے بولا۔ اجنبی بندہ خالی پیلی میں اس پر ”تریاں“ لگا رہا تھا اشنا کی فطرت زیادہ دیر اس سے دور نہ رہ سکی۔

”نظارہ ہا سہل میں کوئی پکنک منانے کے خیال سے تو آنے سے رہا۔“ وہ اپنی پرانی جون میں لوٹ گئی تھی۔

”تو یہاں بیٹھی آپ تسبیح پڑھ رہی ہیں۔“ کسی نہ تو نظروں سے وہ ماربل پر پڑے ناول کو گھور رہا تھا۔
 ”اس مائے اون بزنس ڈرامہ نہیں ہے اتنی زور سے دھاڑے کہ جان نکال دی۔ اس نے جھک کے ناول اٹھایا اور انگلیوں سے گرد جھاڑنے لگی۔

”اچھی طرح جانتی ہوں آپ جیسے لڑکوں کو جینز جیکٹ پہن کے جہاں لڑکی دیکھی نہیں کہ ہیر و بننے لگتے ہیں“
 ”نجانے کیا ہو گیا ہے آج کل کے لڑکوں کو آج کے چھچھورے معمار آہ جناح انکل.....“
 ”ول پوپلز شٹ اپ فوٹس لیڈی..... ایڈیٹ ٹان سنس۔“ اس کے غصے کا پیمانہ چھلک کر اشنا پر گرنے لگا۔
 ”خبردار! جواب ایک لفظ بھی کہا تو ورنہ تھوڑی بہت انگریزی مجھے بھی آتی ہے۔“ خبردار ہوشیار کی تفسیر بنی جوش و جذبات میں وہ بیچ پر کھڑی ہو گئی وہ یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

”فیس ٹوفیس بات کریں اب بولنے کچھ غصہ خدا کا رات دھاڑے اک معصوم بھولی بھالی خوبصورت لڑکی کو نجانے کیا کیا بولے جارہے ہیں، لیکن میں آپ کو بتا دوں آج کی لڑکی کمزور نہیں ہے آپ کے پاس ہمت مرداں ہے تو میرے پاس ہمت عورتاں ہے (پتا نہیں عورتاں میں نے سچ کہا ہے یا غلط..... مرداں سے تو عورتاں ہی ہوگا) آپ کے پاس بازو ہے تو میرے پاس ٹوک والی سینڈل۔“ اس نے میرا اٹھا کر دکھایا ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا جب کسی کو نے سے زس پر آمد ہوئی، انتہائی حیرانی سے اس نے لال پیلا چہرہ لئے شخص کو دیکھا پھر بیچ پر کھڑی جاہ و جلال کا نمونہ پیش کرئی اشنا کو دیکھنے لگی۔

”اشنا! آپ کی والدہ آپ کو بلارہی ہیں۔“ سسٹر نے سیز فائر کیا، اسے گھورتے ہوئے وہ بیچ سے عین اس کے سامنے کود گئی وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر ناگواری سے اسے دیکھنے لگا، سسٹر نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔
 ”سسٹر ان محترمہ کا ڈی ٹوازن تو ٹھیک ہے نا؟“ وہ جاتی ہوئی اشنا کو دیکھتے ہوئے استفسار کر رہا تھا وہ کانوں کی بے حد تیز بھی فوراً بلیٹی۔
 ”مجھے تو پکا یقین ہے کہ آپ ”دکھ سکے“ ہوئے ہیں جاتے ہوئے ڈاکٹر سے ٹیسٹ کروا لیجئے گا اور مجھے رپورٹ

رداڈا بجسٹ 92 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرور دکھائیے گا۔“ اس کے لب بھیج گئے تھے سسٹر بے ساختہ ہنس پڑی۔

”یہ اشنا ہیں سرائی کی مد رائڈ مٹ ہیں مست ملنگ سی ہیں تمام سسٹرز سے دوستی کر چکی ہیں۔“ کسی طرف سے سسٹر کی پکار پڑی تو وہ آگے بڑھ گئی اس نے بھی قدم اٹھائے دو چار قدموں میں ہی اشنا غیر کو جالیا۔

”میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ اس کے سامنے تن کے کھڑی ہو گئی اک پل کو وہ بھونچکا رہ گیا۔

”محترمہ! برداشت کا مادہ مجھ میں بہت کم پایا جاتا ہے اس سے پہلے کہ میں آپ کو یہیں بیچ دوں راستہ چھوڑیں۔“

”نہ دوں تو.....؟“ وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گھور رہی تھی، چند ثانیے دونوں طرف سے یہی عمل ہوتا رہا نجانے بھوری آنکھوں کے کون سے زاویے تھے جنہوں نے اسے جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ میں اتنی بزدل تو کبھی نہیں تھی۔

”اگر آپ نے تیل کا کنواں دریافت کر لیا ہے تو جا کے شریف انکل کو خبر کر دیجئے، اس سے پہلے کہ او با ما انکل ادھر آنکلیں۔“ اس نے بھی ضد باندھ لی تھی کہ اسے سامنے سے ہٹا کر ہی جائے گا، جو دیوار بنی کھڑی تھی وہ خاموشی سے آگے چلنے لگی۔

”بولتی بند ہو گئی غالباً!“ وہ روم میں داخل ہو رہی تھی جب وہ بھی سامنے والے روم کے دروازے پر کھڑا بولنے سے باز نہ آیا۔

”آپ زیادہ لمبل ہونے کی کوشش نہ کریں ویسے مطلوبہ روم کا انتخاب کر کے آپ نے خود شناس ہونے کا ثبوت دیا ہے۔“ سسٹر انداز میں کہتی وہ چھپا ک سے اندر داخل ہو گئی، اس کی نظریں فوراً ڈور پر اٹھ گئیں۔
 ”چار سو بیس تان سنس!“ وہ منھیاں بیچ گیا۔

”کہاں رہ گئی ہیں تم؟“ اسے دیکھتے ہی ای نے پریشانی سے دریافت کیا۔

”باہر تھی سسٹر نے بتایا آپ بلارہی ہیں۔“ ناول سائیڈ پر رکھ کر وہ ای کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم کالی دیر سے باہر تھیں میں پریشان ہو گئی تھی پیاس محسوس ہوئی تو تمہیں آوازیں دیں تم شاید دور تھیں، آواز سن کر اک بچہ اندر آیا۔ پھر بچے نے مجھے پانی پلایا میں نے اسے تمہیں بلانے بھیجا تم سے ملا نہیں۔“ ای حیرانی سے پوچھ رہی تھیں۔

”سسٹر نے بتایا آپ بلارہی ہیں۔“ وہ اپنا اور اس کا مارکہ گول کر گئی جواب میں ای یقیناً اس کی قصیدہ گوئی کرتی کیونکہ ان کے لہجے میں بچے کے لئے پسندیدگی تھی۔

”سوری ای! میں ناول پڑھنے میں لگن تھی۔“ اسے اپنی فلفلی کا احساس ہوا۔ ڈاکٹر راؤ ٹڈ سے جا چکے تھے ای بھی آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھیں وہ سو گئیں تو وہ لائٹ بند کر کے کارڈور کے پرسکون گوشے میں ناول پڑھنے بیٹھ گئی اور پھر یہ بھی فراموش کر گئی کہ وہ گھر میں نہیں ہاسپٹل میں ہے۔

”اگر وہ ای کو پانی نہیں پلاتا تو جانے کب تک ای پیاسی راتیں ایسا بھی کیا ناول میں غم ہو جاتا۔“ وہ خود کو لعن طعن کر رہی تھی۔

☆☆☆☆

اشنا غیر چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی، ابو کی ڈانٹ ڈپٹ اور بھائیوں کی زبردستی اس نے رو دھوکے انٹر کیا تھا، ناول پڑھنا، دنگا فساد کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا گھر بھر کی آنکھ کا تارہ تھی اس لئے کسی حد تک منہ پھٹتی ڈرنا

رداڈا بجسٹ 93 اگست 2016ء



freedom to live happily!

freedom®

HP A-17/B, S.I.I.E Karachi-75700, Pakistan. Ph 2560911-13, Fax #-(92-21) 2562570-2560911, e-mail- freedomhlp@yahoo.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو اس کی سرشت میں نہیں تھا اسکول کالج کے زمانے تک تو لڑکے اس کے مردار انداز سے دور ہی رہے اور جنہوں نے خود کو بہادر جان کے پیش قدمی کی اشنا نے ان کی خوب عزت افزائی کی تھی۔ اگلے روز وہ گھر سے کھانا لے کر آئی تو روم میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سامنے اٹھی جیسے پر ارجان شخص نے بھی اسے دیکھا تھا وہ جتنی تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی دگنی تیزی سے باہر نکل گئی۔

”ہائیں یہ روم نمبر نوٹوون ہی ہے۔“ کل ہی تو اس نے یاد کیا تھا بستر پر دراز خاتون میری والدہ ماجدہ ہی ہیں پھر موصوف یہاں کیا کر رہے ہیں اوہ کہیں پانی پلانے کا معاوضہ مانگنے تو نہیں آگئے دیکھوں ذرا۔“

”اشنا ہر کیوں کھڑی ہوا اندر آؤنا۔“ امی نے اسے ٹکلتے دیکھ لیا تھا وہ بڑے اعتماد سے قدم اٹھائی اندر آئی ٹھن فلاسک اور دیگر چیزیں رکھتی وہ زردیدہ نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی گرے جینز گرے شرٹ میں وہ کل ہی کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔

”امی کے سامنے کیسے رکوع کی حالت میں بیٹھا ہے کل کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا تب ہی تو میرے سر میں درد ہوا تھا پانچ روپے کا سکہ اپنے سر سے وار کے فقیر کو دیا تب کہیں جا کے درد میں افاقہ ہوا اور پانچ روپے لینے یہ فقیر کی کتنی منت کرنا پڑی کم بخت آج کل کے فقروں کی بھی ڈیمانڈ کو دیکھنا پڑتا ہے کیسے منہ پھاڑ کے کہہ رہا تھا۔“

”باجی تم رکھ لو مجھ سے زیادہ ضرورت مند تو تم لگ رہی ہو۔“

”یہاں آؤنا وہاں کیا کر رہی ہو؟“ امی کی پکار پر اسے آگے بڑھنا پڑا۔

”میں نے تمہیں کل بتایا تھا جس بچے نے مجھے پانی پلایا یہ وہی ہے۔“ امی نے بہت خوش دلی سے بتایا۔

”اچھا یہ وہی بچہ ہے جس کی آپ کل بات کر رہی تھیں۔“ بچہ پر زور تھا امی تو خاک نہ سمجھیں اس نے اک کڑی نظر ڈالی تھی اس کے لبوں کی چڑائی مسکراہٹ نے اسے لب بچنے پر مجبور کر دیا۔

”آئیجان بیٹا یہ میری بیٹی ہے۔“ امی تعارف کر رہی تھیں۔

”السلام علیکم۔“ انداز جتانے والا تھا وہ کون سا کم تھی۔

”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ دو دوں نہائیں پوتوں پھلیں۔“ آخری جملہ اس نے آہستگی سے کہا تھا مگر وہ حسب عادت بھڑک گیا۔

”دی جان کہتی ہیں بڑوں کی دعائیں لینے سے زندگی بڑی اچھی گزرتی ہے بٹل آف ٹھینکس۔“ اب کڑھنے کی باری اس کی بھی ای ہنس پڑیں۔

”اوکے آئی! میں چلتا ہوں دی جان اکیلی ہیں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”چائے تو پیئے جاؤ!“ امی کو ہاسٹل میں بھی مہمان داری سوچ رہی تھی۔

”پھر کبھی سہی میں پھر آؤں گا۔“

”اللہ نہ کرے۔“ باہر نکلتے اس نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی وہ آرام سے کرسی پر جم گئی۔

”اشنا بہت بڑی بات ہے اک کپ چائے ہی نکال دیتیں۔“

”رہنے دیں امی! کونسا ہم نے اس سے رشتہ جوڑنا ہے۔“ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو بنا سوچے سمجھے بولنے کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں امی گھور رہی تھیں ناول نکال کر وہ لاپرواہی سے درق گردانی کرنے لگی۔

☆☆☆☆

رداؤ انجسٹ [94] اگست 2016ء

”دو دن سے کال کر رہی ہوں کہاں مرگئی تھیں تم“۔ وہ اپنی اکلوتی دوست سے مخاطب تھی۔

”پنجاب گئی ہوئی تھی روہیل آگئے ہیں“۔

”پھر تو تمہیں دیکھتے ہی اس نے اگلی فلائٹ پکڑی ہوگی اور کینیڈا پہنچ کر ہی دم لیا ہوگا“۔

”تمہارے منہ میں نسوارہ کراچی آئے ہوئے ہیں“۔ روہیل نادیدہ کا چچا زاد اور بگلیتر تھا، حصول روزگار کے لئے کینیڈا گیا ہوا تھا۔

”اکیلے آئے ہیں روہیل بھائی“۔

”میں نے بھی یہ سوال کیا تو کہنے لگے پہلی شادی تم سے کرلوں پھر دوسری تیسری کسی کوری سے کرلوں گا“۔ وہ مزے سے بتا رہی تھی۔

”تم سے شادی ہو تو جائے وہ اپنی آئندہ نسل تک کو شادی نہ کرنے کا مشورہ دیں گے دوسری تیسری کی تو نوبت خواب میں بھی نہیں آئے گی“۔ شرارت سے کہنے لگی۔

”دوسری فنی سنا آئی کیسی ہیں؟ میں آؤں گی عیادت کرنے“۔

”شوگر کے باعث تھوڑی پریشانی ہے ورنہ اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں“۔

”گڈ اب جلدی سے وہ بات بتا جس کے لئے بار بار کال کر رہی تھی“۔ وہ تھی تو آخر اس کی دوست اس نے سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔

”نام کیا ہے؟“ نادیدہ کو دلچسپی ہوئی۔

”آئیجان عیص!“۔

”فٹناسنگ..... دیکھنے میں کیسا ہے؟“ بس رال ٹپکنے کی در تھی۔

”بالکل ناؤز کے ہیرو کی طرح ہائٹ رنگت اونچی ناک، لیکن اس کی آنکھیں سب سے کمال کی ہیں میں لڑتے لڑتے اک دم ٹھنک گئی تھی اس کی آنکھیں دیکھ کے مجھے اک شعر فوراً یاد آ گیا کہ۔

”میری آنکھوں کے جادو سے شاید تم ناواقف ہو

جس سے مجھ کو پیار آ جائے اس کو پاگل کر دیتا ہوں

چھوڑ کے مجھ کو جانے والا لوٹ کے واپس آئے گا۔

داہیں بائیں آگ لگا کر سامنے جنگل کر دیتا ہوں“

”واقعی وہ اتنا ڈسنگ ہے؟“ حیرت تھی لہجہ میں۔

”تو میں جھوٹ بول رہی ہوں۔

”پھر لڑی کیوں اس سے“۔ جرح کیا۔

”پہل اس کی سائیڈ سے ہوئی تھی دشمنی کا آغاز ای نے کیا تھا“۔ شان بے نیازی تھی۔

”بہت تعریف ہو رہی ہے خیریت ہے نا“۔ وہ پھیٹنے لگی۔

”میں جو ناؤل پڑھ رہی تھی نا اس کا ہیرو بالکل ای جیسا تھا، میں وہ کول ماسٹڈ تھا یہ نیور ماسٹڈ ہے جب حیدر آٹو کے نیچے آ کر دارفانی سے کوچ کر گیا تو میں نہیں روئی حالانکہ تجھے خبر ہے میں ناؤز کے ہیرو کے مرنے پر کتنا روتی ہوں مزے کی بات بتاؤں اس ناؤل میں ہیروئن کا نام بھی اشنا تھا، ایسی ہیروئن کو اللہ غارت کر دے مٹی پلید کر دی اس نے میرے نام کی پہلے اس نے خوب عشق جھاڑے لیکن جیسے سنا حیدر کو بلڈ کینسر ہے اس نے

رداؤ انجسٹ 96 اگست 2016ء

اس کے مرنے کا بھی انتظار نہیں کیا شادی رچائی وہ تو بعد میں خبر ہوئی کہ حیدر مرنے والا نہیں ہے بلکہ حیدر کی رپورٹس چیلنج ہوئی تھیں بلڈ کینسر کسی اور کو تھا پھر حیدر کی شادی اس کی پڑوس سے ہو جاتی ہے جو اسے بچپن سے جانتی تھی“۔

”ایکسیکو زنی! مجھے اک ارجنٹ کال کرتا ہے“۔ کافی دیر سے آس پاس ٹھہلتا آئیجان عیص نزدیک آ کر ترش لہجہ میں بولا، فون سے چپکی کب سے جانے وہ کیا بکواس کر رہی تھی، ریپسشنٹ بھی اشنا کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

”تو کریں میں نے آپ کو اپنے آپچل سے باندھ رکھا ہے“۔ دخل دینے پہ وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

”i am not talking with you“۔ وہ سرد لہجہ میں گویا۔

”مس پلیز!“ اب کے ریپسشنٹ نے اس کی طرف رجوع کیا انداز سے صاف ظاہر تھا تمہیں منہ لگانا مجھے پسند نہیں۔

”پلیز مس آپ بعد میں بات کر لیجئے گا، ویسے بھی ہم ہاسپٹل فون اتنی دیر بڑی نہیں رکھ سکتے“۔ ریپسشنٹ کا انداز اسے ذرا نہ بھایا، وہ تو ہینڈ سم بندہ دیکھ کے کچھی جا رہی ہے جیسے یہ لگتا سکتا ہو اس کا۔

”ارجنٹ کال کرنے والوں کو موبائل فون رکھنا چاہئے آخر سوٹ کی بھی لاج رکھ لیں“۔ اس نے اس کے سر اٹھے، گہری نظر ڈال کر چوٹ کی بلیک سوٹ میں ملبوس جیکٹ بازو پر ڈالے اس کی شخصیت سحر انگیز لگ رہی تھی۔

”ان کا موبائل فون ہاسپٹل میں کہیں کھو گیا ہے“۔ ریپسشنٹ نے جواب دیا۔

”آپ ان کی وائف ہیں؟“ معصومیت کی انتہا تھی، ریسیور ہوز ہاتھ میں تھا، نادیدہ کا ہنستہ ہنستہ برا حال تھا، ریپسشنٹ شرمانے لجانے کی سر توڑ کوشش کرنے میں مصروف تھی، آئیجان عیص نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”میں عورتوں سے بدتمیزی کرنا پسند نہیں کرتا“۔ اس نے کہا۔

”اور میں نے مردوں سے بدتمیزی کرنے میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے“۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی، ریسیور دوبارہ کان سے لگا لیا۔

”او کے ناؤ میں فون بند کرتی ہوں یہاں ایپورٹنٹ صاحب کھڑے ہیں ارجنٹ کال کرنے کے لئے“۔ وہ بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا کہ اور کچھ کرنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

”سن کیا یہی آئیجان عیص ہے؟“ آواز سختی نادیدہ نے جلدی سے استفسار کیا۔

”حالانکہ شیطان نام ہونا چاہئے تھا او کے میں گھر سے تجھے کال کروں گی“۔ اس نے ریسیور تین فٹ کی باندی سے کریڈل پردے مارا، ریپسشنٹ نے سریلی چیخ ماری۔

”کر لیجئے ارجنٹ کال“۔ اسے چڑاتی وہ زینے کی طرف مڑ گئی، کوفت بھرے انداز میں اس نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

”سنو! ہاسپٹل میں بڑی ہلچل ہو رہی ہے، کیا بلاؤل بھائی آرہے ہیں“۔ سیڑھیوں پہ ہی اسے وارڈ بوائے مل گیا اس سے دریافت کرنے لگی۔

”کون بلاؤل بھائی!“ وہ ہونق ہو گیا، (گدھا پاچی) ایڈیٹ ناں سینس اس نے اک اور القاب دیا تھا ہاں

رداؤ انجسٹ 97 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

فولش مین۔“

”پاکستان میں رہ کر بلاول بھائی کو نہیں جانتے؟“ وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

”آپ نے بھائی کہا تو مجھے لگا کسی عزیز کی بات کر رہی ہیں۔“ وارڈ بوائے نے الجھن بتائی اس نے جیسے ناک سے ہنسی اڑائی۔

”یہ بتاؤ ہاسپٹل میں غیر معمولی پن کیوں ہے؟“ اک ایمر جنسی کیس آیا تھا، اک لڑکے کو ٹرک چیل کر گزر گیا، لڑکے کی ایک ٹانگ کی ہڈی کا چورہ ہو گیا۔

”آئے دن کوئی نہ کوئی گاڑی کے نیچے آ جاتا ہے گورنمنٹ کو ایمکشن لینا چاہیے اور مجرم کو بھی اسی طرح پکچل کے ہلاک کیا جائے تاکہ انہیں احساس ہو کہ ان کی غیر ذمہ داری نے کسی کو کتنی اذیت دی۔“ اس نے فتویٰ جاری کیا۔

”سچ کہا آپ نے لوگوں میں احساس ذمہ داری ناپید ہوتی جا رہی ہے جو لڑکا متاثر ہوا ہے وہ غریب ماں باپ کا واحد سہارا ہے، میں اسی ہاسپٹل میں کام کرتا ہوں مگر ڈاکٹروں کی بے حسی مجھے ذرا نہیں بھائی، پولیس کیس کہہ کر لڑکے کو ایک طرف ڈال دیا جس کی وجہ سے کافی خون ضائع ہو گیا بے چارے کے ماں باپ آپریشن کا خرچہ بھی نہیں اٹھا سکتے ہیں جس پر ڈاکٹروں نے انہیں چلے جانے کو کہا۔

”پھر.....“ اس کا نرم دل زمانے کی بے حسی پر تڑپ اٹھا۔

”اس دنیا میں اچھے لوگ ابھی موجود ہیں یہ سامنے والے صاحب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ڈاکٹر کو خوب برا بھلا کہا، اسی وقت آپریشن کے پیسے ڈاکٹر کے منہ پر مارے پولیس کو بھی کال کر لیا، اس سب چکر میں خون کافی ضائع ہو چکا تھا، اتفاق سے سر کا بلڈ گروپ میچ کر گیا، انہوں نے دوبارہ خون دیا، وہ مزید دینا چاہ رہے تھے مگر ڈاکٹر نے منع کر دیا اس لئے ابھی مزید بلڈ آرینج کر رہے ہیں، اسی سلسلے میں ان کا موبائل فون کہیں گم ہو گیا۔“ وارڈ بوائے کے اشارے پر وہ صاحب کو دیکھنے لگی، اک پل کو اس کی نظر فون پر بات کرتے آئیچان عیص پر ٹھٹھک گئیں، اٹھ ہاتھ کی ہتھیلی کو وہ بار بار اپنے چہرے کے اوپر نیچے کر رہا تھا تاثرات نہایت سنجیدہ تھے۔

”اب کیسا ہے وہ پیٹنٹ؟“

”اس کی اک ٹانگ کٹ گئی ہے۔“

”اوہ نو.....“ اسے بے حد افسوس ہوا۔

”ویری سیڈ۔“

”محترمہ! یہ آپ کا ڈرائنگ روم نہیں ہے جہاں آپ راستہ روکے گفت و شنید میں مصروف ہیں۔“ جیکٹ بازو سے اٹھا کر اس نے دائیں کندھے پر رکھا تھا وہ نیچے کے اسٹیپ پر کھڑا تھا اسے یقیناً اوپر جانا تھا اور وہ راستہ ہلاک کے کھڑی تھی کچھ دیر پہلے جو اس کے لئے دل میں اچھا خیال آیا تھا بھاپ بن کر اڑ گیا۔

”اور یہ آپ کا پارک بھی نہیں ہے جو آپ ہل رہے ہیں۔“ وہ دوبارہ بولی وارڈ بوائے نے اسے جانے کا راستہ دیا اور سیڑھیاں بڑھ گیا۔

”اتنے بڑے انسان سے آپ کیسے بات کر رہی ہیں۔“ وارڈ بوائے حیران تھا۔

”تم سے مطلب.....؟ اچھا انسان ہے تو ڈسکو کرے میری بلا سے۔“ وارڈ بوائے پہ چڑھ دوڑی اور زینہ طے کر گئی وہ بیچارہ ہکا بکا رہ گیا۔

رواؤ انجسٹ 98 اگست 2016ء

☆☆☆☆

ای سو رہی تھیں ساتھ لایا ناول وہ پورا پڑھ چکی تھی اینڈ بہت بورنگ ہوا تھا اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔

”انسان کی زندگی میں کم پریشانیاں ہیں جو ناولز میں بھی انہی کا تذکرہ ملتا ہے بندہ ریفریش ہونے کے لئے ناول پڑھتا ہے نہ کہ ڈپریشن ہونے کو راسٹر کو ہلکی پھلکی لٹا سٹوری بھنی چاہئے ہاں سچ میں مسائل بھی ڈال دیں مگر اینڈ تو پتہ ہونا چاہئے یہ کیا کہ ہیرو کو مراد دیا اللہ کرے اس راسٹر کا دوسرا ناول بھی شائع نہ ہو جب شائع کرنے نیچے مشین خراب ہو جائے۔“ بڑبڑاتے ہوئے وہ کوریڈور کی طرف دیکھنے لگی زیادہ تر پیٹنٹ کے ساتھ میل اینڈنٹ ہوتے تھے اس لئے اس کی آس پاس کے روم میں کسی سے دوستی نہیں تھی، نظر سامنے روم کے بند دروازے پر جم گئی تھی، جی رو بھٹک گئی۔

”پتا نہیں اس کی کون عزیمت اینڈ مٹ ہے ناول کو اس کا کارنامہ سنایا تو فٹ سے کہنے لگی واقعی ریکل ہیرو ہے ہاں ہیرو تو وہ واقعی ہے صبح سے ہر سٹر اس کے نام کی سٹیج پڑھ رہی ہے، منٹوس کی پر سنائی بھی تو غضب کی ہے بس ذرا کھنور ہے شاید ہری مرچ کثرت سے چباتا ہے، پیچھے بلیوں کے ساتھ اچھا لگتا ہے جانے مسکراتے ہوئے کیسا لگتا ہے سب میں حسین اس کی آنکھیں ہیں جن میں غصہ ہی رہتا ہے کم بخت چلتا کیسے ہے جیسے اس سال ٹاپ ماڈل کا ٹائٹل اسی نے جیتا ہو لا حول ولاقوہ یہ میں کس بد نیز کے بارے میں سوچے جا رہی ہوں بدکتا کیسے ہے مجھ پر۔“ اس کی نظر سامنے کوریڈور کی طرف اٹھی تھیں جہاں سے مین نیچے چلے آ رہے تھے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، بچوں میں تو اس کی جان اٹھی رہتی تھی اور وہ تھے بھی تو کتنے کیوٹ سے ان کے کپڑے ان کی امارات کا اظہار کر رہے تھے بوریٹ دور کرنے کو اسے اچھا سامان مل گیا تھا۔

”ہیلو آئی ایم اشنا عجیر!“ آگے بڑھ کر اس نے تعارف کرایا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، تینوں نے اک دوسرے کو ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اس کے مسکراتے چہرے کو۔

”آئی ایم اسجد۔“ ان سب میں بڑے تقریباً بارہ سالہ بچے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”آئی ایم نشاء۔“ اب کے دس سالہ لڑکی نے تعارف کرایا۔

”آئی ایم احد۔“ سات سالہ بچے نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیوٹ۔“ اس نے بے ساختہ اسے پار کیا۔

”مجھ سے دوستی کرو گے؟“ اس کے پھیلے ہاتھ پہ تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اس کے پھیلے ہاتھ پہ

باری باری ہاتھ رکھ کر تجدید دوستی کر لیا، تینوں بچے کا فیڈنٹ تھے اشنا کو بے حد بھائے، سب فوراً ہی کھل مل گئے

بوریٹ سے بچنے کے لئے وہ لوگ آنکھ کھلی کھیل رہے تھے سب سے پہلے اسجد چور بنا تھا اور اب اپنا ہی دوپٹہ

آنکھوں پہ باندھے اشنا انہیں پکڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی اچھا خاصا شور مچ گیا تھا۔

”وہاٹ ہینڈ!“ اسے قریب ہی جانی پہچانی آواز سنائی دی، سرعت سے دوپٹا آنکھوں سے ہٹا کر اس

نے سامنے دیکھا، دونوں انگوٹھے جینز کی جیبوں میں ڈالے وہ شرر بار نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا، تینوں

بچے دبک گئے، اسے دھیان آیا کہ اس کا دوپٹا تک ہاتھ میں ہے، خفت پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے دوپٹا

شانوں پر ڈالا۔

”شاید آپ لوگ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ ہاسپٹل ہے یہاں مریض اینڈ مٹ ہیں جنہیں سکون کی اشد ضرورت

ہے یہ تو بچے ہیں آپ کو بھی سینس نہیں ہے کہ آپ کا ایٹمی ٹیوڈ قابل گرفت ہے، شرم آئی چاہئے آپ کو ایسی حرکت

رواؤ انجسٹ 99 اگست 2016ء

کرتے ہوئے۔

”آپ آنی کو مت ڈانٹیں غلطی ہماری ہے سوری ہوں۔“ احد نے آگے بڑھ کر آئیجان عیص کی انگلی تھام لی۔
”پاپا۔“ وہ جوابی میدان میں اترنے کو کمر کس رہی تھی اچانک پڑنے والے میزائل پر ڈھکے گئی پھٹی
پھٹی آنکھوں سے وہ بھی آئیجان عیص اور بھی تینوں بچوں کو دیکھ رہی تھی۔
”آپ تینوں گاڑی میں جا کے بیٹھیں میں آ رہا ہوں۔“ خشک لہجے میں کہتا وہ روم کے اندر چلا گیا۔
”بچے پھر آئیں گے۔“ کہتے ہوئے بنا چوں چرا کے آگے بڑھ گئے گھینٹے قدموں سے وہ بھی چپڑ پر
آ کے ڈھکے گئی۔

”پاپا پاپا۔“ سارے لگا ہر طرف سے اس کی بازگشت ہو رہی ہو۔
”کتنا جلاد ہے معصوم بچوں سے بات کیسے کر رہا تھا۔“ وہ مسلسل سوچ رہی تھی اور نجانے کس جذبے کے
تحت اس کے رخسار بھیگتے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆

اگلے روز بھی اس کی طبیعت مکرر تھی، کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بے دلی سے ناول کے صفحے پلٹ رہی تھی
ایک لفظ پڑھا نہیں جا رہا تھا۔
”السلام علیکم!“ آواز پاپا اس نے سراٹھا کر دیکھا تھا دروازے پر وہ کسی ادھیڑ عمر کی عورت کو تھامے کھڑا تھا
سرعت سے اس نے ناول چھپایا اس کی بے ساختہ حرکت پر پہلے تو وہ حیران ہوا پھر اک چور تبسم اس کے لبوں پر
جھلک دکھا کے معدوم ہو گئی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ یقیناً مرثیٰ اس مسکراہٹ پر۔
”آؤ بیٹا!“ امی تکیہ کے سہارے دراز تھیں اس نے ادھیڑ عمر خاتون کو کرسی پر بٹھایا۔
”یہ دی جان ہیں آج ڈسچارج ہو رہی ہیں آپ نے ملنے کی فرمائش کی تھی۔“ وہ گویا تھا۔
”لہنا تو میں بھی آپ سے چاہ رہی تھی آئیجان نے آپ کی تعریفیں بہت کی تھیں۔“ دی جان نے
لب کشائی کی۔

”بہت شکریہ یہ میری بیٹی اشنا ہے۔“ امی نے تعارف کرایا۔
”السلام علیکم!“ لبوں پر مسکراہٹ سجائے ہوئے وہ تھرماس سے چائے نکال رہی تھی امی دی جان اور
آئیجان کے آگے خاموشی سے چائے رکھ دی تینوں بچے بڑی شرافت سے پیٹھے تھے کوار سے جوس کے پیکٹ
نکال کر تینوں کو تھمائے۔
”یہ بچے.....؟“ امی استفسار کر رہی تھیں۔

”یہ احمد نشاء اور احد ہیں آئیجان کے۔“ اس سے آگے سننے کی اس میں ہمت نہیں تھی اپنا کپ اٹھا کر وہ
سرعت سے کمرے سے باہر نکل گئی پلکوں میں نمی محسوس ہو رہی تھی سائیڈ پر کپ رکھ کر وہ بیٹھ گئی تینوں بچے
بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔

”آپ باہر کیوں چلی آئیں.....؟“ احمد کے سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا وہ مسکرا دی۔
”اچھا یہ بتاؤ کون سی کلاس میں پڑھتے ہو تم لوگ.....؟“ آج اسے یہ بچے مزید اچھے لگ رہے تھے شاید
این کا تعلق آئیجان سے جو تھا اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ پوچھے کہ آپ کی ماما کہاں ہیں کل تو وہ یہ ہی سمجھتی رہی
تھی کہ اس کی وائف ایڈمٹ ہے۔

رداؤ انجسٹ 100 اگست 2016ء

”میں سکس نشاء فاسیو اور احد ٹو میں پڑھتا ہے۔“ احمد نے جواب دیا۔

”آئیجان آپ ہمارے گھر آئیے گا نا آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔“
”تم لوگ بھی بہت اچھے ہو بیٹا۔“ وہ تینوں کو اک ساتھ پیچھے گئی روم سے نکلتے آئیجان عیص نے بڑی حیرانی
سے اس منظر کو دیکھا تھا اس کے لب مسکرا رہے تھے مگر پلکیں کسی قدر نم تھیں جانے کیوں..... وہ شانے اچکا کے
آگے بڑھنے لگا۔

”پاپا کہاں جا رہے ہیں.....؟“ احد نے صدا لگائی وہ مڑا مگر وہیں کھڑا رہا۔
”ہاسٹل کے ڈیوڑھے کر کے آ رہا ہوں۔“ وہ پھر مڑ گیا اشنا نے دھندلائی آنکھوں سے اس کی پشت کو
دیکھا خود سے اقرار کرتے ہی بنی کہ وہ اس کے دل کے کونے کو چھو گیا ہے سامنے سے نادیدہ چلی آ رہی تھی
اس نے تیزی سے خود کو کپڑوں کیاد وہ بھی اتنے بڑے بڑے بچوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی اور چپ آئیجان عیص کو
دیکھا تو مسرانا ہو گئی۔

”اشنا! تو نے بہت ڈنڈی ماری تھی اس کی پر سنائی بتاتے ہوئے کتنا ڈشنگ ہے لیکن عمر چور بھی کہیں سے
لگ رہا ہے کہ تین بچوں کا ابا ہے مائی گاؤ۔“

☆☆☆☆

”آپ نے بلایا دی جان.....؟“ وہ دی جان کے کمرے میں داخل ہوا۔
”آؤ بیٹھو!“

”بیٹھ گیا حکم.....؟“ نیم دراز دی جان کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔
”کتنے تھکے ہوئے لگ رہے ہو کیوں کرتے ہو اتنی محنت۔“ دی جان کے لہجے میں اک ماں کی طرح
شفقت تھی۔

”محنت کرنا پڑتی ہے دی جان! اور نہ مارکیٹ میں شیراز تاش کے پتے کی طرح گرتے ہیں اور مجھے تو پاپا اور
بھیا کے خوابوں کی تعبیر بننا ہے وہ مجھے بزنس ٹانگیوں کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے اور جب میں بن گیا ہوں تو
دیکھنے والی آنکھیں ہی نہیں رہیں۔“ دی جان کو افسوس ہوا کہ ناحق اسے دھکی گیا۔
”جو لوگ دل میں بستے ہیں وہ ہمارے آس پاس ہوتے ہیں ہم انہیں دل کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں آج
میں تم سے اک درخواست کرنے جا رہی ہوں۔“ وہ اصل موضوع کی طرف آئیں۔
”آپ مجھے میری ہی نظروں میں گرا رہی ہیں دی جان! میں نے آپ کو ماس کم بھی نہیں سمجھا حکم کیجئے۔“
”آئیجان میں چاہتی ہوں تم شادی کر لو بیٹا اس سال ستائیس کے ہو جاؤ گے۔“
”اگلی بار اٹھائیس کا بھی ہو جاؤں گا۔“ بات اڑائی۔

”مجھے خبر تھی ہمیشہ کی طرح یونہی مجھے جل دو گے اس لئے میں نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔“ دی جان نے
دھماکہ کروایا۔

”کیا کہہ رہی ہیں دی جان.....؟“
”جو تم نے سنا۔“ لا پرواہی سے بولیں یہ آئیجان عیص کا مان ہی تھا جو دی جان استحقاق سے گفتگو کر رہی تھیں۔
”مجھے نہیں کرنی شادی وادی میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت خوش ہوں آپ کو کچھ بھی طے کرنے سے پہلے
مجھ سے ذکر تو کرنا چاہئے تھا۔“ اس کا موڈ آف ہونے لگا۔

رداؤ انجسٹ 101 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM



”آج تمہاری ماں تمہارا رشتہ طے کر دیتی تو تم یونہی چراغ پا ہوتے.....؟ لعنت ہے مجھ پہ کہتے ماں سے میں نے رشتہ طے کر دیا، اب جا کے کہہ آؤں گی دو جوتے مار لیں۔“ دی جان ایوٹنٹل بلیک میلنگ کر کے دزیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”اب آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے ساتھ جانتی بھی ہیں میں خود سے پہلے اپنے تین بچوں کا سوچتا ہوں اور میرا خیال ہے ابھی کہہ ارض یہ ایسی لڑکی نہیں اتری جو میرے بچوں کو اک ماں کا پیار دے سکے، ان ننھے فرشتوں کو میں کسی اجنبی عورت کے ظلم و ستم کا شکار ہوتے نہیں دیکھ سکتا، میرے تین بچے ہیں آپ ہیں بس ہمارا مکمل ہے۔“ انداز حتمی تھا۔

”مجھے گھر میں ایک عورت کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔“

”آپ ہیں تو سچ۔“ انداز ہنوز تھا۔

”اس گھر کو تمہاری بیوی کی ضرورت ہے۔“ دی جان اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹیں۔

”یہ بچے صرف تمہارے ہیں میرے تو کچھ نہیں لگتے نا اور کوئی لڑکی کیسے ان معصوموں پر ظلم کرے گی کیا میں اور تم آنکھیں بند کر لیں گے۔“

”دی جان.....!“

”اب تم نے مزید انکار کر کے میرے ماں کو توڑا تو میں ہمیشہ کے لئے اس گھر کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی، تم جانتے ہو میں ضد بہت کم کرتی ہوں اور ضد میں کیا ہوا فیصلہ بہت اٹل ہوتا ہے۔“ وہ روٹھ گئیں۔

”تو اب آپ بلیک میل کریں گی مجھے.....؟“

”ہاں۔“ ان کا انداز بدستور اٹل تھا۔

”آپریشن کے باعث تو آپ گھر پہ ہیں کیا لڑکی خواہوں میں نظر آگئی آپ کو۔“ کافی سوچ بچار کے بعد بولا

انداز بارماننے والا تھا دی جان کھل اٹھیں۔

”خواہوں میں نہیں ہاسپٹل میں دیکھی ہے لڑکی۔“

”کون.....؟“ اس کی نظروں میں یاد کرنے پہ بھی کوئی نہ آیا۔

”اشنا اور کون.....؟“ دی جان نے اک بار پھر دھا کہ کیا وہ لرز گیا۔

”وہاٹ.....؟“ وہ جو سر بیڈر کے موڈ میں تھا بدک گیا۔

”وہ غیر ذمہ دار غیر شائستہ گفتگو کرنے والی فتنہ فساد پھیلانے والی لڑکی دی جان! مجھے احساس ہو رہا ہے آپ میرے سر کے بالوں کی دشمن ہو رہی ہیں وہ شیرنی ہی نظر آئی آپ کو میرے لئے وہ تو مجھے اور میرے بچوں کو چیر پھاڑ کھائے گی۔“ اس نے پر زور مخالفت کر کے دہائی دی۔

”آئے ہائے کیا وہ ایسا ہی بک رہے ہو، کتنی اچھی سلجھی ہوئی بچی ہے۔“

”اگر وہ سلجھی ہوئی ہے تو ابھی کیسی ہوئی ہیں آہ رہا مجھے بچا لے۔“

”صرف بچے دوبار ملے ہیں اس سے جب سے اشنا کے نام کی مالا جھپ رہے ہیں اور وہ بھی تو کیسے نہیں ساتھ لگائے کھڑی تھی وقت رخصت کتنی آبدیدہ تھی۔“ اس کی نظروں میں بھی وہ منظر گھوم گیا۔

”لیکن دی جان! وہ بہت ان میچور ہے بچوں کو سنبھالنے کے لئے کسی میچور لڑکی کی ضرورت ہے اس نے تو اپنے بچپن کو خود خدا حافظ نہیں کہا۔“ چھان پھٹک کے بھرا اختلاف کا پہلو لگا لگا۔

رواڈ انجسٹ [102] اگست 2016ء

”تم لائے تو تھے اک میچور لڑکی..... کیسے اس نے منہ پر کہہ دیا تھا اس کا بچوں سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا، بچے نوکر پالیں گے۔“ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی سر جھکا گیا۔

”میں نے ڈھوپ میں کھڑے ہو کر بال سفید نہیں کئے جیسا اشنا کا مزاج ہے وہ بچوں کو اور بچے اسے آسانی سے سمجھ جائیں گے ایک بار مجھ بوڑھی پر بھروسہ کر کے تو دیکھو جتنی تمہاری عمر ہے اس سے تین گنا مجھے تجربہ ہے۔“

دی جان نے منانا چاہا۔

”اشنا کی امی نے نیم رضامندی ظاہر کی ہے بس تمہیں بردکھوے کے لئے جانا ہوگا تا کہ اس کے بھائی اور ابو تم سے مل لیں۔“ دی جان حلاوت سے سمجھا رہی تھیں وہ کشمکش میں تھا۔

”تم سمجھ کیوں نہیں رہے بیٹا! کہ میں اور تم بھلے لاکھ ہوں مگر بچے زیادہ تر ماں کے قریب ہوتے ہیں، میں اور تم ان کی ماں کی جگہ نہیں لے سکتے اور مجھے یقین ہے اشنا میری توقعات پر پوری اترے گی۔“

”آپ کے دل میں جو آئے کریں میں بار بار اتار دے دوں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اشنا گورخصت کرا کے لے آنا پھر بے شک بھاگ جانا۔“ دھمکی کو دی جان نے چنداں اہمیت نہ دی۔

☆☆☆☆

امی کو ڈسچارج ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا اب وہ بالکل تندرست تھیں ہاسپٹل سے واپسی پر سب نے اشنا عجیر میں واضح تبدیلی محسوس کی تھی لڑائی مار کٹائی زبان سے گولے داغنا بہت کم ہو گیا تھا سب نے بار بار اس تبدیلی کی وجہ پوچھی گھر میں کچھ دنوں سے کچھڑی پک رہی تھی مگر وہ اپنے حواسوں میں ہوتی تب اسے احساس ہوتا۔

”اشنا! دھراؤ۔“ گھر میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا، بچا کر فارغ ہوئی تو امی نے صدا لگائی۔

”جی امی۔“ وہ ان کے قریب بیٹھ گئی۔

”اشنا! تمہیں کیا ہو گیا ہے بیٹا اتنی چپ کیوں رہنے لگی ہو.....؟“ وہ متفکر تھیں۔

”آپ لا جواب ہیں جب بولتی تھی تب آپ ہی سرزنش کرتی تھیں اب بھی آپ ٹوک رہی ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے ان کا نظردور کرنے کی کوشش کی۔

”تم بولتی ہی اچھی لگتی ہو۔“ امی نے اسے ساتھ لگایا، آنکھیں جانے کیوں بھیگ گئی تھیں۔

”اشنا! ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔“

”جی.....“ وہ سن کر رہ گئی۔

”لڑکا آج بردکھوے کے لئے آ رہا ہے تم بھی دیکھ لینا ویسے تو تم نے دیکھ رکھا ہے۔“ امی مسکرائیں۔

”کیسے.....؟“ اس کی آواز گہرے کنوٹ میں سے نکلی۔

”ہاسپٹل میں ملی تھیں نا آئیچان سے وہی آ رہا ہے۔“ امی کہہ رہی تھیں اور اس کا دماغ گھومنے لگا دوسری شادی کرنے والوں سے اسے سخت نفرت تھی۔

”آپ منع کر دیں اسے آنے سے۔“

”ہائے کیوں.....؟“ امی اس کے انداز پہ حیران ہوئیں۔

”میرے لئے آپ کو تین بچوں کا امی ملا امی میں آپ کی سگی بیٹی ہوں یا آپ نے مجھے بکھرے سے اٹھایا ہے۔“

”کیا بکے جارہی ہو۔“ امی دنگ رہ گئیں۔

”صحیح بول رہی ہوں آئے ذرا وہ چھٹی کا دودھ نہ یاد کروادیا تو میرا نام بھی اشنا عجیر نہیں، تین بچوں کے ہوتے

رواڈ انجسٹ [103] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے شادی کی سوجھ رہی ہے، پتا نہیں بیوی زندہ بھی ہے یا کبھت نے بھلا کے مار دیا۔“ وہ تنہا کرنے لگی۔
 ”آئے ہائے کیا بکے جا رہی ہو کس کی بیوی.....؟ کس کے بچے؟“ ای کا تو خون خشک ہو گیا۔
 ”یہی آپ کے آنجان عیص کے تین بچوں سے آپ ہاسپٹل میں ملی تھیں نا وہ اس کے ہیں۔“ دانت پیسنے کی کوشش میں جڑے ہل گئے۔

”تم سے کس نے کہا.....؟“ امی حیران تھیں۔

”مجھ سے کون کہے گا؟“ آنکھیں اور کان۔“

”سلامت نہیں ہیں تمہارے۔“ امی نے نکلنا لگایا۔

”ادھر آؤ میری عقل مند بیٹی۔“ امی نے اسے قریب کر لیا۔

”نیم حکیم خطرہ جان ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“ امی بالآخر مسکرا دیں۔

”جس خاتون سے تم ہاسپٹل میں ملی تھیں وہ دی جان ہیں آنجان عیص کی ماں کے ساتھ جینز میں آئی تھیں، آنجان عیص سے دس سال بڑا بھائی تھا، مجموعی لحاظ سے ان کے گھر میں خوشیوں نے دھاوا بول رکھا تھا، بڑے بھائی کی شادی ہوئی تو آنے والی بہو نے محنت دیگا نگت کو فروغ دیا، مگر غم ان کے گھر کے آس پاس کھڑا منہ چرا رہا تھا، شہر سے باہر کسی عزیز کی شادی تھی، آنجان کے ایگزام ہو رہے تھے اس کے باعث دی جان بھی رک گئی تھیں اور بچے تو آنجان پہ جان دیتے تھے، آنجان کے ماما پاپا بھیا اور بھائی خوشیوں بھرے سفر کو روانہ ہوئے تھے مگر لقمہ اجل بن گئے، گرچہ غم بہت گہرا تھا مگر آنجان جو میچور ڈھٹا اس نے خود کو سنبھالا، اسے جینا تھا، بیٹے بھی کو اپنے بچے سمجھ لئے، بڑے دونوں تو سمجھدار تھے مگر احد آجی کو پاپا کہنے لگا۔“ اس کی نظریں جھٹک گئیں، اندر کہیں سکون پھیل گیا۔

”آپ کو یہ سب کس نے بتایا.....؟“

”دی جان نے جب رشتہ یا نگا تو ساری تفصیل بتائی، ہمیں تم پر فخر ہے بیٹا تم ہمیں شرمندہ مت کرنا، ان بچوں کو سمیٹ لیتا۔“ امی کہہ رہی تھیں وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو گئی جو کشمکش جاری تھی اس سے نجات مل گئی تھی۔

☆☆☆☆

وہ اپنی زندگی کے نئے سفر پر سوچ بچار کر رہی تھی دروازہ کھلا پھر قدموں کی دھک بیڈ پر آ کے معدوم ہو گئی۔
 ”السلام علیکم“ کورس میں سلام کیا گیا اس نے رکی سائیں خارج کی، وہ تینوں اس کے مقابل بیڈ پر براجمان ہو گئے اسے پر شوق نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔“ نشاء نے اس کا خالی ہاتھ محبت سے تھام لیا، وہ مسکرا کر اسے ساتھ لگا گئی۔

”آپ بھی تو حسین پری لگ رہی ہو۔“ اشائے خوبصورت فرائڈ میں بلبوس نشاء کو محبت سے پیار کیا۔

”میں آپ کو چاہتی نہیں کہوں گا ٹھیک ہے نا ماما.....؟“ اور معصوم آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے استفسار کر رہا تھا۔

”ہاں جان جگر،“ اس کے معصومانہ انداز نے دل موہ لیا مان کی محبت اور گود کی گرمی سے محرومی کا عکس ان بچوں کے چہرے سے جھلکنے لگا، یہ جانتے کے بعد کہ ان معصوموں نے اتنی کم عمری میں اتنا بڑا صدمہ سہا ہے اس نے اپنے اندر ممتا کا ٹھکانا نہیں مارتا سمندر محسوس کیا، تیزی کے احساس نے اس کا دل ان کے لئے مزید گداز کر دیا، تینوں اس کے ساتھ لگے بیٹھے تھے۔ آنجان عیص اندر داخل ہوا۔

”تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو.....؟“ انہیں دیکھ کر حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

”ہم چاچی سے ملنے آئے ہیں۔“ نشاء نے انکار کیا۔

”سوئے کا وقت ہو گیا ہے جاؤ اپنے کمرے میں۔“ باہر کا راستہ دکھایا۔

”چاچو! تھوڑی دیر اور.....“ اسجد نے لجاجت سے کہا وہ وارڈ روم سے اپنے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا واپس آیا تو وہ تینوں بدستور اشنا کو گھیرے بیٹھے تھے، آنجان نے اک اچلتی نگاہ اس پر ڈالی۔

”اب آپ لوگ اپنے کمرے میں جاؤ، صبح اسکول بھی جانا ہے، شاباش نشاء اٹھو بیٹا،“ نشاء کے پیچھے بیٹھے وہ گویا تھا وہ اس سے چند فٹ کی دوری پہ مقابل بیٹھا ہوا تھا، اشنا کی پلکیں حیا سے بوجھل ہو گئیں۔

”آپ کے دل سے تک ہم نے چھٹی لی ہوئی ہے۔“

”کس نے دلائی چھٹی؟“ احد کو اشنا کی گود میں دیکھتے استفسار کر رہا تھا۔

”دی جان نے۔“

”اچھا پھر سونا نہیں ہے چلو جاؤ۔“ نشاء اور اسجد اٹھ گئے احد جی دار بناس کی گود میں چڑھا رہا۔

”اٹھو احد۔“

”پاپا! دیکھیں ماما کتنی حسین لگ رہی ہیں۔“ اشائے بلبش ہو گئی تھی۔ اک مل کو آنجان بھی پٹپٹا گیا۔

”ماما! آنجان نے لبوں کو جنبش دی، اشنا کو شرمانے لجانے کے علاوہ کچھ سوچ نہیں رہا تھا۔

”آئی نے کہا ہے میں انہیں ماما کہہ سکتا ہوں۔“ وہ مزے سے کہہ رہا تھا، وہ اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھے گیا۔

”پاپا! ماما خوبصورت لگ رہی ہیں ناں.....؟“ غیر متوجہ سوال پہ وہ پزل ہوا، اشنا کے کان کھڑے ہو گئے۔

”پاپا بتائیں نا.....؟“ احد کی سوئی انگ لگی تھی۔

”ہاں اچھی لگ رہی ہیں۔“ اسے کہتے ہی بنی سر جھٹکا کر اشنا نے مسکراہٹ چھپائی۔

”گڈ نائٹ!“ احد نے پٹ۔ اس کا رخسار چھو لیا۔

”اب میں تین تک گنوں گا اگر پھر اخالی نہ ہو تو..... ون.....“ تینوں ہی اس کی کاؤ ٹنگ پہ دوڑ لگا چکے تھے، اشنا کے لبوں پر محفوظ کن مسکراہٹ تھی وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا، اشنا اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی، بالآخر انتظار کے لمحات انتقام پذیر ہوئے۔

”میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔“ وہ جو کوئی دلربا سی بات سننے کو تیار بیٹھی تھی اس کی سماعت کو زیر دست دھچکا لگا وہ اس کی صورت دیکھنے لگی۔

”دی جان کے کہنے پر مجھے یہ شادی کرنی پڑی یہ بچے میری زندگی ہیں اور اگر ان پھولوں کے پر زرا بھی جھلے تو اچھا نہیں ہوگا، آپ چیخ کر کے سو سکتی ہیں گڈ نائٹ۔“ وہ بیڈ کے دوسرے سرے پر دراز ہو گیا۔

”یہ آپ کی رونمائی؟“ دی جان نے دیا ہے مجھے یاد نہیں رہا، صبح سب اس کے متعلق پوچھیں گے۔“ لیٹے لیٹے بلوٹکیں گئیں اس کی طرف سر کا دیا۔

”اشنا غیر کو اپنا حق وصول کرنا آتا ہے یہ تحفہ میں اس دن وصول کروں گی جب آپ محبت سے مجھے خود دیں گے، اشنا غیر بھیک نہیں لیتی۔“ اپنی بات کہہ کے وہ کروٹ بدل گئی اس کے بولڈ انداز پہ وہ ہکا بکا تلکے اندھیرے میں اسے دیکھ کے رہ گیا۔

☆☆☆☆

وہ سخت برہم کمرے میں داخل ہوا، کوٹ صوفے پر بیچ کے ٹائی کی ٹاٹ کھول کر بیڈ پر اچھال دیا، جوتے الگ

اچھا دل دے وہ سخت برہم نظر آ رہا تھا۔

”اپنی پرابلم“۔ اس کے جھلائے چہرے کو دیکھتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔

”دی جان کا کہنا ہے ہماری شادی کو مہینہ ہونے والا ہے اور ہم کہیں ہی مون کے لئے نہیں گئے۔ اس لئے پہلی فرصت میں آپ کو لے کر کہیں گھومنے جاؤں“۔ وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے فساد کی جڑ وہی ہو۔

”انہی فضولیات کے باعث میں شادی کے خلاف تھا“۔ وہ جھلایا۔

”ڈونٹ ویسٹ یور انرجی آپ ریلیکس رہیں میں ہینڈل کر لوں گی“۔ تسلی دی ساتھ ہی اس کے بکھرے پھیلاوے کو سیٹھنے لگی۔

”کیسے ہینڈل کر لیں گی الزام تو مجھ پہ ہی آئے گا“۔ تنگ کر بولا۔

”اچھی بھلی گزر رہی تھی لے کے ڈوبو یا دی جان نے“۔ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”میں نے کہا تھا میں ہینڈل کر لوں گی آپ پریشان نہ ہوں“۔ صوفے سے کوٹ اٹھا کر بچکر میں ڈالنے لگی۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا چلتے پھرتے غیر محسوس طریقے سے بناتا تھے پہلے لائے وہ چیزیں سیٹ رہی تھی جب جوتے اٹھانے لگی تو اسے عجیب سا لگا۔

”جینج کر کے آجائیں بچے بھوکے بیٹھے ہیں“۔ ٹھنڈے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گئی واش روم میں آرام دہ شلوار سوٹ موجود تھا پہلے یہ سارا کام ملازم کرتے تھے مگر اشنا نے بڑی تیزی سے اس گھر کا چارج سنبھال لیا تھا۔ پہلے شام کی چائے وہ بیڈ روم میں پیتا تھا مگر اشنا نے فی ٹائم کے لئے لان کا مخصوص گوشہ منتخب کر لیا تھا برسوں پرانی تبدیلی یہ وہ جھنجھلایا مگر اشنا جیمر کے ٹھہرے لہجے پہ اسے ٹھہرنا پڑا۔

”بچے سارا دن آپ کا انتظار کرتے ہیں اور آپ کی ان سے ملاقات صرف ڈزٹبل پر ہوتی ہے وہ بھی صرف چند منٹوں کے لئے اس کے بعد آپ آرام کرتے چلے جاتے ہیں میں مانتی ہوں آپ آفس سے تھکے ہارے آتے ہیں لیکن اگر آپ چائے پینے لان میں آجائیں اور چند منٹ بچوں کو دیں تو ان کا گلہ بھی کسی حد تک جاتا رہے گا کہ آپ انہیں کم ٹائم دیتے ہیں“۔ اور اس نے دیکھا تھا بچوں نے اس تبدیلی پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اشنا بچوں کا بہت دھیان رکھتی تھی اس لئے نہیں کہ آئیجان عیص نے کہا تھا بلکہ وہ خود اسے معصوم اور پیارے تھے کہ اشنا ان سے پیار کرنے پر خود کو بے اختیار محسوس کرتی تھی اور پھر کم عمری میں بیٹی نے اس کے دل میں ان کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا زرد سورج غروب ہونے کی تیاریوں میں تھا ٹھنڈی ہوائ نے اس کے تھکے اعصاب پر اچھا اثر ڈالا تھا لان چیمبر پر بٹھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”گڈ ایوننگ“۔ بچوں نے یک زبان کہا تھا یہ تبدیلی اشنا کے آنے کے بعد رونما ہوئی تھی پہلے دن وہ حیران ہوا تھا پھر اسے بھی اچھا لگا تھا۔

”گڈ ایوننگ سوٹ ہارٹ“۔ وہ بے حد فریش لگ رہا تھا اشنا جیمر نے اسے ذرا کی ذرا دیکھا دی جان اور اسے سو سے سرو کرنے لگی بچوں کو نو ڈلزا اور ٹلٹس سرو کرنے لگی۔

”ماما! یہ گر کیوں جاتا ہے.....؟“۔ احد نے فورک کو غصے سے پاؤں میں جک دیا۔

”میں اپنی جان کو کھلاؤں گی تو بالکل نہیں گرے گا“ آپ یہاں آؤ“۔ اشارہ ملتے ہی احد اس کی گود میں جڑھ گیا۔ ”اسے خود ہی کھانے دیں“۔ وہ ٹوکنے لگا۔

رواڈ انجسٹ [106] اگست 2016ء

”بچے کو ماں کے ہاتھ سے کھا کے لطف ملتا ہے بڑے ہو کر اس نے خود ہی کھانا ہے بچپن کی کچھ باتیں تو ایسی ہوں جو بڑے ہو کر سوچنے پر لطف دیں“۔ وہ احد کو دیکھنے لگا جس کے چہرے پر روشنی بکھر گئی تھی پھر اس نے باری باری احمد اور نشاء کو بھی کھلایا۔

”تم خود تو لو اشنا“۔ دی جان ٹوکنے لگیں۔

”میں ماما کو کھلاؤں گا“۔ سو سہاٹھا کر احد نے اس کی طرف بڑھایا تو اس نے مسکرا کر ہائیٹ لی۔

”آئیجان پھر کہاں جانے کا پروگرام ہے.....؟“۔ دی جان کے سوال پہ اس کے لب جھنجھ گئے جیسے کوئی ناخوش کوارٹا پکٹ کھل گیا ہو۔

”دی جان! شرط حیات زندگی کبھی بھی گھوم لیں گے ابھی تو میں اس گھر میں تھی ہوں بچے جو میرے قریب آئے ہیں پھر سے دور ہو جائیں گے پندرہ دن بعد بچوں کے ایگزام شروع ہو رہے ہیں میرا دل لگا رہے گا میں یہ وقت بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں“۔

”اشنا جیمر کیا یہی تمہارا اصل روپ ہے دیکھیں گے تم کب تک یہ ڈرامہ جاری رکھ سکتی ہو“۔ وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

”کیا تمہاری خوشی یہ تمہارا حق نہیں.....؟“۔ دی جان کو اختلاف ہوا۔

”ہاں کی خوشی بچوں کی خوشی میں ہے کیوں بھی تم لوگ رہ لو گے میں چلی جاؤں.....؟“۔

”بالکل نہیں..... بالکل نہیں“۔ بیٹوں نے یک زبان کہا تو آئیجان عیص کو مصنوعی کھانسی ہونے لگی۔

”پلیز دی جان! موڈ ٹھیک کریں بچوں کے پیپر ز ہو جائیں تو ہم سب کہیں گھومنے جائیں گے ساتھ ساتھ“۔ اشنا نے کہا تو بچے خوشی کا اظہار کرتے اپنی اپنی پسندیدہ جگہ بتانے لگے۔

☆☆☆☆

آئیجان عیص آفس کی فائل میں الجھا بیٹھا تھا کافی کاگ خاموشی سے اشنا نے اس کے سامنے رکھ دیا، بن کہے ہی وہ اس کی ضرورتوں کا دھیان رکھتی تھی اور جواب میں وہ سٹیکس تک نہیں کہتا تھا اشنا تکلیف جگہ پر درست کرنی لینے کا قصد کر رہی تھی جب دروازہ ٹاک ہوا۔

”ہوز دن“۔ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے پوچھا۔

”پاپا میں ہوں!“۔ احد کی معصومانہ آواز آئی اشنا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

”ماما! مجھے ڈر لگ رہا ہے میں آپ کے ساتھ سو جاؤں.....؟“۔ اپنا چھوٹا تکیہ بغل میں دبائے وہ پوچھ رہا تھا کرسی کے بیک پر دونوں بازو رکھے وہ ان کی طرف متوجہ تھا۔

”کیوں نہیں آج میرا جالو میرے ساتھ سوئے گا“۔ اشنا نے اسے تکیہ سمیت گود میں اٹھالیا وہ کھلکھلا دیا بیڈ پر لٹا کر اشنا نے اس پر چادر ڈالی۔

”پاپا! آپ بھی میرے پاس آ کر سوئیں ناں“۔ احد نے فرمائش کی۔

”پاپا! کام کر رہے ہیں بیٹا“۔ اشنا نے بہلانا چاہا۔

”پاپا پلیز! آجائیں ناں“۔ اشنا نے سفارش کی آئیجان عیص نے اک گہری نظر اس پر ڈالی وہ نظریں چرا گئی فائل بند کر کے وہ اٹھ گیا۔

”لو آ گیا“۔ وہ اپنی جگہ پر دراز ہو گیا احد ان دونوں کے بیچ دراز تھا اشنا کا ہاتھ پہلے ہی اس نے اپنے

رواڈ انجسٹ [107] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

چھوٹے سے سینے پر رکھا ہوا تھا اب آنجان کا ہاتھ بھی رکھ لیا، اشنا کے ہاتھ پر آنجان کا ہاتھ آ رہا تھا اس نے اپنا ہاتھ کھینچا جا ہا مگر احد نے اپنا ہاتھ اوپر رکھ لیا تھا آنجان کے لئے بھی یہ پوزیشن شینا دینے والی تھی اشنا کے ہاتھ کی لرزش اور نمی اس کی تھیلی میں جذب ہو رہی تھی۔

”پتا ہے پپا! میری ہمیشہ سے یہی خواہش تھی کہ میں پپا اور ماما کے درمیان سوؤں لیکن ماما پپا تو اللہ کے پاس چلے گئے تھے نا پھر میں کیسے ان کے درمیان سوتا پپا اچھا ہوا آپ نے ماما سے شادی کر لی اب میں بھی بھی آپ لوگوں کے درمیان سوسکتا ہوں نا بھائی اور نشاء سو جاتی ہیں تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔“ احد کی باتیں سن کر دونوں کا دل غیر معمولی انداز میں دھڑک رہا تھا معصوم سا بچہ کتنا ترسا ہوا تھا اشنا نے چاہا تھا اسے پیار کر لے تب ہی اونچی ہوئی تھی عین اسی وقت آنجان عصیوں نے بھی یہی حرکت کی تھی دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا اس کے ہاتھوں کی لرزش بڑھ گئی اس نے احد کی ٹھوڑی پر لب رکھ دیئے تھے اور آنجان نے پیشانی چوم لی تھی۔

”آئندہ کبھی ایسی باتیں مت سوچنا میں ہوں نا آپ کی ماما اللہ نے مجھے آپ کے لئے بھیجا ہے یہاں۔“ اس نے اسے بھیج لیادہ کافی دیر باتیں کرتا رہا پھر سو گیا ناٹ بلب آف کر کے آنجان نے غیر ارادی نظر اشنا غیر پر ڈالی احد کو خود سے چپکائے وہ محوے خواب بھی معصوم مسکراہٹ ساری رات اسے اپنی طرف پھینکتی رہی۔

☆☆☆☆

”یہ رزلٹ ہے تم تینوں کا.....؟“ آنجان نے مجرم بنے اسجد نشاء اور احد کے منہ پر پورٹس دے ماریں۔

”اگر تم لوگوں نے پڑھنا نہیں ہے تو بتا دو اپنا اور میرا نام کیوں ضائع کر رہے ہو جانتے ہو کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی مجھے پرنسپل کے سامنے صرف تم تینوں کے باعث یک نہ شد تین شد جو نیچے پوزیشن لیتے ہیں ان میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں تم لوگوں کی کارکردگی اتنی بری کیوں ہے.....؟“ وہ تینوں کو غضبناک نظروں سے گھور رہا تھا۔

”نیچے ہیں آنجان۔“ دی جان نے اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

”آپ نہیں جانتیں دی جان! آج مجھے کیا کیا سنا پڑا ان تینوں کے باعث اسکول سے نکالنے کا کہہ دیا ہے پرنسپل نے اگر ایسی ہی کارکردگی رہی تو.....“ اشنا خاموشی سے بچوں کے جھگے سر اور آنجان کے غصے کو دیکھ رہی تھی۔

”اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو جاؤ کمرے میں۔“ وہ دھاڑا تو تینوں مجرموں کی طرح سر جھکائے لاؤنج سے نکل گئے اشنا تیزی سے ان کے کمرے کی اور بڑھی مگر اس کے قدم دروازے پر ہی ٹھٹھک گئے لمحے میں کمرے کا نقشہ بدل گیا تھا تینوں نے اپنا سارا غصہ چادر، ٹکیہ، کشتی، کھلونے اور کتابوں پر اتارا تھا پورا کمرہ اکھرا ہوا تھا تینوں بیڈ پر اوندھے پڑے تھے۔

”غصہ آ رہا ہے.....؟“ وہ ان کے درمیان بیٹھ گئی۔

”ہاں.....“ اسجد نے چیخ کر کہا۔

”لیکن کیوں.....؟“

”آپ نے سنا نہیں چاچو نے ہمیں کتنا ڈانٹا۔“ نشاء روتے ہوئے بولی۔

”چاچو نے غلط تو نہیں کہا.....؟“ وہ احد کے بال سنوارنے لگی۔

”آپ بھی یہی کہیں گی ماما.....؟“ احد کو صدمہ ہوا۔

”میں کل سے اسکول نہیں جاؤں گا نہیں پڑھنا مجھے۔“ اسجد نے اعلان کیا۔

”یوں میدان چھوڑ دینے والے منزل پہ نہیں پہنچتے جانتو تم لوگ چاچو کی بات پہ رو رہے ہو رولو لیکن جب

آئندہ سوؤں کا اشناک ختم ہو جائے تو سوچنا چاچو کو کتنی بے عزتی برداشت کرنا پڑی پوزیشن لینے والے بچوں کی ٹرائی دیکھ کر انہیں تم لوگوں کے لئے کتنا برا لگا ہوگا جو گزر گیا اسے پہلا دو اور خوب دل لگا کر پڑھو چاچو کو پوزیشن لے کر دکھاؤ تاکہ وہ خوش ہو جائیں اور غلطی دیں بس تھوڑی سی محنت کرنا پڑے گی اور تو کچھ نہیں نا پھر کیا خیال ہے ہر بار چاچو سے ڈانٹ کھاؤ گے یا۔“

”نہیں ہم پوزیشن لیں گے۔“ نشاء جھٹ سے بولی۔

”ہم بھی۔“ دونوں نے بھی ساتھ دیا ان کے معصوم ذہنوں میں اس کی باتیں ساگئی تھیں پوزیشن لینے والے بچوں کی ٹرائی دیکھ کر انہیں کتنی جلن ہوئی تھی کلاس کے سامنے شرمندگی الگ۔

”That's like a good kids“ اس نے تینوں کو اپنے ساتھ بیٹھ لیا۔

”چاچو تم لوگوں کو تمہارے بھلے کے لئے ڈانٹتے ہیں تاکہ تم ان کی طرح کامیاب ہو خوب ترقی کرو احد کو پائلٹ بننا ہے اسجد کو انجینئرنگ نشاء کو ڈاکٹر تو اس کے لئے پڑھنا تو پڑے گا نا۔“ تینوں نے شد و مد سے گردن ہلاتی بچے کا کانی حد تک اس کا مطلع نظر سمجھ گئے تھے اس کا فرض تھا کہ وہ ان کے مابین دوری نہ آنے دے۔

”بچوں کے ساتھ آپ کا بیویز درست تھا.....؟“ وہ ایل ای ڈی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جب وہ اس تک آئی۔

”کہنا کیا چاہتی ہیں آپ.....؟“ آنجان نے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں۔

”آپ کا انداز درست نہیں تھا۔“ اشنا غیر نے اسے احساس دلانا چاہا۔

”آپ کے خیال میں مجھے انہیں مرٹل سے نوازنا چاہئے تھا۔“ انداز حد درجہ ناگوار تھا۔

”میں نے یہ نہیں کہا میرے لئے نا لائق نہیں ہیں نا اہل تو وہ ٹیوٹر تھا جسے آپ نے اپائنٹ کیا تھا۔“ یہ پہلا موقع تھا جب وہ اس سے پہلے کی طرح تنگ مزاجی سے بات کر رہی تھی ”میرے بچے“ یہ وہ دنگ رہ گیا تھا۔

”آپ نے بناء پر کھے ٹیوٹر رکھ لیا کبھی چیک نہیں کیا کہ وہ کتنے پڑھا رہا ہے یا نہیں۔“ وہ تنگی۔

”آپ کو اس گھر میں کیوں لایا گیا ہے؟ آپ دیکھ لیتیں۔“ بڑی سہولت سے وہ سارا الزام اس پر ڈال کر بری الذمہ ہو گیا وہ بے حد چڑھنی۔

”ایکسکوز می! وہ ٹیوٹر بہت پہلے سے بچوں کو پڑھا رہا ہے اینڈ فور پوکاسٹ انفارمیشن مہینہ پہلے میں نے اس ٹیوٹر کی چھٹی کر دی ہے اب بچوں کو دوسرا ٹیوٹر پڑھا رہا ہے۔“ اپنی لاعلمی پہ بجائے شرمندہ ہونے کے شانے اچکا کے رہ گیا۔

”پھر رزلٹ ایسا کیوں آیا.....؟“ اپنی غلطی مانتے کو تیار نہ ہوا۔

”دس مہینوں کی پڑھائی ایک مہینے میں نہیں ہوتی۔“ وہ بیویوں والے اشناک میں چڑکے بولی۔

”غلطی خود کی ہے اور لے کے میرے بچوں کو ڈانٹ دیا کتنی مشکلوں سے سب روتے روتے سوئے ہیں معلوم ہے۔“ وہ واٹس روم میں چلی گئی باہرنگی تو وہ کمرے میں موجود ہیں وہ دبے قدموں سے بچوں کے کمرے کی طرف گئی وہ بچوں کو پیار کر رہا تھا اشنا کو سکون ہوا۔

”بھینکس اللہ! اور نہ سب مجھ پہ چڑھ دوڑتے کہ آپ نے تو کہا تھا چاچو ہم سے سوری کریں گے مگر وہ تو ہمارے پاس بھی نہیں آئے وہ ہم سے محبت نہیں کرتے۔“

☆☆☆☆

رداؤ انجسٹ 109 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

رداؤ انجسٹ 108 اگست 2016ء

اب ہر دن خوبصورت

مکمل تحفظ مکمل تازگی



Butterfly
BREATHABLES

GIRL
TALK

facebook.com/GirlTalkByButterfly

WWW.PAKSOCIETY.COM

”اشنا! بچے کیسے ہیں تم سے گھل مل گئے نا!“ آج وہ امی کے گھر آئی تھی بچوں کی وجہ سے کم ہی چکر لگاتی تھی کئی بار تو وہ انہیں ساتھ ہی لے آتی تھی۔

”اچھے ہیں اسکول میں ٹیسٹ ہو رہے ہیں ورنہ ساتھ ضرور آتے۔“ وہ محبت سے ذکر کر رہی تھی۔

”ہن ماں باپ کے بچے ہیں اشنا! انہیں اپنی محبت کی چھاؤں میں ہی رکھنا پڑتا۔“

”آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے امی اوہ تو اتنے معصوم ہیں کہ دل خود بخود ان کی طرف کھینچتا ہے بس محبت کے ترسے ہوئے ہیں اس لئے کبھی کبھی اپنا رمل حرکتیں کرنے لگتے ہیں“ آئیجان بھی ردایتی باپ والا کردار ادا کرتے ہیں کبھی کبھی۔

”مردوں کو بچے پالنے کا ڈھنگ کہاں ہوتا ہے یہ عورت ہی ہے جو پھولوں کی طرح بچوں کو زامانے کے سردو گرم سے بچاتی ہے بچوں اور باپ کے بیچ ماں پل کا کام کرتی ہے بچے جو بات باپ سے براہ راست نہیں کر سکتے وہ ماں سے کرتے ہیں اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے درمیان دوری نہ آنے دو بلکہ ایسے مواقع فراہم کرو کہ وہ مزید قریب آئیں۔“ امی نے فراخ دلی سے بچوں سے محبت کا اظہار کر کے اسے سمجھا رہی تھیں۔ یہ اشنا کی محبت ہی تھی جو وہ خود کو بھلائے بچوں میں لگی ہوئی تھی وہ تو اس حقیقت کو بھی جیسے بھول گئی تھی کہ اسے آئیجان سے محبت ہے اور وہ اس کی بیوی ہے وہ اک کمرے میں تو رہتے تھے مگر اجنبیوں کی طرح۔۔۔۔۔ آئیجان نے بھی اسے شاید اس لئے کمرے میں جگہ دی تھی کہ وہ اس کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کر رہی تھی اس سے زیادہ آئیجان نے بھی اسے اہمیت نہیں دی اشنا کو اس کی بے گانگی لا تعلقی کھلتی تھی مگر وہ منتظر تھی اس وقت کی جب وہ اس کا جود تسلیم کرتا۔

☆☆☆☆

ڈرائیور کے ساتھ گھر آئی تو دی جان لاؤنج میں ہی مل گئیں گھر والوں کی خیریت پوچھتی رہیں پھر بچوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا ان سے فارغ ہو کر بیڈروم میں آئی تو آئیجان جیسے کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا انداز غلٹ لئے ہوئے تھا وہ حیرانگی سے سوٹ کیس کو دیکھ رہی تھی۔

”کہیں جارہے ہیں آپ۔۔۔۔۔؟“ صبح تک تو اس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

”برنس میٹنگ کے لئے فارن جارہا ہوں۔“ وہ کھائی میں رسٹ ورائج باندھ رہا تھا یقیناً سب کچھ پلان تھا بس وہ ہی لاعلم تھا۔

”کب تک آئیں گے۔۔۔۔۔؟“ استحقاق سے پرسوال پر وہ اسے دیکھنے لگا وہ بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کچھ کنفرم نہیں ہے اللہ حافظ۔“ وہ باہر نکل گیا وہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا اس سے شادی کر کے اس نے سب سے بڑی غلطی کی ہے شرعی بیوی اس کے کمرے میں ہوتی تھی مگر اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کوئی دلی وابستگی محسوس نہیں ہوتی تھی مگر اشنا کو تو اس سے محبت تھی اور وہ اس کی پہل کی منتظر ہی رہتی تھی مگر اپنی انا بہت عزیز تھی وہ اس پر نظر کرم نہیں کرتا تھا تو وہ بھی دور جا کھڑی ہوتی تھی اس کی غیر موجودگی میں دن بڑے بے کیف گزر رہے تھے جبکہ بچوں کو بھلانے کے لئے پارک ریسٹورنٹ کا چکر لگاتی تھی۔ ایک ہفتے بعد وہ لوٹ آیا تھا اشنا کو بے حد خوشی ہوئی ڈنر کے بعد وہ سب کے گفت وگال رہا تھا۔

”اشنا کے لئے کچھ نہیں لائے۔۔۔۔۔؟“ دی جان کو حیرانی ہوئی۔

”اسے بعد میں دوں گا۔“ دور کھڑی اشنا کے لب مسکرا دیے جانے ایسی کیا چیز تھی جو وہ اسے اکیلے میں دینا

ردا ڈائجسٹ 110 اگست 2016ء



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

چاہتا تھا۔ وہ بالوں میں برش کر رہی تھی جب آئینان کا عکس مرر پر اس کے سنگ جھلکانے لگا کئی ثانیے وہ مرر پر پڑتے اس کے عکس سے نگاہ نہ ہٹا سکی وہ کف ٹکس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہا تھا۔

”سوری میں آپ کے لئے گفٹ لانا بھول گیا۔“ اس کے ہاتھ برش کرتے ساکت رہ گئے۔

”آپ ڈرائیور کے ساتھ جا کر کچھ لے لیجئے گا۔“ اس کے دل سے بے خبر وہ اپنی کئے جا رہا تھا اشنا برش رکھ کر اپنی جگہ لیٹ گئی۔

”مجھے آپ کے گفٹ کی کوئی ضرورت نہیں ہے سبھی آپ۔“ وہ کروٹ بدل گئی ورنہ دل تو چاہ رہا تھا اس کی ہستی کو تبس نہیں کر دے۔

☆☆☆☆

”آئینان! میں دیکھ رہی ہوں تم اشنا سے لا پرواہ ہوتے جا رہے ہو بھول گئے ہو کہ اس گھر میں تمہاری بیوی بھی رہتی ہے۔“ چھٹی کے دن وہ فارغ تھا اس لئے دی جان کو اس کے کان کھینچنے کا موقع مل گیا۔

”اس نے آپ سے شکایت کی.....؟“ وہ سیدھا ہوا۔

”او چھاپیں نہیں ہے اس میں۔“

”پھر.....؟“ وہ چاہتا تھا اپنے تئیں تو اس نے اشنا کو کوئی تکلیف نہیں دی تھی وہ اپنی مرضی سے زندگی گزار رہی تھی اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی۔

”میری آنکھوں میں ابھی لینز سلامت ہیں تم تو اشنا کا نام سنتے ہی بدک گئے تھے بچی نے کیسے سارے گھر کو سمیٹ لیا بچے ہر وقت اس کے گن گاتے ہیں۔“ دی جان اشنا کی تعریف میں زمین آسمان ایک کر رہی تھیں۔

”یقیناً میرے خلاف بھڑکائی ہوگی۔“ اس نے چڑایا۔

”فضول باتیں مت کرو آئینان! ہمارے علم میں لائے بغیر وہ اس گھر کے لئے ہر کام اثناء کر رہی ہے نشاء اب بڑی ہو رہی ہے اور کچھ دنوں پہلے اسے ایک لڑکے کا خط ملا جسے محبت نامہ کہتے ہیں۔“ دی جان نے گزشتہ قصہ سنایا۔

”وہاٹ۔“ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا۔

”اتنی چھوٹی تو ہے کہاں ہے وہ خط کس نے کی تھی وہ حرکت.....؟“ وہ چراغ پا ہو گیا۔

”زیادہ گری مت کھاؤ میں اور اشنا اسکول گئے بھی بچے کے پیرنٹس کو بھی بلوایا اس نے اشنا نے بہت باتیں سنائیں لڑکے کے والدین کو پرنسپل کو بھی وارننگ دی نشاء اس پچویشن سے خوفزدہ ہو گئی تھی وہ تو اسکول جانے کو تیار ہی نہ تھی اشنا نے اس کی برین واشنگ کی تو وہ نارمل ہوئی عمر کا یہی مقام ہوتا ہے جہاں خصوصاً بچیوں کو ماں کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اشنا اس کردار کو بخوبی سمجھ رہی ہے میں تمہیں بتا نہیں سکتی آئینان مجھے اس وقت کتنی خوشی ہو رہی تھی جب اشنا اس لڑکے کے والدین سے بات کر رہی تھی اس کا انداز ایسا تھا جیسے نشاء واقعی اس کی بیٹی ہو۔“

دی جان کے لہجے میں اشنا کے لئے مان و فخر تھا تب ہی اشنا چلی آئی۔

”دی جان! ڈرائیور کو باز ایج راج رہی ہوں آپ نے سامان کی لسٹ دینی تھی نا وہ دے دیں۔“

”ہاں میں لاتی ہوں۔“ دی جان اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں آئینان عین بڑی دیر تک اسے تنکنا رہا اس نے بایوکلر کا سوٹ پہن رکھا تھا اور بڑی تروتازہ لگ رہی تھی۔

”میں آپ کو ہی ڈھونڈ رہی تھی۔“ وہ سامنے والے صوفے پر براجمان ہو گئی۔ آج وہ گھر پہ تھا فرصت سے تھا

رداؤ انجسٹ [112] اگست 2016ء

تو اسے بات کرنے کا موقع ملا تھا جس کی تلاش میں وہ کئی دنوں سے تھی۔

”خیریت۔“ وہ چونک گیا پہلے اس نے اچھی طرح معائنہ کیا کہ آس پاس کوئی ہے یا نہیں پھر گویا ہوئی۔

”مجھے لگ رہا ہے اسجد کار، حنان بھائی ٹائپ فلموں کی طرف ہو گیا ہے چند دنوں سے اس کے لہجے میں بڑی تبدیلی محسوس کر رہی ہوں خالصتاً پوری بن رہا ہے کچھ نئے ایڈیشن ہوئے ہیں اس کی کلاس میں..... نئے دوست بنے ہیں اپنے طور پر میں نے پرنسپل سے پکپک کر دی ہے انہوں نے ہائی بھری ہے کہ وہ بچوں کو چیک کریں گی لیکن میں چاہتی ہوں آپ کسی دن وقت نکال کر اسجد کے فرینڈز کو گھر پر انوائٹ کریں تاکہ ان سے مل کر اندازہ ہو کہ ہمارے بچے کے دوست کسے ہیں آپ اس کے فرینڈز پر نظر رکھیں ان فیکٹ یہی عمر ہوتی ہے جس پر بچوں کی شخصیت پروان چڑھتی ہے پکیز دھیان دیجئے گا۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ چلی گئی آئینان عین کالی دیر تک اس کے بلیو آؤٹ چل کو دیکھتا رہا وہ اسے حیران یہ حیران کر رہی تھی بظاہر پچوڑ ڈکھنے والی اشنا غیر کتنی سمجھدار اور بردباری سے اس کے تمام مسائل پر دھیان رکھے ہوئے تھی اور وہ اسے بدلے میں کیا دے رہا تھا کچھ بھی نہیں تعریف کا ایک جملہ تک نہیں۔

☆☆☆☆

وہ اشاء خورد نوش لے کر لوٹی تو گھر میں غیر معمولی پن محسوس ہوا ملازم سے استفسار پر خبر ہوئی دھوپ میں پتنگ بازی کرنے پر آئینان عین نے سرزنش کیا اسجد نے بدتمیزی کی تو آئینان نے اسجد کو پھٹو دے مارا۔ دی جان اپنے کسی عزیز کے گھر گئی ہوئی تھیں یہ سب جان کر اسے افسوس ہوا۔ اسجد اپنے بیڈ پر لیٹا روئے میں مصروف تھا اس کے بیڈ پر بیٹھ کر وہ بال سہلانے لگی اور اس کا سراپا اپنی گود میں رکھ لیا دائیں گال پر پانچ انگلیوں کے نشان واضح تھے اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

”منع کر کے گئی تھی نا دھوپ میں پتنگ نہیں اڑانا۔“

”اب میں روز پتنگ اڑاؤں گا کتنا ماریں گے چاچو جان سے ماریں تو اچھا ہے۔“ روتے ہوئے وہ چیخ کر بولا۔

”ایسا نہیں کہتے بیٹا۔“ اس کا دل ٹڑپ اٹھا۔

”تمہیں چاچو سے بدتمیزی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”کیوں وہ مجھے بچے کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں یہ کر دہ نہ کرو مجھے اچھا نہیں لگتا یہ سب آج میرے ماما بابا ہوتے تو وہ مجھے کبھی نہیں مارتے پتا نہیں کیوں چلے گئے دونوں۔“ اسجد کی زود رنگی عروج کو چھو رہی تھی اسے سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔

”اچھا اب چپ ہو جاؤ آئندہ چاچو سے بدتمیزی مت کرنا وہ بڑے ہیں اور آپ سے بہت محبت بھی کرتے ہیں۔“ بڑی مشکلوں سے اسے بہلایا کرے میں آئی تو وہ بیڈ پر دراز تھا اس کی موجودگی محسوس کر کے آنکھوں سے بازو ہٹایا۔

”خیریت آپ اس وقت.....؟“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

”طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے چلا آیا آ کر خبر ہوئی گھر ملازموں پر چھوڑ کر آپ شاپنگ کو نکلی ہوئی ہیں کیا سارے ملازم مر گئے ہیں جو آپ مریج مسالہ لینے چلی گئیں بچوں کو اکیلا چھوڑ کر۔“ وہ اس پر جڑھ دوڑا۔

”بحالت مجبوری جانا پڑا ملازم معیاری چیزیں نہیں لاتا اور پیسے بھی دبا لیتا ہے گھر چلاتے وقت تمام باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے ورنہ آپ مردوں کا کیا ہے سارا الزام عورت پر لگا کر کنارے ہو جاتے ہیں۔“ اسجد کے

رداؤ انجسٹ [113] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

باعث پہلے ہی دل خراب تھا اس کے لہجے نے اور چراغ پا کر دیا۔

”آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔“ وہ اٹھ گیا کڑے تیوروں کے ساتھ۔

”وہی جو آپ سمجھنا نہیں چاہ رہے۔“ وہ اپنے نیلو دیکھنے لگی۔

”اجد نے آج مجھ سے مس لی ہو کیا کچھ خبر ہے آپ کو۔“ اس نے جیسے لفظ چبائے۔

”ملازم نے بتایا مجھے۔“ اس کے لہجے میں اقرار گناہ تھا۔

”آج سے پہلے یہ بچے ایسے نہیں تھے۔۔۔۔۔“ الزام دیتا لہجہ تھا۔

”آپ کے خیال میں انہیں بدتمیزی کرنا سکھا رہی ہوں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھنے لگی۔

”شاید۔“ اشنا کو غصہ بہت آیا مگر ضبط کر گئی۔

”میں ایمانداری سے آپ کو آپ کے بارے میں ایک بات کہوں آپ اپنی سی کرنے والے روایتی مرد کی حد تک سیلفش ہیں جسے دوسروں کے احساسات کی رٹی برابر پرواہ نہیں ہے۔“ وہ دھڑلے سے اس کی برائی اس کے منہ پر کر رہی تھی وہ اس کی جرأت پر دنگ رہ گیا۔

”آپ کیا سمجھتے ہیں بچوں پر وحشیانہ پن ظاہر کر کے آپ انہیں سدھار رہے ہیں۔۔۔۔۔ ماننا یہ بچے آپ کی زندگی ہیں مگر بھی آپ نے ان بچوں کے دلوں میں جھانکنے کی ضرورت محسوس کی ہے؟ بھی آپ نے یہ جاننے کی خواہش کی ہے کہ یہ بچے اندر سے کتنے غم آلود ہیں والدین کی کمی نے انہیں اتنا زبردست بنادیا ہے کہ بغض اوقات وہ اپنا ریل بچوں جیسا ہی ہو کرتے ہیں بھی آپ نے اپنی حرکت پر غور کیا کہ آپ کی روک ٹوک بچوں کو اچھی نہیں لگتی بھی آپ نے غور کیا کہ اجد جو کر رہا ہے وہ اس کی عمر کی تقاضا ہے یاد کیجئے وہ دور جب آپ اجد کی عمر میں تھے اور جب آپ کے والدین آپ کو کسی حرکت سے روکتے تو کہتے تھے تو آپ کو کیسا ٹیل ہوتا تھا؟ یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ بچہ ایک دم سے خود کو بڑا تصور کرنے لگتا ہے اسے یہ اچھا نہیں لگتا کہ سب اس سے چھوٹے بچوں جیسا ہی ہو کر ہیں اور جب ایسا ہوتا ہے تو بچے بدتمیزی کر کے اپنے غصے اور بے چینی کا اظہار کرتے ہیں بھی آپ نے غور کیا کہ آپ کی انہی حرکتوں کے باعث بچے آپ سے دور ہوتے جا رہے ہیں آپ سے خائف رہنے لگے ہیں بچوں کو پالنا خوبی نہیں ہے بلکہ ان پھولوں کو اچھے طریقے سے پروان چڑھانا خوبی ہے مسٹر آئیجان! بچوں کو سنبھالنے کے لئے کبھی کبھی خود بچہ بننا پڑتا ہے اگر آپ کا رویہ یہی رہا تو وہ وقت دور نہیں جب بچے آپ سے بہت دور چلے جائیں گے۔“ وہ بغیر سانس لئے بولے چلی جا رہی تھی اتنے دنوں کی بھڑاس نکل رہی تھی آئیجان عیص خاموشی سے اسے سننے پر مجبور تھا کہ وہ کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی تھی بلکہ اس کی غلطی گنوار ہی تھی۔

”اجد کہہ رہا تھا کہ اگر اس کے ماما پاپا ہوتے تو اسے کھیلنے سے منع نہیں کرتے پھر نہیں مارتے اپنے ماما باپ غلطی نہ ہونے پر بھی ماریں تو بھی بچے کو ٹیل نہیں ہوتا لیکن آپ اور میں یہ حرکت کرتے ہیں تو ان بچوں کی نفسیات پر فرق پڑے گا۔“

”مسٹر آئیجان عیص! اب بھی وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔“ وہ جتاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں آپ کے لئے میڈیسن اور کچھ کھانے کو بھیجتی ہوں۔“ نادل اٹھا کے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے وہ جا چکی تھی آئیجان عیص بت ہمارہ گیا جو بات اسے سالوں سمجھ نہیں آئی وہ مہینوں میں جان گئی تھی۔

☆☆☆☆

اگلا دن چھٹی کا تھا صبح کے گیارہ بج رہے تھے درتے سے پردہ ہٹا کر وہ درتے میں کھڑا ہو گیا موسم بہت

رداذا مجسٹ 114 اگست 2016ء

خوشگوار تھا نادل گھر گھر کر آرہے تھے اس نے نظریں آسمان پر جہادیں شور کی آواز پر اس نے لان پر نظر ڈالی جہاں بچے اشنا اور گھریلو ملازم کرکٹ کھیل رہے تھے وہ دلچسپی سے نظریں بچے کے کھڑا تھا اشنا سجد کی گیند پر آؤٹ ہو چکی تھی مگر اس کا کہنا تھا نوبال تھا اسی باعث اچھا خاصہ اندر بچ گیا تھا لیکن جب امپائر (دی جان) نے آؤٹ ڈیکلیر کر دیا تو اشنا نے تسلیم کر لیا۔

گرین گھاس کے درمیان ریڈ شرٹ بلیک جینز اور ریڈ اینڈ بلیک اسکارف کو سلیقے سے گلے کے پیچھے باندھ کر سامنے ڈالے سر پر کیپ لگائے اشنا دلکش لگ رہی تھی گہنی درتے سے نکائے شہادت کی انگلی سے وہ اپنے لب سہارا ہاتھ لگا رہا تھا نگاہیں بڑی دلچسپی سے اس کے وجود کے گرد طواف کر رہی تھیں۔

”عجیب لڑکی ہے یہ بچوں کے ساتھ بچہ بن جاتی ہے اور سنجیدگی پہ آئے تو سارے ریکارڈ توڑنے لگتی ہے۔“ اس کی کل کی باتیں یاد آئیں تو وہ درتے سے الٹ گیا پیچ کر کے لان میں چلا آیا اس وقت وہ بلیک لی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس تھا اسے دیکھتے ہی ملازم کھکنے لگے دی جان بھی پانی پینے لگیں باقی تینوں اپنی اپنی جگہ پر پوزیشن سنبھال رہے تھے اجد بیٹنگ کی تیاری کر رہا تھا۔

”تم نے میرے ساتھ جو بیٹنگ کی ہے نا دیکھنا اس کا بدلہ میں کیسے تمہیں بولڈ کر کے لیتی ہوں۔“ اشنا غیر بال ہاتھ میں لئے لائے پاؤں چلتی اجد کو دھمکی دے رہی تھی۔

”دیکھتی ہوں میں تم کیسے رزا سکور کرتے ہو اولی ماں۔“ اس کا وجود پیچھے سے آتے آئیجان عیص سے ٹکرایا تھا قریب تھا کہ وہ اوندھے منہ گرتی آئیجان نے اپنا بازو اس کے گرد حائل کر کے اسے گرنے سے بچایا کسی ملازم کی حرکت جان کر وہ غصے سے پلٹی تھی جھٹکے سے بیڈ میں جکڑے بالوں کا آبتار دائیں شانے پر آ پڑا تھا بلیک کیپ سر پر جما ہوا تھا گلابی مکھڑے پر شہد رنگ لٹیں قیامت ڈھا رہی تھیں آئیجان عیص اس کو یک ٹک دیکھے جا رہا تھا دونوں کے چہرے چند فٹ کی دوری پر تھے پلوں کی جھار گرا کر اس نے گلے میں گھسا اسکارف آگے کھینچا اور اس کے بازو کے حصار سے رہا ہوئی اسے بھی ہوش آیا تھا فقط چند سیکنڈز کا کھیل تھا جس کے بعد دونوں کئی منٹ تک بدحواس رہے۔

”میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھیلوں گا کھلاؤ گے مجھے۔۔۔۔۔؟“ بچے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

”آپ کو کھیلنا آتا ہے چاچو۔۔۔۔۔؟“ نشاء معصومیت سے استفسار کر رہی تھی۔

”تم لوگوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے میں ہر بال پر چھکا مارتا تھا ناٹ سنگل۔“ اس نے احد کو کود میں اٹھا کر پیار کیا پھر نیچے اتار دیا۔

”چاچو! بس ڈیکس نہ ماریں۔“ اجد کو کل کا غصہ تھا اشنا لب دبا کر مسکراہٹ ضبط کرنے لگی۔

”تم بڑے ماہر کرکٹر لگ رہے ہو مجھے سکھاؤ گے۔“ وہ اجد سے ہمکلام تھا اشنا غیر نے خوشگوار سانس لی ملازم اور رچ جوس لے آیا تھا وہ سب کو سرور کرنے لگی اور پھر آئیجان نے تادیر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلی اور آخر میں اعلان کیا کہ شام کو وہ سب ڈزنی لینڈ جائیں گے تینوں مارے خوشی کے اس پر چڑھ دوڑے۔

”ماما پاپا کہیں بدل تو نہیں گئے۔۔۔۔۔؟“ احد شرارت سے پوچھ رہا تھا احد کے پیچھے کھڑے آئیجان عیص کو دیکھ کر وہ مسکرا دی اس نے بھی ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆☆

رداذا مجسٹ 115 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ایڈفرس لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناؤلز اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

☒ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

☒ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

”چلو آج پھر گناہ گار ہو جائیں
پھر اس کے لئے بے قرار ہو جائیں
ہزار بلاؤں پہ وہ جو نہیں آیا
کیوں نا آج یونہی بیمار ہو جائیں“

وارڈ روب کی سیٹنگ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ آئیجان عیص کی تصویریں لگ گئیں البمز کو بڑی محنت اور جانفشانی سے ترتیب دیا گیا تھا پھر دونوں بھائیوں کی آئیجان کے اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک کی تصویریں لگائیں جن میں کہیں وہ شیلڈ وصول کر رہا تھا کہیں میڈل ہر تصویر کے ساتھ تفصیل درج تھی اس کے دوستوں کی بھی تصویریں لگائیں جن میں ایک لڑکی ہر جگہ نمایاں تھی لڑکی کی خوبصورتی سے خائف ہو کر اس نے البم سے اس کی تصویر نکال لی تب ہی آئیجان کی ہینڈ رائٹنگ میں اسے یہ شعر تصویر کی پشت پر نظر آیا ”شاعری کے الفاظ انداز اور لفظوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔“

”تو یہ ہے وہ وجہ جو میرے اور تمہارے بیچ حائل ہے کیوں چھوڑ گئی یہ تمہیں؟ یہ چھوڑ کر چلی تو گئی مگر شاید اب بھی تمہارے دل میں ہے تب ہی تو تمہیں شرعی بیوی کا دھیان نہیں آتا۔“ قدموں کی چاپ پر اس نے البمز کو واپس جگہ پر رکھ دیا جبکہ اس لڑکی کی تصویر اپنے قبضے میں کر لی نجائے کیوں آنسو بہنے لگے تھے۔

☆☆☆☆

”مشکل کہاں تھے محبت کے مرحلے
اے دل! سوال مگر دوستی کا تھا
وہ جس کی دوستی بھی متاع خلوص تھا
محسن وہ شخص بھی میرا دشمن کبھی کا تھا“

صحاب کی تصویر دیکھنے کے بعد وہ چپ سی ہو گئی تھی اس تبدیلی پر سب نے حیرانی کا مظاہرہ کیا تھا دی جان نے استفسار بھی کیا مگر وہ ٹال گئی اور جسے پوچھنا چاہے تھا وہ ہنوز لا پرواہ تھا اس کا دل دکھ سے بھر گیا جو اسے اپنے سنگ باندھ کر لایا تھا جب وہی اس سے انجان تھا تو وہ کیسے سکون سے رہتی اور پھر یہ جاننے کے بعد کہ کوئی صورت اس کے دل میں بسی ہے اس کی راتیں انگاروں پر بسر ہونے لگیں تب ہی وہ اندر کی جلن باہر نکالنے لگی جان بوجھ کر اس کا کام خراب کرنے لگی اس کی نئی امریکن جینز جان بوجھ کے جلا دی جب اس نے شور کیا تو وہ بھی چیخ کر لڑنے لگی۔

”جس گھر میں آپ بہت استحقاق سے رہ رہی ہیں یہ میرا گھر ہے یہ بچے میرے ہیں یہاں آپ کو ویسے ہی رہنا ہے جیسے میں کہوں گا ورنہ آپ جاسکتی ہیں۔“ اشنا غیر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی کیا ہے مرد ذات؟ عورت جس گھر کو بنائی سنواری ہے جس گھر کے لئے اپنا آرام چین سکون چھوڑ دیتی ہے اسی گھر سے نکل جانے کو مرد کتنے آرام سے کہہ گزرتا ہے مردوں کی قوم واقعی بڑی خود غرض ہوتی ہے۔

☆☆☆☆

”مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آتی ہے
کسی کے جہر میں نیندیں گنا کے کچھ نہیں ملتا
مگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی

رداؤ انجسٹ 116 اگست 2016ء

وہی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا“
اشنا کے بھائی کی انجسٹ ملے ہوئی تھی اسے اچھا بہانہ ملا تھا وہ چند دنوں کے لئے گھر چلی گئی تھی وہ آ تو گئی تھی مگر اس کا دل وہیں کہیں رہ گیا تھا بچے اسے ہر روز فون کر کے آنے پر اصرار کرتے تھے مگر اس کے دل میں موہوم سی خواہش تھی کہ وہ خود اسے بلائے اس کی کمی اسے بھی تو محسوس ہو۔

”نہ بلائے میں بھی نہیں جاؤں گی پتا لگے اس کھٹور انسان کو۔“ اسجد کی کال آئی تھی دی جان کی طبیعت خراب تھی اور اسے آتے ہی بن پڑی بخار میں دھت دی جان برسوں کی مریضہ لگ رہی تھیں۔
”میکے جا کے بیٹھ جانے کی کیا تک تھی؟ دی جان بوڑھی ہو گئی ہیں بچوں کی عادتیں تو تم نے بگاڑ رکھی ہیں۔“
”چلو تم نے کچھ تو مانا۔“

”زہر لگتی ہیں مجھے وہ لڑکیاں جو اپنا گھر چھوڑ کر میکے جا بیٹھتی ہیں۔“ اس کی صورت دیکھتے ہی وہ برس پڑا۔
”اپنا گھر۔“ اس نے تسخرانہ لہجے میں جتایا تو وہ نظریں چرا گیا۔
”تمہارا نام نہاد دخل میں نے نہیں اتارا تو میرا نام بھی اشنا نہیں۔“ وہ سکے بیٹے کی طرح دی جان کی دیکھ

بھال کر رہا تھا۔
”آپ ہمیں میں پٹیاں رکھتی ہوں۔“ اس کے تھکے ہونے کو دیکھتے ہوئے ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو کر کہا۔
”بچے سو گئے؟“ بیڈ سے اٹھ کر کرسی پر فرد کش ہو گیا۔

”دی جان کے باعث خاصے اب سیٹ ہو گئے ہیں بڑی مشکلوں سے سلا کے آئی ہوں آپ کافی پی لیں
تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔“ اس نے ٹنگ تھمایا آئیجان عیص اسے دیکھتا رہ گیا اس کے آنے کے بعد بچے جس طرح سنہلے تھے اور دی جان بخار میں بھی جس طرح آسودہ نظر آرہی تھیں یہ سب دیکھ کر اسے اپنے اعصاب پر سکون محسوس ہو رہے تھے ورنہ تو اسے رہ رہ کر اس کی غیر موجودگی پر طیش آ رہا تھا۔

”میں دی جان کے پاس ہی سو جاؤں گی۔“ پٹیاں بدلتے اس نے کہا تو وہ اور پر سکون ہو گیا۔ صبح اس کی آنکھ معمول سے پہلے ہی کھل گئی تھی وہ دی جان کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا مگر دروازے میں ہی ٹھٹھک گیا وہ دی جان کے بیڈ کے دوسرے کونے میں سو رہی تھی ناول سینے سے لگا ہوا تھا دایاں ہاتھ ناول کے اوپر تھا جبکہ بائیں ہاتھ ارض کے نیچے تھا دھات سوٹ میں اس کا حسن پھوٹ پڑ رہا تھا دھات دوپٹے کا ایک سراشانے پر انکا ہوا تھا باقی کارپٹ پر پڑا ہوا تھا اس کے خواب دیدہ حسن سے وہ ہنسنے لگا تھا چہرے کے نیچے لان میں چلا آیا۔ صبح صادق کی ٹھنڈی ہوا اعصاب کو بے حد بھلی لگ رہی تھی وہ گھاس بڑوا کر رہا تھا اس کی سوچوں کا مرکز وہی تھی۔

اشنا جیسے اس نے بحالت مجبوری زندگی میں شامل کیا تھا مگر اس نے قدم قدم پر احساس دلایا تھا کہ وہ اس گھر کے لئے کتنی لازم ہوتی جا رہی تھی اسے اتر اتر تھا وہ جھلی سی لڑکی اس کے دل میں گھر کر گئی تھی مگر وہ اسے بتا نہیں پارہا تھا اسے ڈرتھا کہ اگر وہ اسے اپنی محبت کے حصار میں لے گا تو وہ اس کی محبت میں کہیں بچوں کو فراموش نہ کر دے اور یہ وہ بھی نہیں چاہتا تھا اس نے کبھی فاصلہ پانے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہر کسی سے گھٹنوں باتیں کرتی تھی مگر کمرے میں آتے ہی اس کی زبان کہیں کھوجاتی تھی وہ لاقلتی جتنا تھا تو وہ اجنبی بن بیٹھی تھی۔

”چائے۔“ اشنا کی آواز قریب سے سنائی دی اس کے قدم بے ساختہ رک گئے گردن موڑ کر اسے دیکھا چائے کہ دو گنگ لئے حاضر تھی۔

رداؤ انجسٹ 117 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”اپنے لئے بنارس ہی تھی تو آپ پر بھی نظر پڑ گئی۔“ آئیجان نے مگ تھام لیا وہ اپنا لگ لے کر جانے لگی۔
”اشنا!“ وہ بے ساختہ پکار بیٹھا اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔
”جی۔“

”یہاں میرے ساتھ چائے پینے میں کوئی مسئلہ ہے؟“ وہ جانے کس جذبے کے تحت کہہ بیٹھا اشنا نے بے حد چوک کر اسے دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا مٹی میں سر ہلا کر وہ لان چیر پر بیٹھ گئی وہ بھی اس کے مقابل بیٹھ گیا۔
”آپ جلدی جاگ گئے۔“ آئیجان تلک میز پر رکھا۔
”ٹھیک سے نیند نہیں آئی۔“ وہ اس کے دھلے دھلے کھڑے کو دیکھ رہا تھا صبح کی نرم ہوا کے ساتھ اس کی موجودگی خوبصورت لگ رہی تھی۔
”اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی جب میں نے کہا تھا کہ میں دی جان کے پاس ہوں تو.....“ نظریں گلا آمیز تھیں۔
”یہ بات نہیں تھی۔“ سجا نے کیوں وہ وضاحت پیش کرنے لگا۔

”کیسی طبیعت ہے اب دی جان کی.....؟“ ٹمپرچر کم ہوا.....؟“ وہ بات بدل گیا وہ یہ اظہار نہ کر سکا کہ بیڈ کا ایک کونا خالی ہو تو اسے نیند نہیں آتی بھی ساری رات اس کو نے کو تکتے گزر گئی اس لئے کو تھپتھپے رکھا خود سے جس میں اس کی خوشبو اس کا لس تھا۔
”پٹیاں بدلنے سے کافی فرق پڑا ہے جھینکس ٹو اللہ اب بہت بہتر ہے میں نماز پڑھ لوں پھر بچوں کو اسکول کے لئے تیار کرنا ہے آپ آفس جائیں گے ناں.....؟“ وہ خالصتاً بیویوں والے انداز میں گویا تھی وہ ہر ہلانے لگا۔
”اشنا میں معذرت چاہتا ہوں اس دن.....“ وہ بات مکمل نہ کر سکا۔ اشنا جو خود چاہتی تھی وہ معافی مانگے اور اب جب وہ مانگ رہا تھا تو جانے کیوں اسے خود اچھا نہیں لگ رہا تھا اسے شرمسار دیکھنا۔
”کوئی بات نہیں سچ ہی کہا ہے آپ نے یہ کھر آپ کی بیوی کا ہے..... میں تو.....“ اشنا کے حلق میں کوئی چیز پھنس گئی تھی اس نے تلک لیوں سے لگا لیا اور گرم چائے حلق سے اٹھ بیٹھ گئی۔
”تمہیں شک ہے کہ تم میری بیوی نہیں ہو.....؟“ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھائے وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا وہ ارد گرد نظر دوڑا رہی تھی جیسے اس صورتحال سے فرار چاہ رہی ہو لان میں اترتے کبوتر اس کی توجہ کا مرکز تھے۔
”یقین ہے۔“ وہ مسکرائی بھی ایک بل کو اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے گرم چائے کا گھونٹ اندر اتارا آئیجان عیس سے اس کی آنکھوں کی اداسی چھپی نہ رہ سکی اپنا خالی لگ لے کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا اس سے جان چھڑانے کو اس نے گرم چائے منٹوں میں ختم کر دی تھی جس کا ایک گھونٹ بھی آئیجان نے ابھی نہیں پیا تھا وہ اس جھلی لڑکی کا مجرم خود کو سمجھنے لگا اس کی اداسی اسے بھی بے کل کر گئی تھی۔

☆☆☆☆

”احد! میں آپ سے کچھ باتیں پوچھوں گا آپ سچ جواب دو گے۔“ بطور رشوت چاکلیٹ کا زیہراتار کے اس کی طرف بڑھایا جسے احد نے جلدی سے تھام لیا۔
”دو گے۔“ مزے سے چاکلیٹ کھاتے احد نے شدید سے سر ہلایا۔
”قسم کھاؤ۔“

روزانہ تجلث [118] اگست 2016ء

”ماما نے قسم کھانے سے منع کیا ہے سوری قسم تو جھوٹے لوگ کھاتے ہیں نا۔“ وہ جو کچھ جانتے کچھ سرائے لگانے بیٹھا تھا پہلے ہی مقام پر بیٹھا گیا۔
”اچھا یہ بتاؤ ماما آپ کو کیسی لگتی ہیں.....؟“ وہ مدعا کی طرف آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔
”ویری گڈ لکنگ!“ لنگی سے چاکلیٹ چاٹتے اور معصومیت سے گویا تھا۔
”میں گڈ لکنگ لکنے کی بات نہیں کر رہا۔“ اس کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا۔
”پھر.....“ احد کا انداز دید قابل تھا گفتیش کے لئے اس نے احد کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ اسجد اور نشاء کی نسبت وہ معصوم تھا مگر وہ اسے اپنے بال لوپنے پر مجبور کر رہا تھا۔
”جب سے ماما آئی ہیں انہوں نے بھی آپ لوگوں کو مارا پٹا، کبھی ڈانچا؟“ اگلا سوال ہوا آس تھی کہ جواب یہاں میں ہوگا۔

”بھی نہیں ماما بولتی ہیں ایک دوسرے کو مارنے پینے والے لوگ جاہل ہوتے ہیں وہ جانور بن جاتے ہیں جب وہ کسی کو مارتے ہیں تو اس کے سر پر یہ سینک نکل آتے ہیں لمبے لمبے دانت.....“ اس نے اسجد بھائی نے جب نشاء کی پٹائی کی بھی مات مانے سمجھایا تھا پھر نشاء نے پوچھا تھا کیا چاچو کے سر پر بھی سینک نکل آئیں گے اور ان کے دانت لمبے ہو جائیں گے آپ نے اسجد بھائی کو مارا جو تھا۔“ وہ خود کو ان دو چیزوں سے آراستہ عالم تصور میں بھی دیکھ کے جھرجھری لے کر رہ گیا۔
”ماما بہت دیر تک ہنسی تھیں۔“ وہ پہلو بدل کے رہ گیا اور پھر چاکلیٹ کھانے میں مصروف ہو گیا۔
”تم لوگوں پر غصہ نہیں کرتیں.....؟“ اس کے ہاتھ اشنا کے خلاف ایک بھی ثبوت نہیں لگ رہا تھا۔
”نہیں بلکہ ایک دن بھائی سے ماما کا جیوری باکس ٹوٹ گیا بھائی ڈر گیا مگر ماما نے کہا ہر چیز کے ٹوٹنے کی ایک عمر ہوتی ہے۔“ بھائی کو افسوس ہوا تھا مگر ماما نے کہا مجھے اپنے بچوں سے زیادہ کچھ عزیز نہیں۔“

”ہوں۔“ وہ دل سکڑ کے رہ گیا۔
”ماما اک دن شاپنگ کو گئی تھیں ہمارے سوٹ کے ساتھ ماما نے اپنے لئے بھی ایک سوٹ پسند کیا تھا نشاء سوٹ دیکھتے ہی لٹو ہو گئی آپ کو پتا ہے نا وہ کتنی چھپھوری ہے ماما نے اسی وقت بیٹھ کے نشاء کی فرمائش پر کرنا پاجامہ سی کر اسے پہنا دیا دی جان نشاء کو ڈانٹنے لگیں تو انہیں سمجھایا۔“ وہ اس کی خامیاں سننے بیٹھا تھا جبکہ احد فرار سے اس کی خوبیاں بیان کئے جا رہا تھا۔
”اچھا زار اور ڈالوڈ ہن پر اور سوچو جی وہ تمہیں بری لگیں.....؟“ اس نے آخری آس سے پوچھا۔
”نہیں تو.....“ احد نے افسوس سے سر ہلایا۔

”احد بیٹا! آپ کا انٹرویو ختم ہو چکا ہو تو آپ اسٹڈی روم میں جاؤ آپ کے ٹیوٹر آچکے ہیں۔“ اشنا دروازے میں ایستادہ گئی آئیجان ایک دم سے بیٹھا گیا پڑے جانے کا احساس جو نہیں تھا۔
”ماما! چاکلیٹ کھائیں گی.....؟“ بیڈ سے اتر کر احد اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
”آپ کھاؤ رشوت آپ کو دی گئی ہے۔“ اشنا نے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے آئیجان عیس پر چوٹ کی۔
”یہ تو مجھے پیانے دی ہے چاکلیٹ.....“ پیایہ چاکلیٹ ہے یا رشوت.....؟“ احد معصومیت سے پوچھ رہا تھا آئیجان عیس برا پھنسا تھا۔
”ماما کل تک تو اسے چاکلیٹ بولتے تھے کیا اس کا نام چینی ہو گیا ہے۔“ وہ ازلی معصومیت و حیرانی سے

روزانہ تجلث [119] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

استفسار کر رہا تھا۔
”پھر کبھی فرصت سے رشوت کے متعلق بتاؤں گی ابھی آپ پڑھنے جاؤ۔“ انگلیوں سے احد کے بال سنوار کر اسے روانہ کیا۔
”آئندہ آپ کو کسی بھی سوال کا جواب چاہئے ہو مجھ سے براہ راست بات کیجئے گا بچوں کا ذہن خراب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ ترش لہجے میں کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆

”ماما! کوئی حرا ہیں پاپا کا پوچھ رہی ہیں۔“ سب لاؤنج میں بیٹھے تھے جب احد نے فون ریسیو کیا۔
”کہہ دو پاپا گھر میں نہیں ہیں۔“ وہ یونہی بیٹھے بیٹھے بولی احد نے میسج پہنچا کر فون رکھ دیا۔
بچے کیرم کھیل رہے تھے دی جان اشنا کو بخور دیکھ رہی تھیں جو اپنی بیٹی پر نظریں جمائے خاصی افسردہ نظر آ رہی تھی ابھی شادی کو سال بھی نہیں ہوا تھا مگر وہ تھکی تھکی نظر آنے لگی تھی عورت ایک پودا ہے جسے اگر مرد کی رفاقت توجہ اور محبت کا کھاد پانی نہ ملے تو پودا جل جاتا ہے اکثر اوقات سوچتی تھی جب آئیجان عیص کو بیوی کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑ رہا تھا تو اسے شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی دل اس وقت بہت دکھتا ہے جب آپ کی اپنی ہی چیز نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی آپ کی پہنچ سے بہت دور ہو اس کی رسائی کسی طور پر ممکن نہ ہو جب بھی زردوری عروج کو چھوتی تو وہ اس کی زندگی سے نکل جانے کا فیصلہ کر لیتی مگر بچوں کا خیال اسے اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنچانے نہیں دیتا تھا وہ بچوں کی حقیقی ماں نہیں تھی مگر اس نے بننے کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس نے بہت سے ایسے بچے دیکھے تھے جو محبت کی کمیابی کے باعث معاشرے کے لئے ناسور بن جاتے ہیں اس کی فطرت میں خود غرضی نہیں تھی۔
”تمہیں کچھ ہوش ہے کہ نہیں؟“

”کیا ہوا دی جان؟“ ان کے کڑے انداز پر چونک گئی۔
”اب مطلب بھی میں سمجھاؤں حرائی لڑکی کا فون تو اتر سے آئیجان کے لئے آ رہا ہے اور تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کسی بیوی ہو تم؟“ دی جان آج اس کی کلاس لینے کے موڈ میں تھیں۔
”کوئی کام ہو سکتا ہے۔“ اس کا لہجہ کمزور تھا جب اس نے اس کے وجود کو بطور شریک حیات تسلیم ہی نہیں کیا تھا تو وہ کیسے اس کے معاملات میں دخل دیتی۔

”ایک عورت کو مرد سے کون سا کام ہوتا ہے جو اسے بار بار فون کرے؟“ دی جان کا انداز ہنوز جھکے ہوا تھا۔
”مجھے آپ کی بات سمجھ نہیں آ رہی دی جان!“ وہ جھنجھلا گئی۔
”بیوی ہو تم آئیجان کی پوچھو اس سے کیوں اک اجنبی عورت فون کر کے اسے پوچھتی ہے اور صرف اسی وقت جب آفس ٹائم ختم ہو جاتا ہے۔“ دی جان کی ہر بات پر نظر ہی اسے حیرانی ہوتی کہ وہ اتنی لاپرواہ کیسے ہو گئی شاید اس لئے کہ وہ ابھی تک سب کو سونچ رہی تھی پھر اپنی جلدی خراص صبح کہاں سے آگ آئیں۔
”یا اللہ یہ مرزے یا گھن چکر لعنت ہو! اشنا عیص تمہیں محبت کرنے لائق ملا بھی تو کون؟“ وہ سخت کبیدہ ہوئی دی جان مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

”مرد تو ناقابل اعتبار قوم ہے جلتے توے پر ہاتھ رکھ کر بھی کہے کہ اس کی زندگی میں کوئی عورت نہیں تو بھی عورت کو آکھیں کھلی رکھنی چاہئے جانے کب کہاں وہ ہر جانی بن جائے۔“ اور یہی دی جان کی باتوں کا ہی اثر تھا

رداؤ بجسٹ 120 اگست 2016ء

جب رات وہ اس سے ٹیکھے انداز میں استفسار کر رہی تھی۔
”یہ حرا کون ہے؟“ آئیجان عیص نے چونک کر اسے دیکھا جو دونوں ہاتھ کمر پر رکھے اسے گھور رہی تھی اس نے توجہ پھر اپنے کام میں مرکوز کر لی وہ آفس کی فائل بیڈ پر بکھیرے مصروف تھا۔
”میں کچھ پوچھ رہی ہوں؟“ اسے ہنوز فائل پر نظریں جمائے دیکھ کر اشنا نے اس کے آگے سے فائل کھینچ لی۔

”یہ کیا کر رہی ہو؟“ وہ بھنکا گیا اس کی جرأت پر دنگ رہ گیا۔
”کون ہے حرا! کیوں فون کر کے آپ کا پوچھتی ہے؟“ اس کی خاموشی اسے مزید غصہ دل رہی تھی وہ ذرا مرعوب نہ ہوئی۔
”منع کردوں گا گھر کے نمبر پر فون کرنے سے فائل دو۔“ آئیجان عیص نے اب کے پرسکون لہجے میں کہا اسے آگ لگ گئی۔

”تو گویا آپ قبول کر رہے ہیں کہ آپ اسے جانتے ہیں؟“ وہ کھا جانے والی نظروں سے اٹھ رہی تھی۔
”ظاہر ہے میری پرسنل سیکریٹری ہے۔“ اس نے جیسے لطف لیا۔
”گھر میں فون کیوں کر رہی ہے؟“ اس کا پرسکون لہجہ مسکراتا چہرہ اسے آگ بگولہ کر رہا تھا جی چاہا اس کا سکون درہم برہم کر دے۔

”ظاہر ہے آفس آدرو کے بعد میں گھر میں ہوتا ہوں اور اکثر میل فون بند رکھتا ہوں تو وہ گھر میں ہی کال کرے گی نا۔“ اس نے بھی جیسے ہر سوال کا جواب دینے کی قسم کھالی تھی اب دوسری فائل کھول کر دیکھنے لگا۔
”کیوں کرتی ہے وہ آپ کو فون؟“ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سامنے بیٹھے آئیجان عیص کو ہنس نہیں کر دے۔
”ایک عورت ایک مرد کو کیوں فون کرتی ہے؟“ وہ الٹا ہی سے پوچھنے لگا مستی بھری آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں بغور جھانکا وہ تلملا گئی۔

”آپ نے بتایا نہیں آپ میری ہیں؟“ غضبناک ہو کر پوچھا۔
”ہاں میں نے بتایا ہے میرے گھر میں میری منکوحہ رہتی ہے۔“ سر جھکا کر فائل دیکھنے لگا۔
”کہہ دیجئے گا اپنی لگتی سکتی کو آئندہ فون نہ کرے ورنہ۔“

”ورنہ کیا؟“ اس کا سر بندستور جھکا ہوا تھا اشنا نے فائل کا رول بنا کر اس کے شولڈر پر دبے مارا اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

”اپنی لگتی کو کہہ دیجئے گا اور آپ بھی یاد رکھئے گا کہ اشنا عیص اپنے حقوق کسی کو غضب کرنے نہیں دیتی۔“ تن فن کرتی اپنے پیچھے اس نے اتنی زور سے دروازہ بند کیا کہ آئیجان عیص نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور کب کی رگٹی ہنسی کو باہر آنے کا موقع دیا سر جھکا کے وہ مسلسل اپنی ہنسی ضبط کر رہا تھا وہ دیکھ لیتی تو مزید چراغ پابو جاتی۔

☆☆☆☆

اشنا عیص کا سکون غارت ہو گیا تھا آئیجان نے جس طرح کا انداز اپنا رکھا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ معاملہ کچھ اور بے رونے کے ساتھ اسے غصہ بھی آ رہا تھا وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی جب فون بجنے لگا اس کا دھیان حرا کی طرف گیا صبح سے ہی وہ اس کی کال کی منتظر تھی۔

رداؤ بجسٹ 121 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”سز سے بات کروادیں۔“ نرم آواز سنائی دی۔
”آپ کون.....؟“ اس نے شک دور کرنا چاہا۔
”میں حرا ہوں۔“

”کیا کام ہے آئیجان سے۔“ اشنا کا لہجہ آگ اگل رہا تھا۔
”یہ میں انہیں ہی بتاؤں گی۔“ وہ چمک کر گویا ہوئی۔
”پہلے کتنی جگہوں پر پرسنل رہ چکی ہو.....؟“ اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔
”آپ کون.....؟“ حرا نے ناگواری سے پوچھا۔ صاف ظاہر تھا سوال پسند نہیں آیا۔
”سز آئیجان میں۔“ اشنا کا انداز جتانے والا تھا۔

”سرگھر نہیں ہیں کیا.....؟“
”کیا سرسری رٹ لگا رہی ہے شرم نہیں آتی کسی کے میاں پر ڈورے ڈالتے مگر سیکم نے یہیں رہنا ہے قبر میں نہیں جانا جہاں جہنم کا دروازہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ وہ دھاڑی بس چلتا تو فون میں گھس کے اس کی چوٹی بھیج دیتی۔

”میرا خیال ہے آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“
”مجھے تو تمہاری نیت خراب لگ رہی ہے، خبردار اجوتم نے میرے میاں کو پھر فون کیا تو.....“
”ورنہ کیا کر لیں گی آپ.....؟“ حرا کھل کر سامنے آئی۔

”مجھ سے بنگالہ میں خود پنگے باز ہوں۔“
”مجھے مت ڈرائیے اپنی فطرت بھی کچھ ایسی قسم کی ہے۔“ حرا کا انداز بھی چیلنج والا تھا۔
”مجھے کیوں سن رہی ہیں ہو سکے تو اپنے میاں کو سمجھا لیجئے ویسے یہ میری سلور جوبلی ہے آپ جیسی بے چاری عورت میں نے کئی دیکھی ہیں جنہوں نے میرے ہاتھ پاؤں جوڑے کہ میں ان کے شوہر کا پیچھا چھوڑ دوں۔“ حرا کا لہجہ میں غرور تھا۔

”اوہ..... تو یہ تمہارا پروفیشن ہے سبحان اللہ۔“ اشنا نے جلتی پر تیل ڈالا۔
”وہ اور عورتیں ہوں گی جو تم جیسی زہریلی ناگن کے پاؤں پر پڑتی ہوں گی اب کے تمہارا سامنا اشنا عبیر سے ہوا ہے چار چوٹ کی ایسی مار لگاؤں گی کہ گولڈن جوبلی کے خیال بسے ہی روح کا پنے لگے گی۔“ اس کے لہجہ میں پرانا جاہ و جلال خود کرا آیا جسے اس نے تھک تھک کر سلا دیا تھا۔
”تو تھک ہے اپنے میاں کو بچا سکتی ہیں تو بچا لیجئے۔“ چیلنج کر کے حرا نے فون رکھ دیا تھا کچھ سوچتے ہوئے اشنا نے بھی فون رکھ دیا۔

☆☆☆☆

”السلام علیکم!“ میں سز آئیجان میں ہوں حرا یہیں رہتی ہیں.....؟“ وہ متوسط علاقے کے درمیانے سے گھر میں کھڑی تھی سامنے ایک ادھیڑ عمر کی عورت اسے دیکھ کر مرعوب ہو رہی تھی پیچھے کھڑی تیجرو میں باوردی ڈرائیور اس کی امارت کا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا۔
”جی ہاں.....“ عورت اشنا کے مہنگے ملبوسات اور ڈائمنڈ کی نوزین میں کھوئی ہوئی تھی۔
”میں حرا کے پاس کی وائف ہوں۔“ اس نے تعارف کروایا۔

ردا ڈائجسٹ [122] اگست 2016ء

”ارے آئیے نا میں حرا کی ماں ہوں۔“ انہوں نے اندر آنے کا راستہ دیا درمیانے درجے کے صوفہ پر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کے وہ آرام سے بیٹھ گئی۔
”حرا داش روم میں ہے ابھی ابھی آفس سے لوٹی ہے نا۔“
”اسی لئے تو ابھی آئی ہوں۔“

”حرا کے غالباً دو بھائی اور والد ہیں۔“ وہ ساری معلومات لے کر آئی تھی۔
”جی سب گھر میں ہیں۔“ عورت کچھ ہی تھی۔
”آپ کے لئے ٹھنڈا منگواؤں یا گرم.....؟“
”تمہاری بیٹی کو گرم کر کے میں گھر جا کے آرام سے ٹھنڈا پیوں گی۔“

”آپ حرا کے والد اور بھائیوں کو بلائیں میں ان سے ملنے آئی ہوں۔“ وہ بھاگ بھاگ تینوں کو بلا لائیں اس نے ایک نظر میں ان کے شریفانہ چہرے سے اندازہ لگالیا کہ یہ لوگ حرا سے ہٹ کے ہیں تینوں ہی اسے عزت و احترام بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اس نے ترتیب دیا ہوا خطاب فرما دیا۔
”مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ جیسے شریف گھرانے کی لڑکی میرے شوہر کو بھارتی ہے اس نے کل مجھے چیلنج کیا کہ میں اپنے شوہر کو بچا سکوں تو بچالوں میں چاہتی تو بہت آسانی سے اسے سبق سکھا سکتی تھی مگر میں نے چاہا کہ آپ سب کے علم میں لاؤں اگر حرا کی بدستوری یہی حرکت رہی تو میں انتہائی قدم اٹھاؤں گی۔“
”آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ ہمیں امید نہیں تھی ہماری بہن ایسی گھٹیا حرکت کر سکتی ہے ہم آپ سے معذرت چاہتے ہیں۔“ حرا کے باپ بھائی کے منہ غیرت سے سرخ ہو گئے۔
”تو میں امید رکھوں کہ.....“ وہ ان کی حتمی رائے جانا چاہتی تھی۔

”ہم اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے آپ آرام سے اپنے گھر جائیں۔“ حرا کے ابو غیض و غضب سے دھاڑے۔

”نار چر نہیں کریں بس آپ لوگ اسے سمجھائیں۔“ اشنا عبیر کی بات ادھوری رہ گئی۔
”کون ہے امی.....؟“ حرا بولتے ہوئے اندر تشریف لائیں کبھی باپ بھائی کو ایک اجنبی لڑکی کے سامنے دیکھ کر ٹھنک گئی اشنا نے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔

”ایویں میں تو ہے۔“ اشنا اٹھ کر اس کے قریب آئی۔
”میں سز آئیجان میں ہوں۔“ اس نے مسکراہٹ لبوں پر سجائی حرا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔
”میں تمہارے گھر والوں کو مطلع کرنے آئی تھی کہ تم کیسے ان کی عزتوں کا جنازہ نکال رہی ہو۔“ اشنا کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

”ابو یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔“ حرا کا لہجہ کپکپا گیا۔
”ہمیں سچ اور جھوٹ کی پرکھ ہے۔“ اس کا بھائی دھاڑا تو لرزتے ہوئے حرا نے دروازہ تھام لیا اشنا اس کے قریب آئی۔

”میں نے کہا تھا نا حرا بیگم! وہ اور عورتیں ہوں گی جو تمہارے پاؤں پر پڑتی ہوں گی اشنا عبیر ایک ہی جھٹکے میں پراہم جڑ سمیت اکھاڑ بیٹھتی ہے۔“ اشنا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی حرا خوفزدہ نگاہوں سے باپ بھائی کے غصیلے

ردا ڈائجسٹ [123] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

چہرے دیکھ رہی تھی کتنا ہنگامہ اٹھا اسے اشنا سے پہنچا لیتا۔

☆☆☆☆

اشنا غیر بیڈ پر پیارے نیل پینٹ لگا رہی تھی تب ہی وہ تنٹاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔
”تم حرا کے گھر گئی تھیں.....؟“ وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

”جلو جی آپ سے تو نجات ملی ان کے منہ سے آپ سن کے تو دل چاہتا تھا میٹھی جیٹی پل سے دھکا دے دوں۔“ وہ اپنے کام میں منہمک تھی تب ہی بازو سے گھسیٹ کے اس نے اسے اپنے سامنے کھڑا کیا وہ ڈول کر اس کے سینے سے جا لگی۔

”اجڈ کا اجڈی رہے گا۔ شخص گلے لگانے کو تاجی چاہ رہا ہے تو ذرا پیار سے لگائے۔“

”کیوں گئی تھیں تم حرا کے گھر.....؟“ شولڈر جھنجھوڑ کے پوچھا انداز برہم تھا۔

”اس کے گھر والوں کو بتانے لگی تھی کہ ان کی لڑکی ہاتھ سے نکل رہی ہے۔“ بظاہر پرسکون لہجہ تھا مگر اندری اندر کھول گئی کہ حرا نے اتنی جلدی اسے رپورٹ کر دی۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا بھتی کیا ہو خود کو.....؟“ اس کا انداز بھاڑ کھانے والا تھا ایک پل کو تو وہ ڈر گئی۔

”ہونہہ جوڑ گیا سمجھو مر گیا۔“

”سمجھنے کی کیا ضرورت ہے میں ہوں سزا عیجان عیص۔“ لہجہ کی مضبوطی پر آعیجان صیص عیص کراٹھا۔

”ان حرکتوں سے تم جتنا کیا چاہتی ہو کیا اس شہر میں حرا کی کمی ہے۔“

”کتنا گھٹیا انسان ہے یہ۔“

”میں ہر حرا کے گھر پہنچ جاؤں گی۔“ اس کا انداز بھی بڑھتا تھا۔

”تم کیا سوچ رہی ہو ان ہتھکنڈوں سے مجھ پر قبضہ کر لوگی.....؟“ اس کے شانے چھوڑ کے ہاتھوں کے پیالے میں اس کا چہرہ بھر لیا اشنا کے لئے اس کا یہ انداز خاصا سٹپا دینے والا تھا۔

”قبضہ تو میں عرصہ پہلے کر چکی ہزاروں لوگ شریک ہوئے تھے ہماری شادی میں۔“ انداز استحقاق لئے ہوئے تھا آعیجان نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

”میں نے حرا کے گھر جا کر معاملہ رفع دفع کر دیا ہے خبردار جو تم نے پھر کوئی حرکت کی۔“ جھٹکے سے اسے پیچھے کیا۔

”اگر وہ مجھے دوبارہ نظر آئی تو اچھا نہیں ہوگا۔“ وہ دھاڑی۔

”اچھا کیا کر لوگی تم.....؟“ اس کے لال بھیمو کا چہرے کو دیکھا۔

”آپ کو بتا دوں تاکہ آپ اپنی لگتی سکتی کو تیار کر لیں۔“ بکھرے بالوں کو سیٹنے لگی۔

”کیوں تکلیف ہو رہی ہے تمہیں.....؟“ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھا اشنا سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

”تم اس گھر میں بچوں کے لئے آئی ہو۔“ آعیجان نے جتایا۔

”تو آ یا بنا کر لانا چاہئے تھا نا نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ تڑک کے بولی اتنے مہینوں بعد آعیجان کا توجہ دینا وہ بھی کسی اور لڑکی کو اسے آگ لگا گیا تھا۔

”ہاں غلطی ہو گئی۔“ آعیجان نے پرسکون انداز میں سر ہلایا اس گھڑی ملا کا غصہ آیا تھا اشنا غیر نے پل بھر میں سارا کمر اٹپٹ کر دیا چادر تکیہ گلدان کشیز سب قالین پوش ہو گئے تھے دروازے سے پشت نکائے وہ

رواڈ انجسٹ 124 اگست 2016ء

خاموشی سے اس کی کارگزاری دیکھ رہا تھا وہ وارڈروب کی طرف بڑھی تمام کپڑے یا ہر پھینک کر اس نے نچلا خانہ کھولا وہ سرعت سے اس کے پیچھے پہنچ گیا تب تک وہ ریوالور سنہال چکی تھی آعیجان نے پھرتی سے اس کی کلائی تھام لی۔

”چھوڑو مجھے۔“ وہ اس کے بازوؤں میں پھڑپھڑا کے رہ گئی تلملا کے اس کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔

”میرے اللہ۔“ وہ چکرا کے رہ گیا مگر گرفت مضبوط ہی رہی۔

”چھوڑتے کیوں نہیں چھوڑو مجھے۔“ اس کے فولادی جسم کے آگے ساری مزاحمت دھری کی دھری رہ گئی۔

”پاگل ہو گئی ہو.....؟“ اس کے شدید رد عمل پر وہ شا کڈ رہ گیا۔

”ہاں میں پاگل ہو گئی ہوں۔“ وہ چلائی۔

”حرا کو قتل کر کے کیا ملے گا تمہیں.....؟“

”میں آپ کو قتل کروں گی۔“ وہ غرائی۔

”ایں..... مجھے.....؟“ وہ دنگ رہ گیا۔

”ہاں تاکہ آپ کسی کی طرف نہ دیکھ سکیں جو چیز میری ہے اس پر دوسرا حق جتانے تو میں اس چیز کو ہی ختم کر دوں گی۔“ اس پر جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔

”میں مر گیا تو تم کہاں ہو گی جانتی ہو.....؟“ اس نے کلائی پر گرفت مضبوط کی۔

”جیل میں۔“ لہجہ کی لڑکھٹا ہٹ اس سے چھپی نہ رہ سکی۔

”میں مر جاؤں گا تم جیل چلی جاؤ گی پھر بچوں کا کیا ہوگا.....؟“ وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی۔

”میں آپ کو قتل کرنے کے بعد سوچوں گی۔“ وہ اڑی ہوئی تھی۔

”مگر میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔“ وہ دلکشی سے مسکرایا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اشنا اس کی مسکراہٹ پر مڑتی۔

”آپ کو مرنا ہوگا۔“ اشنا کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا دونوں ہاتھ دائیں بائیں قابو کر کے آعیجان نے اسے دیوار سے لگا دیا تھا۔

”کہو تو تمہاری آنکھوں میں ڈوب کے مر جاؤں؟“ انداز بے حد شریر تھا اس کی طرف جھکا وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا وہ سبکت رہ گئی اس کی مستی بھری آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی اس کے سامنے آعیجان کا نیا روپ تھا

آعیجان نے پھرتی سے ریوالور اپنے قبضے میں لے کر وارڈروب کی طرف پھینک دیا شکست کے باعث وہ تلملا اٹھی آعیجان کی شرٹ کا کالر نوچ کھسٹ دیا اس پر کون کی بارش کر دی۔

”بڑا دم ختم ہے اس وہاں پان سے جسم میں۔“ وہ جھک کے گستاخی کر گیا وہ تڑپ کر پیچھے ہٹی پھر جیسے اس کی بیڑی ختم ہو گئی بازو کے گھیرے میں لئے آعیجان نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا گھٹنوں میں چہرہ چھپائے وہ تل اسپید سے رونے لگی لا کر سے بلیو مچلیس کیس نکال کر آعیجان اس کے مقابل بیٹھ گیا آہستہ سے ہاتھ تھام کر ڈائمنڈ کے نگین پہنانے لگا اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر گرفت مضبوط تھی۔

”تم نے خود ہی تو کہا تھا رو نمائی تم اسی دن وصول کرو گی جس دن میں خود تمہیں محبت سے دوں گا۔“ سر اٹھائے وہ ہکا بکا اس کی صورت دیکھ رہی تھی۔

”جانتا ہوں بہت گلے ہیں تمہیں لیکن مجھے صفائی کا موقع تو دو۔“

”مجھے نہیں چاہئے بھیک.....؟“ اس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔

رواڈ انجسٹ 125 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”میں نے پورے خلوص و محبت سے پہنائے ہیں تو بین ممت کرو میرے جذبات کی۔“ اس نے التجا کی۔

”آپ کے اندر جذبہ بھی ہیں بہت خوب۔“ اشنا نے مسخرانہ لہجے میں کہا۔

”اشنا پہلے ٹھنڈے دل سے میری بات سن لو پھر تم جو کہو گی میں وہی کروں گا۔ لیکن پلیز پہلے میری بات سن لو۔“ اس کے انداز پر اسے سنجیدہ ہونا پڑا۔

”مما! پیا! بھیا! بھالی کے اچانک چلے جانے سے میں بہت تباہ ہو گیا تھا ٹوٹ گیا تھا۔ میرے اندر جینے کی لگن نہیں تھی مگر مجھے جینا پڑا ان تین بچوں کے لئے اسی دن سے میں نے اپنی ذات کو فراموش کر دیا۔ میری زندگی کا مقصد یہ بچے بن گئے میں بھول گیا تھا کہ میں بھی ایک انسان ہوں جس کی ترجیحات ہیں میں نے خود کو متکین بنالیا۔ دی جان ہمیشہ شادی پر فورس کرتی مگر میں ڈرتا تھا کہ میرے بچے کسی غلط ہاتھ میں نہ پڑ جائیں اور میں ٹالتا رہا۔ لیکن اس دن ہاسپٹل کے نیم تاریک گوشے پر نظر پڑی تو میں میں نہیں رہا۔ اس دن دل نے دھڑک کر مجھے احساس دیا تھا کہ میں بھی عام مرد ہوں جسے کسی لڑکی سے محبت ہو سکتی ہے دونوں پیر سیٹے جب تم دنیا سے بے نیاز ناول پڑھنے میں مگن نہیں تو میں نہیں پڑھ رہا تھا اپنے اندر کے شور سے گھبرا کر میں تم سے اچھے لگا۔ تم مجھے جہاں بھی نظر آتے میں تم سے الجھ جاتا میں خود سے ڈرنے لگا تھا۔

جب دی جان نے شادی کے لئے تمہارا نام لیا تو خوشی بھی ہوئی مگر میں خود سے پہلے ان بچوں کا سوچتا تھا۔ میری نظر میں تم غیر سنجیدہ لا پرواہ اور غیر ذمہ دار تھیں۔ لیکن دی جان نے میری بات کو اہمیت نہ دی اور تم اس گھر میں چلی آئیں مجھے بے حد خوشی ہوئی مگر مجھے اپنی خوشی چھپانی پڑی تمہارے ساتھ بیگانہ رویہ رکھا خود سے دور اس لئے رکھا کہ مجھے لگتا تھا اگر میں تمہارے قریب رہا تو مجھ میں کھوکھلے تم بچوں کو فراموش کر دو گی جو کہ میں نہیں چاہتا تھا۔ تمہیں نہیں خبر میں ہر بل تمہارا امتحان لے رہا تھا چاچا رہا تھا تم نے قدم قدم پر احساس دلایا کہ دی جان کا فیصلہ کتنا درست تھا۔ آج مجھے اقرار کرتے ہوئے کہ اگر تم نہ ہوتیں تو شاید میں ان بچوں کو کھود دیتا بچے تمہارے دیوانے ہیں مجھ سے زیادہ تم سے امیڈ ہیں اور سچ بتاؤں مجھے بے حد خوشی ہے تم نے ایک ماں کی طرح ان بچوں کو سیٹ لیا میں تم سے پہلے ہی محبت کرتا تھا اب عشق کرنے لگا ہوں۔“

”پھر خراکی گنجائش کہاں سے نکل آئی۔؟“ اشنا بیٹ سے بولی تو اس کا قبضہ بے ساختہ گونج گیا وہ اپنے سیل سے کال ملا کر کان سے لگا گیا دوسری طرف سے کال ریسیو ہو گئی تھی غالباً ”حراسب کچھ ڈسکر آپ ہو چکا ہے اب تم میری سسر کو سمجھاؤ۔“ وہ پہلو بدل کے رہ گئی آنیجان نے فون اس کی طرف بڑھایا وہ ایشی رہی تو زبردستی پکڑا دیا۔

”پلیز یار۔“ آنیجان نے انسٹ کیا۔

”ہیلو۔“ اشنا نے بے دلی سے کہا۔

”اشنا! دیکھیں میری کوئی غلطی نہیں ہے سر نے کہا تھا آپ کو تھوڑا سا ڈرامہ کرنا پڑے گا ایکٹنگ کا شوق تو مجھے بچپن سے ہی تھا میں نے سوچا پردے پر نہ ہی ریل لائف میں ہی سہی سر نے مجھے رول سمجھایا تو مجھے مشکل نہ لگا۔ لیکن آپ نے میرے گھر آ کر اس ڈرامے کا ڈراپ سین کر دیا۔ آفرین ہے آپ نے۔۔۔۔۔۔ بھائی لوگوں کے سسر جیسے خون سوار تھا وہ تو بھلا ہو سسر کا جنہوں نے آپ کی گاڑی کو گزرتے دیکھ لیا اور سسر کی بروقت آمد نے میرے گھر والوں کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا اور میری جان بخشی ہوئی۔“ حراسب نے تفصیل بتا رہی تھی۔

”تم نے یہ سب کیوں کیا۔؟“ اشنا حیرت سے استفسار کر رہی تھی۔

”اس کا جواب میں دیتا ہوں۔“ اس نے سیل فون اشنا کے ہاتھ سے لے کر کال کاٹ دی۔

”گھر اور بچوں میں کھوکھلے بھول گئی تھیں کہ تم میری بیوی بھی ہو تمہارے لئے ہر کسی کی اہمیت تھی سوائے میرے میں نے حرا کو تھوڑا سا ڈراما کرنے کو کہا تھا تاکہ یہ جان سکوں کہ تمہارے دل میں میرا خیال بھی ہے یا نہیں اہمیت ہے یا نہیں اسی لئے یہ ڈراما چلایا۔“ وہ حقیقت بتا رہا تھا۔

”اس ڈرامے نے میرا کتنا خون جلا پایا ہے آپ کو۔۔۔۔۔۔؟“ وہ نروٹھے پن سے بولی۔

”چلو یہ تو خبر ہوئی محترمہ ہم سے محبت کرتی ہیں۔“ انداز شوخ تھا۔

”بالکل نہیں۔“ وہ صاف مکر گئی۔

”رہنے دو مجھے سب خبر ہے یہ جان کر یہ بچے میرے ہیں آپ آٹھ آٹھ آنسو روئی تھیں اور ہاسپٹل میں ڈسچارج والے روز بار بار سمندر بہائے جا رہے تھے۔“ اس کی شوخی کا اشنا کے پاس جواب نہ تھا وہ ہلش ہو کر سر جھکا گئی۔

”کتنی گہری نظر ہے اس کی۔“

”مجھے اقرار ہے کہ تم واحد وہ سستی ہو جس نے پہلی اور آخری بار میرے دل میں گھر کیا ہے۔“

”پھر یہ کون ہے۔؟“ وہ سحاب کی تصویر نکال لائی پہلے تو اس نے تصویر کو دیکھا پھر ہنس دیا۔

”آپ کی پہلی محبت ہے غالباً۔“ وہ غصے سے گھور رہی تھی۔

”تم سے کس نے کہا۔۔۔۔۔۔؟“ وہ مظلوم ہو رہا تھا۔

”تصویر کی پشت پر لکھی غزل ہے۔“ منہ بنا کر بولی آنیجان نے تصویر کو پلٹ کر دیکھا۔

”یہ سحاب ہے یونیورسٹی فیلو مجھ میں انٹر سٹڈ تھی مگر میں نے بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی انہی دنوں

بچوں کی ذمہ داری مجھ پر آن پڑی دی جان نے شادی کے لئے فورس کیا تو میں نے سوچے سمجھے بنا اس کا نام لے دیا کہ سحاب کی خواہش تھی میں نے اسے صاف لفظوں میں سمجھا دیا کہ بچوں کی میری نظر میں کتنی اہمیت ہے اس نے کہا بچے تو تو کر پالیں گے اور میں نے اسے خدا حافظ کر دیا بس۔“

”اور یہ غزل آپ نے اس کے فراق میں لکھی تھی غالباً۔“ اسے ذرا یقین نہ آیا۔

”کہاں پھنسا ہوں میں کتنی بدگمان لڑکی ہو شاعری کے اچھی نہیں لگتی اور میں تو ان لوگوں میں سے تھا جن

کی کورس کی کتابیں تک اشعار سے بھری رہتی تھیں ایک بار یہ غزل سن گئی پیڑ نہ ملا تو تصویر کی پشت پر لکھ ڈالی اب

مجھے کیا خبر تھی یہ سحاب کی تصویر ہے۔“ سر کے پیچھے دونوں ہاتھ رکھے وہ دراز ہو گیا نظریں بنوڑ اس کا جائزہ لے

رہی تھیں بے بی پنک سوٹ میں وہ خود بھی پنک پنک خود سے الجھی نظر آ رہی تھی اسے بھی الجھا رہی تھی۔

”اک اک بات میں نے نہیں کہہ دی ہے مان بھی جاؤ۔“ آنیجان نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اپنے دل میں جھانکو تو سہی وہاں میری ہی تصویر ہوگی۔“ گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”زیادہ۔“ ڈائیلوگ مت جھاڑیں۔“ اعتبار تو اسے آ ہی گیا تھا آنیجان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس کی سوچ

بھی ہوتی کہ ایک غیر عورت بچوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کرے گی انہیں ایک ماں کی محبت نہیں دے سکتی مگر

اشناس کی توقعات پر کھڑی اتری تھی۔

”ایسکو زمی انا ول میں نہیں آپ بڑھتی ہیں ویسے کبھی سوچتا ہوں تو ڈر سا لگنے لگتا ہے میرے بچے بھوک

سے روتے دھوتے رہیں گے اور تم جیسی ناول پڑھ رہی ہوگی۔“ اشنا نے اسے گھور کر دیکھا مگر اس کی آنکھوں

میں چاہت کے جلتے ویپ دیکھ کر پکلیں گرا گئی۔

ردا ڈائجسٹ [127] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ردا ڈائجسٹ [126] اگست 2016ء

... absorbent
..... elegant
..... & luxury

Hankies®

Decora KITCHEN TOWELS
Luxury Size

Hankies®

Customer Service
H&P
Health & Hygiene Products

hankieshnp@yahoo.com, freedomhnp@yahoo.com

AKS DIGITAL

WWW.PAKSOCIETY.COM

”کیا میری آنکھوں میں وہ جادو نہیں جو آگ لگا دے۔“

”میری آنکھوں کے جادو سے شاید تم ناواقف ہو جس نے مجھ کو پیار آجائے اس کو پاگل کر دیتا ہوں چھوڑ کے مجھ کو جانے والا لوٹ کے واپس آئے گا دائیں بائیں آگ لگا کر سامنے جنگل کر دیتا ہوں۔“

غالباً یہی شعر تھا جو نادیہ بی بی کو سنایا جا رہا تھا ویسے تم حیدر کے مرنے پر روئی کیوں نہیں تھیں؟

”یا اللہ! یہ آدی ہے یا ہوا.....“ وہ بری طرح جھینپ گئی۔

”اب تو دوستی کی ہے نا.....؟“ نرمی سے پہلو میں ٹھیک لیا۔

”پھر کبھی کہیں گے تو نہیں نا یہ گھر بچے آپ کے ہیں۔“ نرگس نے انداز پر ہونے سے مسکرا دیا۔

”میری زمین پر جو چاندنی ہے وہ سب تیری ہیں میرے قلب پر جو دل کشی ہے وہ سب تیری ہے۔“

جذبات سے گندھے لہجے میں شعر پڑھ کر اسے خود سے قریب کیا۔

”کہو تو لکھ کے دے دوں یہ گھر بچے مجھ سمیت سب تمہارا ہے۔“ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو محبت سے بند کر دیا۔ آئینان عیص کا اقرار اشنا کو نہال کر گیا، ایک عورت کو گھر در بچہ اور بچے سے زیادہ کیا چاہے ہوتا ہے زندگی کی شاہراہ پر آئینان عیص کا ہاتھ تھا ہے بناء تھکے وہ بہت دور تک چل سکتی تھی دروازے پر دستک ہوئی وہ بے چارگی سے اٹھا۔

”یقیناً میرا رقیب احد ہوگا، تم سوئی بن جاؤ میں اسے باہر سے ٹھہلا کے آتا ہوں۔“ ہدایت کرتے اس نے دروازہ داکیا احد تو قے کے عین مطابق دروازے سے نمودار ہوا۔

”پیا! میں ماما کو گڈ نائٹ کہنے آیا تھا۔“ وہ معصومیت سے کہہ رہا تھا آئینان دروازے پر پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹا ماما سو.....“ جملہ مکمل ہونے سے پہلے احد صاحب اس کی ٹانگوں سے نکل کر کمرے میں داخل ہو چکے تھے اشنا سوئی بن گئی احد نے اپنے لب اشنا کی پیشانی پر رکھ دیئے۔

”پیا! میں ماما کے پاس سو جاؤں.....؟“ معصومانہ سوال پر آئینان کو کھانسی شروع ہو گئی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اشنا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”پیا! ماما کا نہیں ریڈ کیوں ہے۔“ وہ استفسار کر رہا تھا آئینان برا پھنسا تھا۔

”ماما کی طبیعت خراب ہے۔“

”میں دی جان کو بلا کے لاؤں کے ماما کی طبیعت خراب ہے۔“ وہ ہمدرد بنا پوچھ رہا تھا۔

”مائی گاڈ!“ وہ چکرا گیا۔

”نہیں پھر میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ احد کو کود میں اٹھا کر اس کے کمرے میں چھوڑ آیا۔

”بگاڑ کے رکھ دیا ہے تم نے بچوں کو۔“ اشنا کے چہرے سے نکلیے کھینچ کر غیض و غضب سے دھاڑا اشنا حیرانی سے اس کے بدلتے روپ کو دیکھتی رہی۔

”اور مجھے بھی۔“ ہونے سے اقرار ہوا۔

☆☆.....End.....☆☆

رداؤ انجسٹ 128 اگست 2016ء



WWW.PAKSOCIETY.COM

نہیں کہا تھا بلکہ میں مخالف رہی اس شادی کی اب بھگتیں دو توں۔ اماں نے صاف ہاتھ جھاڑ دیا۔
 ”مانا کہ پری دوش کی تو مجبوری تھی مگر عالی بھائی کی کیا مجبوری تھی اپنی زندگی اپنے ہاتھوں تباہ کر لی۔“ نمرہ کو عالی سے ہمدردی ہو رہی تھی۔
 ”دیکھ لینا کتنے کر رکھ لو میری یہ بات ان کا یہ رشتہ زیادہ عرصہ چل نہیں پائے گا۔“ اماں تو پری دوش سے ویسے ہی لگاؤ نہ رکھتی تھیں اور اب تو بہو کی صورت وہ انہیں بالکل قبول نہ تھی اور اس حقیقت سے پری دوش اچھی طرح سے واقف تھی۔
 ”تو بہ کریں اماں! اب ایسا بھی نہ کہیں مایہن جیسی تک چڑی لڑکی سے تو لاکھوں درجے بہتر ہے“

”اماں! میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ اگر آپ سے یا نمرہ سے میرا کام نہیں ہوتا تو مجھے بتا دیا کریں میں خود کر لیا کروں گا“ کیا ضرورت تھی پری دوش سے میری شرٹس دھلوانے اور پریس کروانے کی۔ وہ ناراض انداز میں اماں کے پاس آیا تھا اس نے وہی شرٹ زیب تن کر رکھی تھی جو دوپہر میں پری دوش نے دھو کر پریس بھی کر دی تھی وہ ابھی کام سے لوٹا تھا تو مایہن کی کال آگئی تھی وہ اس کی طرف جانے کے لئے تیار ہو کر باہر آیا تھا۔
 ”نہ بھی ہم نہیں کہتے اسے تمہارا کوئی کام کرنے کو اسے خود ہی شوق ہے بڑھ چڑھ کر تمہارا کام کرنے کا۔“ اماں نے پان دان سے چھالیہ نکال کر کترتے

ناولٹ

پری دوش کی زندگی

امبر آگلن شامل

میں تو بھتی ہوں بھائی کی کوئی نیلی کام آگئی جو مایہن کی بجائے ان کی شادی پری دوش سے ہوگئی بس عالی بھائی ہی قدر نہیں کر رہے ان کی۔“ نمرہ کے تو سارے ووٹ ہی پری دوش کی طرف تھے جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکی تھی اور اب بھی قائم تھی۔
 ”تو بہ تو تم کرو اور جاؤ یہاں سے دماغ نہ چاٹو میرا۔“ اماں اس سے خاکف ہو کر منہ موڑ گئیں۔
 ”میں بھی کوچنگ بار کا ہوں اللہ حافظ۔“ اس نے بھی اپنے نوٹس جو تخت پر رکھ دیئے تھے اٹھائے اور باہر کی طرف چل دی۔
 ”یہ آج کل کی اولاد تو بس اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتی ہے بڑے کچھ بھی کہتے رہیں سنتے ہی

ہوئے کہا۔
 ”بھائی! اگر پری دوش شرٹس دھو کر پریس نہ کرتی تو آپ اتنے شارٹ نوٹس پر تیار ہو کر جانے پاتے آپ کو تو شکر گزار ہونا چاہئے پری دوش کا۔“ نمرہ اپنے نوٹس اٹھائے اندر سے باہر برآمدے میں آئی تھی وہ اس کی تیاری دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ مایہن کی طرف سے ہی بلاوا ہوگا۔
 ”خیر ابھی میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں واپس آ کے بات کروں گا۔“ وہ بایک کی چابی انگلیوں میں گھماتا باہر نکل گیا۔
 ”اماں! کیا زندگی ہے ان دونوں کی مجھے ترس آتا ہے دونوں پر۔“ نمرہ اماں کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔
 ”ان دونوں کا اپنا منتخب کیا راستہ ہے یہ ہم نے تو

رداؤ بجسٹ [130] اگست 2016ء

نہیں اور جب کچھ بن نہیں پاتا تو مسئلہ لے کر ہم بڑوں کے پاس ہی آ جاتے ہیں۔ اماں اپنا سادہ پان منہ میں چباتے ہوئے اپنے آپ سے ہی مخالف تھیں۔ پری وش کے کمرے کی کھڑکی جو برآمدے میں کھلتی تھی پری وش وہیں کھڑی سب سن چکی تھی پھر اس نے ایک سرد آہ بھری اور کچن میں آگنی رات کے کھانے کی تیاری کرنے بڑی بھابی دودن سے میکے گئی ہوئی تھیں ان کے بھائی کے ہاں بیٹی ہوئی تھی اسی کو دیکھنے۔ کچن سے برتنوں کی آوازیں آنے سے اماں سمجھ گئی تھیں کہ پری وش کچن میں ہے۔

”چھوٹی بہو! سستی ہو۔“ اماں نے اسے پکارا۔
 ”بی اماں! وہ ایک ہی آواز پر دوڑی چلی آئی۔“
 ”ایک کپ چائے بنا لاؤ“ سر میں بڑا درد ہو رہا ہے میں جب تک وضو کر کے نماز پڑھ آئی ہوں۔“
 ”اماں نے حسب توقع حکم جاری کر دیا اور وہ ہمیشہ کی طرح سر جھکاتے ہوئے حکم کی تعمیل کے لئے چلی گئی اماں بھی پان دان سمیٹتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لگیں کچن میں آکر اس نے چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھا دھیمی آگ پرتا کہ دھیمی آگ پر چائے بھی بقی رہے اور جب تک اماں نماز بھی پڑھ لیں ساتھ ہی فرنچ سے گوشت نکال کر پانی میں بھگو دیا اور تھال میں چاول نکال کر چنے لگی ساتھ ساتھ چائے کو بھی دیکھتی رہی اماں جب نماز پڑھ کر تخت پر آئیں تو وہ پہلے ہی سے ہاتھ میں چائے کا گگ لے کھڑی تھی۔

”رکھ دو۔“ اماں نے بے زاریت سے کہا وہ کپ پان دان کے قریب ہی رکھ کر واپس کچن میں چلی گئی چائے تھوڑی ٹھنڈی ہونے کے بعد اماں چھوٹے چھوٹے سب لینے لگیں۔

”کم بخت! ہر چیز ہی اچھی بناتی ہے کوئی موقع ہی ہاتھ نہیں آنے دیتی ڈانٹے کا۔“ اماں اسی کو کوسنے لگیں۔ مرغ پلاؤ تیار کرنے کے بعد وہ راستہ بنا رہی تھی اسے پتہ نہیں چلا کانی دیر سے عالی کچن کے

دروازے کے درمیان کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔
 ”مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔“ عالی کی آواز پر اس نے چونک کر مڑ کر دیکھا تھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔
 ”اگر پہلے میں کچھ کہنا چاہوں تو.....!!“ اس نے سوالیہ نظروں سے عالی کو دیکھا۔

”بولو۔“ بڑی بے زاریت سے جواب موصول ہوا۔
 ”میں آپ کی اجازت کے بغیر آپ کے کپڑے واش نہیں کرتی مگر 12 بجے کے وقت ماہین کی کال آئی تھی اس نے کہا کہ آپ کو پیغام دے دوں۔“

”شام کو آپ کو ماہین نے بلایا ہے اور میں جانتی تھی آپ کے سارے کپڑے میلے پڑے ہیں آپ مجھے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتے مگر میں آپ کو اپنا شوہر مانتی ہوں سو اسی تعلق کی بناء پر میرا فرض بنتا تھا کہ میں آپ کے لئے کپڑے واش کر کے بریکس کر دوں تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو اب اس میں کیا غلط کیا میں نے۔“
 ”تفصیل سے سمجھانے کے بعد اس نے سوال کر دیا۔“

”ماہین کو کیا ضرورت پڑی تھی تمہیں فون کرنے کی۔“ عالی اس کی بات سن کر خود ہی شپٹا گیا تھا اسے اب ماہین پر غصہ آنے لگا۔

”یہ تو اب آپ ماہین سے ہی پوچھیں۔“ پری وش دوبارہ رات کے طرف متوجہ ہو گئی تو وہ شپٹا ہوا کچن سے نکل کر ماہین کو فون کرنے لگا، مگر اس کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا وہ سمجھ گیا کہ بیڑی لو ہوگی وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ ڈنر میں اماں، نمرہ اور پری وش کے علاوہ تیمور بھائی تھے عالی تو ماہین کے ساتھ ڈنر کر کے آیا تھا سوا ب آرام کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

پھر تقاضہ عشق ہے
 پھر انتظار کی تاب نہیں
 حال دل عیاں ہے اب
 اور وہ سمجھتے ہیں ہم کے طلب گار نہیں
 آج اتوار کا دن تھا تیمور بھائی صبح ہی بیوی بچوں

کو لینے سسرال پہنچ گئے عالی کی صبح گیارہ کے بعد ہوئی تھی تب تک نمرہ اور پری وش گھر کا سارا کام نمٹا چکی تھیں، پری وش عالی کو ناشتہ دینے کے بعد برآمدے میں آگئی جہاں آنے کا مقصد اماں سے دودن کا مینو پوچھنا تھا۔

”چھوٹی بہو! تین دن بعد اس گھر کی رونق واپس آ رہی ہے سو بچوں اور بڑی بہو کی پسند کا جو کھانا ہے وہ بناؤ نمرہ سے پوچھ لینا کچھ سمجھ نہ آئے تو۔“
 اماں نے تخت پر اپنے دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رکھے تھے جنہیں تہہ کر کے رکھ رہی تھیں بڑی بھابی پر تو انہیں ضرورت سے زیادہ ہی پیارا آتا تھا اور اب بھی ان کے آنے کا پتہ چلا تو نہال ہو گئیں۔

”جی اماں! ٹھیک ہے۔“ وہ حکم بجالائی۔
 ”کیوں اماں! کیا آپ کی بہو پوتے اور پوتی ہی سوداٹ کے بلب ہیں باقی ہماری ایک مسکراہٹ کی انرجی سیدر جیسی روشنی کسی کام کی نہیں۔“ نمرہ جو ان کے قریب ہی بیٹھی تھی بلبلایا ہی اٹھی۔

”ہاں تمہاری انرجی سیدر جیسی روشنی جو آئے دن فیوز ہی رہتی ہے۔“ اسی وقت عالی نے برآمدے میں انٹری دی تھی اور اماں کے برابر آ بیٹھا تھا۔

”جی آپ جو ہر وقت روشن رہتے ہیں۔“ نمرہ نے وار لوثا یا تھا اور پودوں کو پانی دینے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

”کیا بات ہے آج گھر پر نظر آرہے ہیں آج کہیں کارپورگم نہیں ہے کیا۔“ نمرہ نے طنزیہ پوچھا۔
 ”بیٹا نمرہ! ہم نہیں مایوس کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اسی لئے تمہاری توجہ کے عین مطابق تھوڑی دیر میں جا رہا ہوں اور سچ پر میرا انتظار بھی مت کیجئے گا۔“ وہ موڈی لہجے میں کہتا کھڑا ہو گیا، پری وش کچن میں جا چکی تھی۔ نمرہ کیا ری میں لگے پودوں کو پانی دینے لگی اماں اپنے کام میں مصروف ہو گئیں اور عالی اندر اپنے کمرے میں آ گیا۔ دو بجے

بھائی، بھابی اور بچوں کو لے کر آچکے تھے اور پری وش نے سچ بھی لگا دیا تھا، سب ہی تھے اک عالی کے سوا۔ دونوں بچے دادو کو اپنے وہاں کے کارٹا سے سنا رہے تھے اور دادو بچوں کے درمیان خوب خوش تھیں ان سب کے درمیان ایک پری وش تھی جو چپ کا ٹالا ہونٹوں پر لئے بیٹھی تھی۔

”عالی تو ماہین کے ساتھ ہو گانا۔“ شاز مین بھابی نے طنز کا تیر چلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تھا وہ نگاہ مزید جھکا کئی جبکہ شاز مین بھابی کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی نمرہ سر جھٹک کر رہ گئی۔ سچ کے بعد سب اپنے روم میں سونے چلے گئے اور پری وش اپنی ڈائری لے کر لکھنے بیٹھ گئی یہ اس کا روز کا معمول تھا کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا۔ شام کی چائے نمرہ نے بنائی تھی سب برآمدے میں موجود تھے عالی بھی آ گیا تھا۔

”اماں! کیا آج میں امی لوگوں سے ملنے جاسکتی ہوں دو تین دن میں آ جاؤں گی، بہت دن ہو گئے ان سے ملے ہوئے۔“ اس نے نظریں جھکائے ہوئے اپنی درخواست اماں کے سامنے پیش کی تھی۔

”واہ جی! میرے آتے ہی تمہیں جانے کی پڑ گئی، ضد پکڑ لی ہے تم نے مجھ سے۔“ شاز مین کی تو آنکھیں ہی تن گئی تھیں اماں کی بجائے اس نے جواب دیا۔

”بڑی بہو! اگر تم نہیں چاہو گی تو پری وش نہیں جائے گی مکے۔“ اماں نے فوراً شاز مین کی سائیڈ لی تھی شاز مین کی گردن غرور سے تن گئی۔

”بڑی بھابی کون ہوتی ہیں یہ فیصلہ کرنے والی کہ پری وش نے کب جانا ہے اور کب نہیں اگر پری وش کو آج ہی میکے جانے کا دل ہے تو یہ آج ہی جائے گی جاؤ پری وش تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔“ خلاف توقع عالی کے منہ سے یہ سب سن کر بھابی اور اماں کا منہ تو حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا جبکہ پری وش تیار ہونے چلی گئی وہ اس پر ایسے چھوٹے چھوٹے احسانات کر دیا کرتا تھا۔

”بھائی! گڈ شارٹ“۔ نمرہ نے بھابی کو دیکھتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا بھابی اب تک ورطہ حیرت میں عالی کو ہی دیکھ رہی تھیں۔

”دیکھیں اماں! مانا کہ پری وش کو میں شریک حیات کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا میرا فرض بنتا ہے اور کسی اور کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے Tont کرے“۔ عالی نے اپنی سنا کر بات ختم کر دی تھی اور اٹھ کر چلا گیا تھا اس کا اشارہ بھابی کی طرف تھا۔

”دیکھا اماں! آپ نے کتنی بد تمیزی کر کے کیا ہے عالی“۔ بھابی رو ہانسی ہو گئی تھیں ”شو اٹھا کر مصنوعی آنسو صاف کرنے لگیں۔

”شاز مین! تم نے بھی تو پری وش کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا“۔ تیمور بھائی اس ساری گفتگو میں پہلی بار بولے۔

”بھابی! جب آپ اپنے میکے تین دن رک کر آئیں تب تو کسی کو اعتراض نہیں تھا اور پری وش کیوں نہیں جاسکتی“۔ نمرہ کا دوٹ بھی پری وش کی طرف تھا۔

”اماں! دیکھ رہی ہیں آپ یہ سب کل کی آئی لڑکی کے ساتھ ہو گئے اور میری خدمتیں تو بھول ہی گئے“۔ شاز مین کو ایک دوسرے دکھ نے بھی آ گھیر لیا۔

”بڑی بہو! تم دل چھوٹا مت کرو یہ سب بھتیختیں گے اسے“۔ اماں نے انہیں دلا سے دیا ”نمرہ طنز یہ مسکرا کر برتن سیٹنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ان کے قریب سے وہ دونوں نکل کر گئے اور پھر بائیک کے اشارہ ہونے کی آواز سے وہ مزید شیشا گئی تھی وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

”بھتیختیں“۔ بائیک جب گھر سے کافی دور آ گئی تو پری وش نے عالی کے کان کے قریب آ کر سرگوشی کی۔

”نہیں نکس یہ میرا فرض تھا“۔ اس نے ناراضی جواب دیا۔

”فرض تو اور بھی ہیں جو بھانے ہیں“۔ اس کے دل کی صدا اس کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئی۔ پھر سارا

سفر خاموشی میں کٹ گیا اس کے میکے کے دروازے پر اس نے بس اتنی دیر کے لئے بائیک روکی کہ وہ بس اتر ہی سکی اور اس کی بائیک دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو گئی اور وہ سر جھٹک کر آگے بڑھی مین گیٹ کی ڈور بتل بجا دی۔ اتنے دنوں بعد پری وش کو دیکھ کر ای ”بابا“ جنید اور عائشہ سب ہی کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

”میری بچی خوش تو ہے ناں“ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بابا نے پوچھا۔

”جی بابا! میں بہت خوش ہوں“۔ اس کے ہونٹوں پر پھلکی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اکیل آئی ہو.....؟“ اماں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”نہیں اکیلی نہیں عالی چھوڑ کر گئے ہیں“۔ اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

”تو اندر کیوں نہیں آیا“۔ اماں نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”آئی! اب یہ مت کہنا نہیں ضروری کام یاد آ گیا تھا“۔ ابھی آج اتوار ہے سسرال والوں کا حق تو بنتا ہے کہ مہینے میں آ کر ایک ملاقات کا شرف ہی بخش دیں“۔ عائشہ تو پہلے ہی شکایت لئے بیٹھی تھی پری وش نے اپنے پرس سے موبائل نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

”یہ کیا ہے.....؟“ عائشہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”موبائل ہے“۔ پری وش نے جوابا کہا۔

”یہ تو مجھے بھی پتہ ہے مگر مجھے کیوں دے رہی ہو.....؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”خود عالی کو فون کر کے پوچھ لو کہ کیوں نہیں آیا ملاقات کا شرف بخشے“۔ وہ پوری طرح سے بیزار تھی۔

”حد کر لی ہو آئی اتم تو میں کیسے پوچھ سکتی ہوں عالی بھائی سے“۔ عائشہ خفا لہجے میں بولی۔

”تو مجھ سے بھی مت پوچھا کرو“۔ اس نے موبائل دوبارہ پرس میں رکھ دیا۔

”زہرہ کا رویہ کیا ہے اب تمہارے ساتھ.....؟“ امی نے نگاہیں جراتے ہوئے پوچھا۔

”جس طرح آپ توقع کر سکتی ہیں“۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

”اللہ تمہیں صبر دے“۔ ساتھ میں ماں نے دعا بھی دے دی۔

”بیٹا! ہم شرمندہ ہیں“۔ بابا کی آنکھوں کے گوشے ٹپکے ہوئے تھے۔

”نہیں بابا! آپ کیوں شرمندہ ہیں آپ نے کچھ نہیں کیا یہ سب میری قسمت کا لکھا تھا اور اسے آپ تو نہیں بدل سکتے ان سب کا مجھے سامنا کرنا ہی تھا ہاں میں مانتی ہوں آج اماں کا رویہ میرے ساتھ اچھا نہیں عالی کی بھی توجہ کہیں اور ہے مگر آپ یقین

رکھیں میری اچھائی ان کو بدل دے گی ایک نہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا وہ گھر مجھے بہو بھی تسلیم کر لے گا“ اور اماں مجھے بیٹی بھی مانیں گی بس تھوڑا وقت لگے گا اور اس وقت کا مجھے اور آپ کو تھوڑا انتظار کرنا ہوگا“۔ پری وش نے بابا کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے اور انہیں بڑے یقین سے دلا سے دے رہی تھی اسے خود پر اپنی محبت پر اپنے خلوص پر پورا یقین تھا۔

”انشاء اللہ“۔ سب کے لبوں سے ایک ساتھ نکلا تھا۔

آج میکے میں آ کر اس نے اپنی مکمل نیند لینے کے سنے کو مکمل جامہ پہنایا تھا اور نہ سسرال میں تو صبح فجر کی نماز کے ساتھ ہی اماں کی تابعداری میں جو گئی تو رات گئے ہی کام سے فرصت ملتی۔ بھر پور نیند لینے کے بعد جب جاگی تو سب کچھ ہی اسے بہت کھرا کھرا لگ رہا تھا عائشہ نے آ کر بتایا کہ ہمارا اس کا پوچھ کر گئی ہے فریش ہوئے تو اسے بلا لے ہمارے پری وش کی بچپن کی دوست بھی تھی اور گریجویشن بھی انہوں نے ساتھ ہی کیا تھا پری وش کی حادثاتی شادی کے بعد دونوں کے درمیان رابطہ ختم ہو کر رہ گیا تھا جب بھی

پری وش میکے آتی تو ہمارے ملاقات ہو جاتی تھی۔ فریش ہونے کے بعد اس نے عائشہ کو چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی ہمارے کال کر کے بلا لیا“ امی ظہر کی نماز کے بعد کا وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھیں وہ لی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں جنید بیٹھا اسپورٹس پر مبنی کوئی ڈاکومنٹری دیکھ رہا تھا اسے بیٹھتے دیکھا تو ریموٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ارے واہ! شادی کے بعد تو بڑی قدریں آ جاتی ہیں آج پتہ چل رہا ہے“۔ ان کے عقب سے ہمارے آواز آئی تھی وہ پہلے کی طرح ہی شوخ و چیلنجی تھی۔

”تم بھی کرلو شادی تو تمہاری بھی خوب قدر ہو جائے گی مگر دقاص پھر بھی تمہارے ہاتھ میں لی دی ریموٹ نہیں دے گا“۔ چائے کی ٹرے کے ساتھ عائشہ لاؤنج میں داخل ہوئی ساتھ ہی لقمہ بھی دیا۔

”ارے چھوڑو اس کی سنتا کون ہے اب بھی ہائے ہائے کرتا رہتا ہے بے چارہ“۔ ہمارا کو اپنے ہی بھائی کی حرکتیں بتاتے ہوئے ہنسی آ رہی تھی۔

”تم بالکل نہیں بدلیں“۔ پری وش نے اسے رشک سے دیکھا۔

”تم جو اتنا بدل گئی ہو“۔ ہمارے برابر آ کے بیٹھ گئی پری وش کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”کیا چل رہا ہے آج کل تمہاری زندگی میں.....؟“ پری وش نے بات ٹال دی ہمارے اپنا سر جھٹکا۔

”کیا یار..... اماں کی پر زور خواہش پر بی ایڈ کر رہی ہوں انہیں بڑا شوق ہے ان کی کوئی ایک اولاد تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے استاد محترم کا رتبہ بھی حاصل کر لے اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی قربانی کا بکرا مجھ کو ہی بنادیا گیا ہے“۔ اس نے اپنا کھٹارس شروع کر دیا تھا اور اس کی لمبی کہانیاں تھیں جو ایک کے بعد ایک شروع ہوتی اور پھر ختم ہوتیں پری وش بس اسے سن رہی تھی جبکہ جنید وہاں سے جا چکا تھا اور عائشہ کچن میں آ کر کھانے کی تیاری

پری وش میکے آتی تو ہمارے ملاقات ہو جاتی تھی۔ فریش ہونے کے بعد اس نے عائشہ کو چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی ہمارے کال کر کے بلا لیا“ امی ظہر کی نماز کے بعد کا وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھیں وہ لی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں جنید بیٹھا اسپورٹس پر مبنی کوئی ڈاکومنٹری دیکھ رہا تھا اسے بیٹھتے دیکھا تو ریموٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ارے واہ! شادی کے بعد تو بڑی قدریں آ جاتی ہیں آج پتہ چل رہا ہے“۔ ان کے عقب سے ہمارے آواز آئی تھی وہ پہلے کی طرح ہی شوخ و چیلنجی تھی۔

”تم بھی کرلو شادی تو تمہاری بھی خوب قدر ہو جائے گی مگر دقاص پھر بھی تمہارے ہاتھ میں لی دی ریموٹ نہیں دے گا“۔ چائے کی ٹرے کے ساتھ عائشہ لاؤنج میں داخل ہوئی ساتھ ہی لقمہ بھی دیا۔

”ارے چھوڑو اس کی سنتا کون ہے اب بھی ہائے ہائے کرتا رہتا ہے بے چارہ“۔ ہمارا کو اپنے ہی بھائی کی حرکتیں بتاتے ہوئے ہنسی آ رہی تھی۔

”تم بالکل نہیں بدلیں“۔ پری وش نے اسے رشک سے دیکھا۔

”تم جو اتنا بدل گئی ہو“۔ ہمارے برابر آ کے بیٹھ گئی پری وش کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”کیا چل رہا ہے آج کل تمہاری زندگی میں.....؟“ پری وش نے بات ٹال دی ہمارے اپنا سر جھٹکا۔

”کیا یار..... اماں کی پر زور خواہش پر بی ایڈ کر رہی ہوں انہیں بڑا شوق ہے ان کی کوئی ایک اولاد تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے استاد محترم کا رتبہ بھی حاصل کر لے اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی قربانی کا بکرا مجھ کو ہی بنادیا گیا ہے“۔ اس نے اپنا کھٹارس شروع کر دیا تھا اور اس کی لمبی کہانیاں تھیں جو ایک کے بعد ایک شروع ہوتی اور پھر ختم ہوتیں پری وش بس اسے سن رہی تھی جبکہ جنید وہاں سے جا چکا تھا اور عائشہ کچن میں آ کر کھانے کی تیاری

پری وش میکے آتی تو ہمارے ملاقات ہو جاتی تھی۔ فریش ہونے کے بعد اس نے عائشہ کو چائے کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی ہمارے کال کر کے بلا لیا“ امی ظہر کی نماز کے بعد کا وظیفہ پڑھنے میں مصروف تھیں وہ لی وی لاؤنج میں آ گئی جہاں جنید بیٹھا اسپورٹس پر مبنی کوئی ڈاکومنٹری دیکھ رہا تھا اسے بیٹھتے دیکھا تو ریموٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

”ارے واہ! شادی کے بعد تو بڑی قدریں آ جاتی ہیں آج پتہ چل رہا ہے“۔ ان کے عقب سے ہمارے آواز آئی تھی وہ پہلے کی طرح ہی شوخ و چیلنجی تھی۔

”تم بھی کرلو شادی تو تمہاری بھی خوب قدر ہو جائے گی مگر دقاص پھر بھی تمہارے ہاتھ میں لی دی ریموٹ نہیں دے گا“۔ چائے کی ٹرے کے ساتھ عائشہ لاؤنج میں داخل ہوئی ساتھ ہی لقمہ بھی دیا۔

”ارے چھوڑو اس کی سنتا کون ہے اب بھی ہائے ہائے کرتا رہتا ہے بے چارہ“۔ ہمارا کو اپنے ہی بھائی کی حرکتیں بتاتے ہوئے ہنسی آ رہی تھی۔

”تم بالکل نہیں بدلیں“۔ پری وش نے اسے رشک سے دیکھا۔

”تم جو اتنا بدل گئی ہو“۔ ہمارے برابر آ کے بیٹھ گئی پری وش کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”کیا چل رہا ہے آج کل تمہاری زندگی میں.....؟“ پری وش نے بات ٹال دی ہمارے اپنا سر جھٹکا۔

”کیا یار..... اماں کی پر زور خواہش پر بی ایڈ کر رہی ہوں انہیں بڑا شوق ہے ان کی کوئی ایک اولاد تو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے استاد محترم کا رتبہ بھی حاصل کر لے اور ہمیشہ کی طرح اس بار بھی قربانی کا بکرا مجھ کو ہی بنادیا گیا ہے“۔ اس نے اپنا کھٹارس شروع کر دیا تھا اور اس کی لمبی کہانیاں تھیں جو ایک کے بعد ایک شروع ہوتی اور پھر ختم ہوتیں پری وش بس اسے سن رہی تھی جبکہ جنید وہاں سے جا چکا تھا اور عائشہ کچن میں آ کر کھانے کی تیاری

کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

دودن میسے میں سکون سے گزارنے کے بعد وہ سرال کی بھول بھلیوں میں داخل ہو گئی تھی بڑی بھابی خوب تھی ہوئی تھیں کیونکہ پری دس کی غیر موجودگی میں سارا کام ان ہی کو کرنا پڑ رہا تھا جبکہ نمرہ کے پیپر شروع ہو گئے تھے اماں کی طرف سے اسے آرڈر تھا کہ وہ صرف پڑھے اور اچھی طرح سے پیپر دے گھر کے کاموں کے لئے دو بھویں ہیں میسے میں تو اسے رہنا زیادہ دن تھا مگر اماں نے ہی کام کی کثرت اور بڑی بھابی کا پارہ دیکھتے ہوئے اسے بلوالیا تھا۔ اس کے گھر میں قدم رکھتے ہی بڑی بھابی نے آرام پکڑ لیا تھا۔ انواب سازا گھر اسی نے سنبھالنا تھا۔

”اگر میسے رہنے کا اتنا ہی شوق تھا تو شادی کیوں کی تھی منع کر دیتیں اماں کو کہ ابھی ان کی گود سے نہیں نکلی ہو۔“ رات کے کھانے کے دوران بھابی نے وار کرنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جبکہ کھانے کی تیاری پری دس نے ہی کی تھی۔

”سوری بھابی آ آئندہ احتیاط کروں گی۔“ اس نے معصوم بچوں کی طرح اپنی غلطی مانتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

”تو اس کا مطلب بھابی! آپ تو آئندہ اپنے میسے ہرگز نہیں جائیں گی۔“ نمرہ کو بھابی کا ایسا کہنا ناگوار گزار تھا فوراً وار لوثا یا۔

”نمرہ! کچھ غلط نہیں کہا شاز مین نے تم اپنی حد میں رہو۔“ اماں نے ہمیشہ کی طرح بڑی بھابی کا بھرپور ساتھ دیا جس سے بڑی بھابی کی تپتی ہوئی گردن مزید تن گئی۔

”اماں! عالی کا فون آیا تھا کہ وہ ہاتھ کا وہ ماہین کے گھر سے کھانا کھا کر آئے گا۔“ شاز مین نے اسے جلانے کے لئے جان بوجھ کر اس موضوع کو چھیڑا اسے کوئی فرق نہیں پڑا وہ بدستور کھانا کھانے میں

مشغول رہی۔

”بھابی! سب ہی اس بات کہ عادی ہو چکے ہیں بس اک آپ ہی نہ ہوئیں جبکہ آپ کو سب سے پہلے تسلیم کرنا چاہئے تھا اس صورت حال کو۔“ حسب روایت نمرہ نے بھابی کا تیر بھابی کے ہی نشانے پر لوثا دیا تھا۔ تیمور بھابی کو ہنسی آ گئی۔

”نمرہ! کیا مصیبت ہے کیوں ہر وقت پڑی رہتی ہو میری بچی کے پیچھے بڑی بھابی ہیں تمہاری ان کی عزت کرو۔“ اماں سے تو ہرگز برداشت نہ ہوا نمرہ کا بڑی بھابی سے مقابلہ کرنا فوراً بڑی بھابی کے دفاع کے لئے میدان میں آئیں۔

”اماں! سب کی عزت ہوتی ہے انہیں بھی کہئے دوسروں کی عزت نفس کی بھی عزت کرنا سیکھیں۔“ نمرہ پر اماں کی بات فوراً اثر نہ ہوا اپنی بات مکمل کر کے کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور اٹھ کر چلی گئی۔

”پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے گھر کے بچوں کو ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو ووڑ رہے ہیں۔“ اماں نے نوالہ پلیٹ میں رکھا اور اپنا سر پکڑ لیا۔

”اماں! نظر نہیں یہ سارا اس کی خوشی کا اثر ہے نجمہ خالہ تو بچ گئیں خوشی کو گھر لے جانے سے مگر ہمارے سر پڑ گئی۔“ شاز مین تو باقاعدہ اسے کوسنے لگی تھیں ان کی اس بات سے پری دس کے دل پر ایک گھونسا سا لگا تھا وہ جس واقع کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی بھابی وہی یاد کروانے پر مصر تھیں۔

”نجمہ کہتی ہو بڑی بھو! نجمہ تو خوش قسمت لگی اس کے گلے کا طوق ہمارے گلے میں آ پڑا۔“ وہ برتن سمیٹنے لگی آنسوؤں کا گولہ جیسے اس کے گلے میں اٹکنے لگا تھا۔

”اور میرا معصوم بچہ ہائے کیسے کیسے ارمان تھے میرے بچے کے سب مٹی میں مل گئے۔“ اماں کو اب عالی یاد آ گیا۔

”بچ پوچھیں تو اماں مجھے بھی عالی پر بڑا ترس آتا

ہے کتنی محبت ہے عالی اور ماہین کے درمیان اور کہاں سے یہ بچ میں آ پڑی۔“ بڑی بھابی کے کچھ میں پری دس کے لئے بس نخوت ہی تھی پتہ نہیں کیوں وہ اس سے اتنا خار کھاتی تھیں اب تو نمرہ بھی یہاں نہیں تھی کہ اس جنگ میں اس کا ساتھ دیتی۔

”بڑی بھو! فکر نہ کرو زیادہ عرصہ میں اپنے بیٹے کو اس آگ میں جلنے نہیں دوں گی بہت جلد آزاد ہو جائے گا میرا عالی۔“ وہ برتن بچن میں رکھ کر واپس پلٹ رہی تھی جب اماں کی ترش آواز اس کے کانوں میں پڑی گویا اس کے کان وہیں سن ہو گئے تھے بڑی مشکل سے وہ بچن سمیٹ کر کمرے تک خود کو لائی تھی اور پھر اپنی قسمت پر روتے روتے پتہ نہیں کب اس کی آنکھ لگ گئی عالی تب تک نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆

اس کی صبح بچن میں گرجتے برستے برتنوں کی آوازیں سن کر ہونی بھی رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح جلدی نہیں اٹھ پائی تھی جس کی وجہ تیمور بھابی اور بچوں کو اسکول بھیجنے اور ناشتہ بنانے کے لئے شاز مین بیگم کو اٹھنا پڑا تھا جو ان سے گوارہ نہیں ہو رہا تھا اور خوب برتنوں پر اپنا غصہ نکال رہی تھیں۔ وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تھی کہ کہیں بھابی کا سارا نزلہ اسی پر نہ آ گرے۔

”بھابی! کوئی کام تھا تو مجھے اٹھا دیتیں۔“ وہ بچن میں آ گئی۔

”تو اٹھ گئی مہارانی صاحبہ صبح ہو گئی آپ کی۔“ اسے دیکھتے ہی شاز مین کا غصہ دو چند ہو گیا۔

”پری دس کو کچھ مت کہو ہم اس کی نہیں تمہاری ذمہ داری ہیں۔“ تیمور بھابی بھی اسی وقت بچن میں آ گئے شور کی آواز سن کر۔

”اوہو۔۔۔۔۔! بس آپ کی کمی رہ گئی تھی۔“ شاز مین طنز نہ ہو گئی اور اپنے بھاری بھر کم وجود کو لئے بچن سے نکل گئی۔

”اماں! میں کہے دے رہی ہوں اس لڑکی کے بہت پر نکل آئے ہیں یہ ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے۔“ شاز مین بچن سے نکل کر سیدھی اماں کے پاس صحن میں تخت پر پہنچی تھی۔

”تو ہمیں برکاشا بھی آتے ہیں بڑی بہو تم فکر کیوں کرتی ہو۔“ اماں مسکرائیں جیسے کچھ سوچ رہی تھیں۔

”تو جلدی کا ٹپس کہیں وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے ویسے بھی اس گھر میں دن بدن اس کے ہمدرد بڑھتے جا رہے ہیں۔“ شاز مین کو خدشات و تشویش نے گھریا۔

”ہمارے ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا۔“ اماں پوری طرح اطمینان میں تھیں۔

”یہ بتاؤ عالی کہاں ہے۔۔۔۔۔؟“ اماں نے راز داری سے پوچھا۔

”وہ تو رات بھر گھر ہی نہیں آیا۔“ شاز مین نے بتایا۔

”لو جی جب لڑکا ہی اپنی طرف ہے تو تمہیں کاہے کاؤر۔“ اماں نے بان دان کھول لیا۔

”بازی پلٹتے دیر تو نہیں لگتی اماں۔“ شاز مین پر سوچ انداز میں گویا ہوئیں۔

”تم جا کر تیمور کو آفس بھیجو باقی باتیں بعد میں کرتے ہیں۔“ اماں نے اس کی توجہ بائیں تو وہ وہاں سے اٹھ کر پھر اندر آ گئی اب پری دس بچن میں برتن دھو رہی تھی برتنوں سے فارغ ہو کر اس نے اپنے لئے ایک کپ چائے بنائی اور کمرے میں آ گئی وہ خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کر رہی تھی جیسے اتنا سفر طے کرنے کے بعد وہیں کھڑی ہو جہاں سے سفر شروع کیا تھا۔

اپنی شادی کا البم اٹھا کر تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگی کہ شاید کہیں خوشی نظر آ جائے مگر کوئی ایک چہرہ نہیں تھا کہ جس پر مسکراہٹ ہو سب ہی بے زار بیزار اچھے اچھے اس نے تنگ آ کر البم بند کر دیا۔ دو تین بار اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا کہ عالی کو کال کروں گی تو پوچھ لے کہ یہاں رات بھر کیوں نہیں آئے مگر ہمت



WWW.PAKSOCIETY.COM

نہ ہوئی کہ آخر کس طرح یہ پوچھے عالی نے تو اسے حق ہی نہیں دیا تھا کچھ پوچھنے کا کوئی سوال کرنے کا کوئی جواب دینے کا۔

اس کا دھیان عالی ہی کی طرف تھا مگر اس نے خود کو گھیر کے کاموں میں مشغول کر لیا نمرہ پیپر زدینے لگی ہوئی تھی بچے بھی اسکول سے نہیں لوٹے تھے شاز مین لاؤنج میں فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھی جبکہ اماں ساتھ والی آنتی کے ہاں گئی ہوئی تھیں ان کی عیادت کے لئے وہ پودے کی کیاریوں میں پانی ڈال کر وہیں بیٹھ گئی بھابی کی اندر سے صاف آواز آرہی تھی شاید دوسری طرف ماہین تھی۔

”جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ عالی تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے۔“ بھابی ماہین کے ساتھ مصروف تھیں۔
”کم آن بھابی عالی صرف میرا ہے اور اسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔“ بڑے غرور سے دوسری طرف کی آواز ابھری تھی۔

”ماہین بیگم یہ مت بھولو کہ تم صرف عالی کی محبوبہ ہو اور پری دس اس کی بیوی اور اس کا حق بے شک تم سے زیادہ ہے اور وہ بھی اپنا حق منگوا سکتی ہے اس لئے ہوش کے ناخن لو اور اپنا وقت ضائع مت کرو۔“
بھابی اسے پوری طرح سے بھڑکا کر اپنا راستہ صاف کرنا چاہ رہی تھیں پری دس کے پیروں کے نیچے سے تو زمین سرک رہی تھی یہ بھابی کیا منصوبے بنا رہی ہیں یعنی پری دس کی پوری زندگی داؤ پر تھی وہ مزید کچھ سانسیں اپنے اندر کھینچتی ہوئی وہ کمرے میں آ کر بے دم ہو کر پڑ گئی تھی شام کو نمرہ نے آ کر اسے اٹھایا تھا وہ تو جیسے بے ہوش تھی ایک دم ہوش میں آئی تھی۔

”عالی آ گیا.....؟“ اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا تھا۔

”ہاں..... آ گئے عالی بھابی مگر اکیلے نہیں آئے ماہین بھی ان کے ساتھ ہے کوئی ضروری بات کری ہے لاؤنج میں سب بیٹھے ہیں تمہیں بھی بلایا ہے۔“

نمرہ سنجیدہ تھی اسے کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔ وہ آزمائش کے مرحلوں سے گزرنی لاؤنج تک آئی تھی ماہین صوفے پر عالی کے ساتھ بیٹھی تھی وہ کونے میں جا کر کھڑی ہو گئی شاز مین بھابی تو خوشی سے پھولے نہیں ساری تھیں کہ ان کے وار اتنی جلدی اثر کیے کر گئے تیمور بھابی اور اماں بھی برابر میں بیٹھے تھے۔

”دیکھو پری دس! تم پہلے دن سے جانتی ہو میں نے ماہین سے محبت کی ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر اس کے بھائی کی ایک غلطی کی سزا تمہیں اور مجھے دونوں کو ملنی، تم میری بہو تو بن گئیں مگر میرے دل میں کوئی جگہ نہیں بنا سکیں اور ماہین کہہ دیتے ہوئے نہ ہی غپاؤ کی میں خود کو اور تمہیں ذہنی اذیت دے کر تھک چکا ہوں اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اب میں ماہین سے شادی کرنے جا رہا ہوں اگر تمہیں اعتراض ہے تو تم اپنا فیصلہ لے سکتی ہو میں ماہین کے ساتھ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں ماہین ہی میری محبت ہے۔“ عالی نے بڑے کھلے لفظوں میں اس پر تیر برسانے شروع کر دیے تھے یہ سوچے بغیر کہ اس کے نازک سے دل پر کیا گزر رہی ہوگی وہ کن صبر کے انتہائی منزلوں سے گزر رہی ہوگی وہ تو خود غرض بنا یکطرفہ فیصلے کئے جا رہا تھا اس کے ساتھ بیٹھی ماہین کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور شاز مین اپنی مسکراہٹ کے ذریعے اسے داد تحسین دے رہی تھی اماں کو اس کے فیصلے کے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

”عالی! یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے.....؟“ اس نے مرنی امید کے دامن کو پکڑا تھا آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے۔

”یہ میرا پہلا بھی فیصلہ تھا اور اب آخری بھی ہے۔“ وہ تھی انداز میں بولا۔

”اماں! آپ نہیں روکیں گی عالی کو ایسا کرنے سے۔“ اس نے اماں کی طرف امید سے دیکھا۔
”نہ ہی میرے بیٹے نے تمہیں کبھی اپنی بیوی

تسلیم کیا اور نہ ہی میں نے تمہیں اپنی بہو میں نے ہمیشہ ماہین کو ہی اپنی چھوٹی بہو کے روپ میں دیکھا ہے کڑے وقت میں اس نے تمہارے باپ کی ڈویتی عزت کو بچایا تھا اب تم میرے بیٹے کی جان بخش دو اسے اس کی زندگی جینے دو میں اپنے بیٹے کو دن رات چلتے کڑھتے نہیں دیکھ سکتی۔ اماں نے تو ساری بھڑاس ایک ساتھ ہی نکال دی تھی آنسو مزید تیزی سے پری وش کے گالوں پر بہنے لگے تھے امید کی ساری کشتیاں ایک ایک کر کے غرق ہو چکی تھیں اس کی تو کوئی محنت رنگ نہیں لائی تھی کوئی خدمت صلہ دے کر نہیں جا رہی تھی اس نے آخری پر امید نظروں سے تیور بھائی کی طرف دیکھا انہوں نے اماں کے فیصلے کے آگے ہار مانتے ہوئے گردن جھکا لی اس نے ضبط کرتے ہوئے اپنی آنکھیں زور سے بند کر کے کھولیں۔

”عالی! اگر آپ کی خوشی ماہین ہی سے ہے تو میں آپ کے راستے میں نہیں آؤں گی اگر اس گھر کے مکین اب تک مجھے سمجھ نہیں پائے تو کبھی بھی سمجھ نہیں پائیں گے بس آپ سے ایک درخواست ہے مجھ سے اپنے نام کا حق مت چھینیں گے گا میں گھر کے کسی کونے میں بیڑی رہوں گی۔“ اس نے خود کو مضبوط رکھنے کی بھرپور کوشش کی تھی پھر بھی آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر بے چارہ تھے اس کے سامنے اس کی کٹیا کو آگ لگ گئی تھی عالی نے اس درخواست پر ماہین کی طرف دیکھا اس نے شان بے نیازی سے شانے جھٹکے اسے ویسے بھی دوسروں کو جلا کر خیرہ آتا تھا سو وہ پوری طرح سے پری وش کو جلا نا چاہتی تھی۔

”اگر یہ نام کی بھیک میں مانگ رہی ہے تو بخشا میں نے۔“ بڑے غرور سے ماہین نے کہا تھا۔

”اگر ماہین کو اعتراض نہیں تو مجھے بھی نہیں۔“ عالی نے بھی شان بے نیازی دکھائی۔

”پری وش! کوئی تمہیں اپنی بیوی مانے یا نہ مانے

بہو تسلیم کرے یا نہ کرے مگر میں نے تمہیں اپنی چھوٹی بھابی تسلیم کیا ہے اور ہمیشہ تم ہی میری چھوٹی بھابی رہو گی اور یہ حق تم سے نہیں کوئی چھین سکتا اور دوسری بیوی ہمیشہ دوسری ہی رہتی ہے اور یہ دوسری کا درجہ بھی اسے پہلی کی بھیک سے ہی ملتا ہے اور ماہین تم اپنی معلومات درست کر لو تم اسے کچھ نہیں دے رہیں یہ تمہیں دے رہی ہے سو بھیک سمجھ کر رکھ لو اس کا شوہر۔“ نمرہ آخر میں سہی مگر میدان میں کود پڑی تھی اور ہمیشہ کی طرح پری وش کا مکمل دفاع کیا تھا اور اس کا ساتھ دیا تھا اور بھرپور طرح سے دیا تھا کہ ماہین کو آگ سی لگ گئی تھی۔

”عالی! دیکھ رہے ہو تمہاری چھوٹی بہن کیسی بدتمیزی کر رہی ہے۔“ اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئی تھیں اس قدر بے عزتی نہ۔

”ابھی تو تمہیں میری بہت سی بدتمیزیاں برداشت کرنی ہیں ماہین بیگم تیار رہنا۔“ نمرہ پاؤں جھٹکتی وہاں سے چلی گئی اور پری وش کو بھی ساتھ لے گئی اس کے ویسے بھی وہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ان دونوں کے لاؤنج سے جانے کے بعد بھابی نے ماہین کو اس کی کامیابی پر ڈھیروں مبارک دی تھی اماں بھی خوش تھیں بہت دیر تک لاؤنج سے قہقہوں کی آوازیں پری وش کے ماتم کدہ ول پر ضربیں لگاتی رہیں مگر نمرہ کے علاوہ کسی پرواہ تھی۔ وہ پوری رات اس کے روتے ہوئے گزر گئی عالی اس کا شوہر تھا مشرقی عورت ہونے کے ناطے نکاح کے دو پولوں کے ساتھ وہ عالی کی محبت میں بھی بندھ گئی تھی سو وہ اپنے دکھ کو اپنے آنسوؤں کے راستے بہا رہی تھی۔

جس نے بھی یہ خبر سنی سن کر سن ہو کر رہ گیا کوئی دکھ میں تو کوئی حیرت ایسا بھی ہوتا ہے کہ شادی سے فقط دو دن پہلے لڑکا شادی سے انکار کر دے وہ بھی

ماموں کی بیٹی سے پری وش یہ تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا اس نے ابھی تو بی اے مکمل کیا تھا وہ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر پیچھو کے بار بار اصرار اور گھر والوں کی خواہش کے آگے اس نے اپنی خواہشوں کا گلا گھونٹ کر اس شادی کے لئے ہاں کی تھی اور جب شادی کو صرف دو دن رہ گئے تو لڑکا مگر گیا کہ شادی کروں گا تو صرف نتاشہ سے جو اس کی بہن کی دوست ہے اور اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو وہ انتہائی قدم اٹھانے سے بھی گریز نہیں کرے گا جوان اولاد کی اتنی بڑی دھمکی سن کر ماں باپ تو تڑپ کر رہ گئے نمرہ نے مانو پل صراط سے گزر کر یہ پیغام بھائی تک پہنچایا تھا بھلا وہ بھائی کا سامنا کیسے کر تھیں اس شادی کے ہو جانے کا اصرار بھی انہی کا تھا۔

”بھائی صاحب تو بس اپنا دل تھام کر بیٹھ گئے تھے گھر میں پہلی شادی کا ہی ایسا انجام..... خاندان بھر کی باتیں بیٹی کی رسوائی کیا کچھ تھا جو برداشت کرنا تھا۔ بالآخر نمرہ کو ہی ترکیب سوچھی اور اس اندھیرے میں انہیں عالی امید کی اک کرن نظر آیا۔ نمرہ اپنی فریاد لے کر بھانجے کے پاس پہنچیں حتیٰ کہ جانتی تھیں کہ عالی ان ہی کی بیٹی کو پسند کرتا ہے مگر اس وقت انہیں صرف اپنے بھائی کی عزت اور بیٹی کو بنا گناہ کئے عذاب سے بچانا تھا اس وقت انہیں اپنی بیٹی سے زیادہ بھائی کی بیٹی سے ہمدردی تھی جوان ہی کے بیٹے کے ظلم کا نشانہ بنی تھی عالی نے بہت روکا منع کیا کہ وہ پری وش سے شادی نہیں کر سکتا مگر نمرہ بیگم نے اس کے پیروں میں اپنا دوپٹہ رکھ دیا تو بالآخر اسے ماننا ہی پڑا مقررہ تاریخ پر شادی ہو گئی مگر پری وش اور عالی کی فتاشہ اور سلمان کی عالی کی ماں زہرہ بیگم کی لاکھ مخالفت کئے باوجود بھی یہ شادی ہو کر رہی کیونکہ عالی ہاں کر چکا تھا۔ زہرہ بیگم کے گھر پری وش بہو بن کر تو آ گئی مگر انہوں نے اسے نوکرائی سے زیادہ

اہمیت نہیں دی کیونکہ وہ ان کے سوتیلے بھائی کی بیٹی تھی جن سے زہرہ بیگم نے خود ہی تعلقات اچھے نہیں رکھے تھے اس شادی کے ہو جانے سے نمرہ بیگم کے سینے سے بوجھ سر کا تھا تو پری وش کے والدین بھی کچھ سرخرو ہوئے تھے کیونکہ سلمان کے بعد پری وش اچھی جگہ ہی گئی تھی عالی انہیں ہمیشہ سے پسند تھا اور عالی نے بھی ہمیشہ ان کی عزت کی تھی۔ ان تمام معاملات میں ایک پری وش بھی جو پسے جا رہی تھی عالی نے اسے صاف بتا دیا تھا کہ وہ ماہین سے محبت کرتا ہے اور اسے کبھی نہیں چھوڑے گا پری وش سے شادی صرف ایک سمجھوتہ ہے وہ چاہے تو کبھی بھی اسے چھوڑ سکتی ہے پری وش نے اب اسے کیا چھوڑنا تھا اس نے اب عالی کو مگر کبھی چھوڑنا تھا۔ شادی کو چھ ماہ گزر چکے تھے مگر دونوں کا تعلق صرف اتنا تھا ایک گھر میں رہنے والے دو مہمان۔ پری وش اس گھر کی خدمت میں لگی ہوئی تھی اور گھر کے بیشتر کمین اسے نوکر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے جن میں اماں اور بڑی بھابی سر فہرست تھیں بڑی بھابی تو ان کی فیورٹ بہو تھیں کیونکہ وہ ان کی سگی چھوٹی بہن کی بیٹی تھیں۔ تو اماں نے ہاتھوں میں اٹھا رکھا تھا شادی کو اتنے سال گزر گئے مگر ان کا چاؤ ختم نہیں ہوا تھا اور بڑی بھابی بھی باز اٹھواتا خوب جانتی تھیں بس اس گھر میں قدر نہیں تھی تو پری وش کی نہیں تھی۔

عالی بہت خوش تھا اسے اپنی محبت حاصل ہونے جا رہی تھی اسے لئے اس کی خوشی تو دیدنی تھی اور اس سے بھی کئی زیادہ خوش شازمین بھابی تھیں پتہ نہیں کیوں انہیں پری وش کا پری وش چہرہ دیکھتے ہی غصہ آ جاتا تھا عالی اور ماہین شادی تو خاموشی سے کر رہے تھے مگر تیاریاں پورے زور و شور سے کر رہے تھے اور اماں ان کا خوب ساتھ دے رہیں تھیں بس ایک نمرہ تھی جسے ان تمام معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس

دن تیمور بھائی حسب سابق آفس گئے ہوئے تھے
عالی اپنی مصروفیات میں غم تھا بھابی اپنے کمرے میں
آرام کر رہی تھیں پری وش کو پورے ہفتے بعد اپنے
کمرے کی تفصیلی صفائی کرنے کا موقع ملا تھا حسب
روایت اماں صحن میں تخت پر براجمان تھیں اور ان
کے قریب نمبر بھی ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی جب نمبر
کی دلخراش چیخ سے پری وش اور بڑی بھائی اپنے
کمرے سے بڑبڑاتی دوڑی چلی آئی تھیں آگے کا
منظر ہی عجیب تھا اماں تخت پر الٹی پڑی تھیں اور نمبر
انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”یہ کیا ہو گیا اماں کو.....؟“ پری وش آگے آئی اماں کو
اٹھانے کے لئے اس کے ساتھ بڑی بھابی بھی تھیں۔
”پتہ نہیں بھابی کچھ کریں اماں تو کچھ بول ہی
نہیں رہیں“ نمبر کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے
دونوں نے اماں کو اٹھا کر سیدھا کیا تھا اماں تقریباً
بے ہوش ہو چکی تھیں۔

”کچھ کرو بھی مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تیمور کو کال
کرؤ عالی کو بتاؤ۔“ بڑی بھابی پانی کا گلاس بھر لائیں
پری وش اماں کے پاؤں کے ٹکڑے مسلنے لگی نمبر
مستکمل انہیں پکارے جارہی تھی۔

”بھابی اماں کو کیا ہو گیا ہے انہیں ہوش
کیوں نہیں آ رہا یہ جواب کیوں نہیں دے رہیں۔“
نمبر رونے لگی پری وش نے آ کر اسے تھاما۔

”کچھ نہیں ہوگا اماں کو تم حوصلہ رکھو۔“ پری وش
نے اس کا کاندھا تھیکا اور جلدی سے اندر جا کر اپنا
موبائل اٹھا لائی تھی تیمور بھائی عالی سب کو ہی کال
کردی اور پھر سامنے والی آنٹی کی مدد سے ان کی گالی
میں اماں کو اسپتال پہنچایا تیمور اور عالی کے پہنچنے تک
اماں آئی سی یو میں تھیں ڈاکٹر نے ہائی بلڈ پریشر
ہو جانے کی وجہ سے فوج کا ایک بتایا تھا۔ بروقت
اسپتال پہنچ جانے پر ڈاکٹر نے انہیں امید بھی دلائی
تھی کہ ان کے ٹھیک ہو جانے کے چانسز زیادہ ہیں

کیونکہ بروقت اسپتال پہنچا دیا گیا کیونکہ اگر تھوڑی سی
بھی لا پرواہی کی جاتی یا کسی وجہ سے دیر ہو جاتی تو خون
دماغ کی شریانوں سے نکل کر دماغ میں پھیل جاتا
جس سے ان کے پہنچنے کے امکانات کم ہو جاتے یا اگر
فوج بھی جاتی تو کوسے میں چلی جاتی اور یہ کام بے
شک پری وش نے ہی کیا تھا کہ اس نے تیمور اور عالی
کے پہنچنے کا انتظار نہیں کیا تھا بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت
خود اماں کو بروقت اسپتال پہنچا دیا تھا۔ عالی تیمور
بھائی اور نمبر اس کے بے حد مشکور تھے جبکہ پری وش
کے لبوں پر ایک ہی جملہ تھا کہ میں نے کوئی احسان
نہیں کیا یہ میرا فرض تھا چار دن انتہائی نگہداشت میں
رہنے کے بعد اماں کو جنرل وارڈ میں منتقل کر دیا گیا
فوج کے ایک کی وجہ سے ان کا جسم کا آدھا حصہ
مفلوج ہو گیا تھا بات کرنے سے بھی قاصر ہو گئی تھیں
یہ الگ بات ہے کہ ڈاکٹر نے امید دلائی تھی کہ
مستقل اور لوگ ٹرم ٹریٹمنٹ سے یہ ٹھیک ہو سکتی
ہیں۔ گھر لانے کے بعد نمبر اور پری وش ہی تھیں جو ان
کی خدمت میں لگی رہتی تھیں بڑی بھابی کو تو اب اپنے
بچوں سے ہی فرصت نہ ملتی تھی ویسے بھی پلنگ پر پڑی
اماں اب ان کے کسی کام کی نہ رہی تھیں ان کے پاس
تو اب اتنا بھی ٹائم نہ رہتا کہ دو گھڑی اماں کے پاس
بیٹھ کر تسلی ہی دے لیتیں۔ عالی اماں کی وجہ سے
پریشان تھا اور ماہین کو اپنے نکاح ہو جانے کی پری تھی
جسمہ خالہ بھی ماہین کو بہت کچھ سنا چکی تھیں مگر اس پر تو
کسی بات کا اثر ہی نہ تھا۔

☆☆☆☆

ایک اور شام بڑی بھابی نے بڑا سادھا کر دیا
کہ آفس کی طرف سے تیمور بھائی کو فلیٹ ملا ہے سو وہ
لوگ وہاں شفٹ ہو رہے ہیں عالی نمبر نے ٹوکا مگر
ان پر اثر نہ ہوا اور حتیٰ کہ اماں کی التجا کرتی روتی
آنکھیں بھی ان کے قدم نہ روک سکیں اور وہ دونوں
گھر چھوڑ گئے پری وش دل و جان سے اماں کی

خدمت میں لگی ہوئی تھی وہ روز بروز تھراپی کے علاوہ
بھی ان کے جسم کی ماسز کرتی وقت پر کھانے کا خیال
رکھتی ان کے اشارے سے پہلے ان کی طلب کو سمجھ
جاتی اماں اس کی دن و رات کی کوششوں کو دل سے
محسوس کر رہی تھیں وہ بنا کسی حیلے اور لالچ کے ایسا
فرض نبھارہی تھی جبکہ اس گھر کے مکیوں نے اسے
اجنبیت کے علاوہ اور دیا ہی کیا تھا۔ اس دن وہ اماں کو
سوپ پلا رہی تھی جب ماہین آئی تھی عالی بھی گھر پر تھا
وہ اماں کے پاس آ کے خیریت معلوم کرنے کی بجائے
سیدھا عالی کے پاس گئی تھی۔

”عالی اکب تک میں تمہارا انتظار کروں گی“ آخر
تم کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے۔“ آج وہ پوزی تیاری
کے ساتھ آئی تھی اور کافی غصے میں بھی تھی۔

”ماہین! اماں کی حالت تمہارے سامنے ہے تو
اس حالت میں میں اپنی شادی کیسے کر سکتا ہوں۔“
اس نے حیرت سے ماہین کی طرف دیکھا تھا جو خود
غرض لگ رہی تھی۔

”تمہاری اماں نے تو اب ٹھیک نہیں ہونا پوری
زندگی ایسے ہی بیڈ پر پڑے رہنا ہے ان کے بچے
اپنی زندگی کیوں خراب کر رہے ہو۔“ اس نے اپنے
شوذر کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے مکاری
سے کہا۔

”ماہین ذرا سنبھال کر بات کرو وہ کوئی اور خاتون
نہیں میری ماں ہیں۔“ عالی کو بھی اس کی باتوں اور
لب و لہجے پر غصہ آ گیا تھا۔

”ماں تو وہ تیمور بھائی کی بھی تھیں مگر وہ تو چھوڑ
گئے تان۔“ اس نے یاد دلایا۔

”کیوں کہ میں واقعی تیمور بھائی نہیں ہوں کہ
جیسا انہوں نے کیا ویسا میں بھی کروں۔“ وہ غصے سے
کمرے میں ٹپکنے لگا تھا۔

”دیکھو عالی! حقیقت پسندی سے چیزوں کو دیکھو
تمہیں اپنی ماں کی فکر ہے ٹھیک ہے ہم ایسا کرتے

ہیں شادی کر کے کہیں الگ رہتے ہیں تم خالہ سے
ملنے رڈز آتے رہنا اور یہاں ان کی خدمت کے
لئے ویسے بھی پری وش تو ہے ہی وہ پورا دھیان
رکھے گی اسے اس گھر میں رہنے کی جو جگہ بھیک میں
دی ہے اس کے عوض خالہ کی خدمت کر لے گی تو
کوئی احسان نہیں کرے گی۔“ ماہین نے پوری
طرح سے پلاننگ کی ہوئی تھی فخریہ بتا رہی تھی عالی
اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

”تمہارا دماغ تو درست ہے اگر ہماری شادی ہو
بھی جاتی ہے تو میں اماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا
اور شادی کے بعد پری وش کی جگہ ہمیں اماں کی
خدمت کرنی ہوگی میں تو ویسے ہی بہت شرمندہ ہوں
اس سے اس کے احسانوں تلے دبنا چلا جا رہا ہوں۔“
عالی نے بھی کھری کھری بنا کر اس کا مزاج ٹھیک
کرنے کی کوشش کی تھی۔

”مائی فٹ! میں تمہاری اماں کی خدمتیں کرنے
کے لئے شادی نہیں کر رہی اور نہ تمہاری اماں میری
ذمہ داری ہیں مجھ سے ایسی امید مت رکھنا۔“ وہ تنک
کر بولی غصے سے اس کی ناک کے نچھنے پھوسنے لگے
تھے عالی بھی غصے سے باہر نکل گیا اور یہ ساری گفتگو
دوپہر کمرے میں موجود اماں نمبر اور پری وش نے سن
لی تھیں اماں کی آنکھوں کے گوشے بھگ گئے تھے
انہوں نے پری وش سے نظریں چرائیں تھیں۔ جس
بہو کو انہوں نے بڑے لاڈ اور چاؤ سے رکھا تھا وقت
پڑنے پر وہ ساتھ چھوڑ گئی تھی اور جسے چاؤ سے بہو
بنانا چاہتی تھیں وہ بھی ساتھ دینے کو تیار نہ تھی یہاں
وہی رشتے نبھارہی تھی جسے نہ بھی ان کے دل نے
قبول کیا اور نہ گھرنے۔

☆☆☆☆

کچھ دنوں سے پری وش محسوس کر رہی تھی کہ اماں
بات کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اور ہاتھ بھی ہلانا
اٹھانا شروع کر رہی ہیں ادھر ماہین اور عالی کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آن لائن بیسٹ سیلرز:-



اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں ماہین عالی پر زور ڈال رہی تھی کہ وہ سب چھوڑ کر اس کے پاس آ جائے جبکہ عالی ایسا کیسے کر سکتا تھا اس دن وہ اماں کو ہنلا کر کپڑے چھینچ کر دانے اور ان کا پرہیزی کھانا بنانے کچن میں آ گئی تو تھوڑی دیر بعد عالی بھی کچن میں آ گیا وہ اپنے لئے چائے بنانے آیا تھا۔

”چائے چاہئے تھی تو مجھے بتا دیتے میں بنا دیتی۔“ وہ چائے کے لئے پانی ڈال رہا تھا جب نگاہیں جھکائے ہوئے پری دوش نے کہا۔
”کیا کیا کرو گی تم اور کیا کیا کروائیں ہم تم سے۔“ اس کے لہجے میں یاس گھلا ہوا تھا۔
”میں نے کوئی اتنا بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا۔“ اس نے نارملی جواب دیا۔

”پری دوش! میں بہت شرمندہ ہوں تم سے یہ تمہارے کام نہیں ہیں جو تمہیں کرنے پڑ رہے ہیں۔“ وہ کیبن سے کپ لٹکائے لگا۔

”نانا کہ اس گھر نے کبھی تمہیں اپنا نہیں سمجھا مگر یہ حقیقت ہے کہ میں نے اس گھر کو اور اس گھر کے ٹکینوں کو اپنا جانا ہے اماں صرف میری ساس ہی نہیں پھیسو بھی ہیں اور ان کے کسی کام میں آسکوں یہ میرے لئے باعث فخر ہوگا۔“ اس نے مدلل لفظوں میں اپنا نقطہ نظر بیان کیا۔

”اور اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔“ اس نے آخری بات کر کے بات ہی جیسے ختم کر دی عالی نے پری دوش کو حیرت سے دیکھا کیسی لڑکی تھی نولاد جیسی ثروت اراوی کی مالک جس پر کسی بھی غلط رویے کا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ تو بس اپنی دھن میں لگی ہوئی تھی عالی کی چائے تیار تھی اس نے دو کپوں میں چائے نکالی ایک کپ اپنے لئے اٹھایا اور ایک پری دوش کے آگے رکھا۔

”تھینک یو۔“ پری دوش نے نگاہیں اٹھائے بغیر ہی شکر یہ ادا کیا عالی کچن سے نکل گیا۔ اماں کی طبیعت

میں دن بدن بہتری آرہی تھی اور سب ہی اس کا کریڈٹ پری دوش کو دے رہے تھے اور یہی سچ بھی تھا بڑی بھائی بھی کبھار احسان کرتے ہوئے انہیں دیکھنے چلی آتی تھیں اور کچھ دیر سے زیادہ نہ بیٹھتی تھیں اور نہ تیمور بھائی کو بیٹھنے دیتی تھیں اماں تو شازمین کے رویے پر بہت دکھی تھیں مگر کچ کہتے ہیں آڑے وقت میں ہی اپنوں اور غیروں کا پتہ چلتا ہے اور برے وقت میں ان کا ساتھ پری دوش نے ہی دیا تھا اور جسے وہ اس گھر کا مالک سمجھتی تھیں وہ تو آفت بڑنے پر گھر ہی چھوڑ گئی تھیں۔ اماں ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بات کرنے لگی تھیں ان کے انداز لب و لہجہ میں پری دوش کے لئے واضح تبدیلی آئی تھی اب وہ اس سے بہت نرمی سے پیش آنے لگی تھیں عالی بھی اس کی دن رات کی محنت دیکھ رہا تھا اور دل سے اس کی عزت اور قدر کرنے لگا کہ یہ لڑکی بنا کسی لالچ اور صلے کے اس کی ماں کی خدمت کر رہی تھی وہ پری دوش پر غور کرنے لگا تھا۔ پری دوش بھی محسوس کر رہی تھی کہ اب اس گھر میں ماہین کا ذکر نہیں ہو رہا اور نہ ماہین کی کالز آرہی ہیں اور نہ ہی اب عالی گھر سے باہر رہتا ہے۔

اماں کی طبیعت بہتر ہونے کی خوشی میں عالی نے خاندان کے بیشتر لوگوں کو دعوت پر بلایا تھا جس میں شازمین بھائی نجمہ خالہ ذہنب خالہ کے علاوہ پہلی بار تھا کہ پری دوش کے میکے والوں کو بھی نجی دعوت پر نہیں بلایا گیا تھا اور یہ عالی کی طرف سے پری دوش کے لئے سرپرائز تھا۔

عالی کے حکم پر پری دوش اور نمرہ صبح سے ہی کچن میں مصروف ہو گئی تھیں جبکہ اماں ڈرائنگ روم میں اپنا اسٹیل جھوٹا والا تخت لگائے نیم دراز تھیں اور آنے والوں کو مسکرا مسکرا کر دیکھ کر رہی تھیں۔ ذہنب خالہ اور نجمہ خالہ تو خوش تھیں کہ ان کی بڑی بہن رو بہ صحت ہو رہی ہیں مگر ذہنب کی بیٹی ان کی اپنی بہو شازمین کو ان کے ٹھیک ہونے پر حیرت ہو رہی تھی شام تک پری

دوش کے میکے والے بھی پہنچ گئے تھے پری دوش انہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی اماں اور عالی نے بڑی خوش دلی سے ان کا خیر مقدم کیا تھا وہ بھی بہت تھاک سے ملے۔ شازمین نے آنکھوں ہی آنکھوں سے ماہین کو معنی خیز اشارے کئے ماہین سے بھی برداشت نہ ہو رہا تھا ان کا آنا جبکہ نجمہ خوش تھی بھائی سے مل کر۔

”مائی! آج کی اسٹیل دعوت میں آپ کو بلایا گیا ہے یا خود ہی چلے آئے ہیں۔“ ماہین نے آخر اپنے اندر کی جلن باہر نکال ہی دی۔

”ماہین! کیا بدتمیزی ہے یہ ایسے بات کرتے ہیں بڑوں سے۔“ نجمہ خالہ نے اسے غصے سے گھورا۔
”میں نے بلایا ہے ان کو تمہیں کوئی اعتراض ہے۔“ عالی اپنی جگہ سے اٹھ کر ماموں کے برابر آ کے بیٹھ گیا۔

”اوہ! اچھا آج کے اسٹیل اعلانات سے تم انہیں بھی باخبر رکھنا چاہتے ہو اواد کے پھر ٹھیک ہے۔“ ماہین بیگم کو کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں تھیں ماموں نے نہ بھی میں عالی کو دیکھا عالی نے انہیں ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔

”ہاں آج بہت سے اعلانات ہوں گے اور بہت سی پیش گوئیاں بھی سو تم بھی تیار رہنا۔“ عالی نے فارل سے انداز میں جواب دیا۔

سب اماں کو صحت یابی کی مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے عالی کے چکر کچن میں کچھ زیادہ ہی لگ رہے تھے ماہین نے محسوس کیا کھانا لگ گیا تو سب کھانے کے لئے اٹھ گئے یہاں بھی ماہین نے دیکھا کہ عالی پری دوش کی پوری مدد کر رہا تھا کھانا لگانے میں چیزیں سیٹ کرنے میں بالکل ایک ویٹر بنا ہوا تھا آخر میں جب وہ کھانے کے لئے بیٹھا تو اس نے اپنے ساتھ دالی کر سی پری دوش کے لئے پیش کی پری دوش نے اسے حیرانگی سے دیکھا عالی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

بیٹھ گئی ماہین کو بہت ناگوار لگا مگر چپ رہی۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا عالی نے ماہین کو چائے بنانے کا کہا تو اس نے صاف منہ کر دیا کہ میں چائے نہیں بنا سکتی عالی طنزیہ مسکرایا نمرہ نے سب کے لئے چائے بنائی اور عالی اور پری دوش نے سر دکی۔ پری دوش کے والدین عانتہ اور جنید بہن اور بہنولی کو اس طرح ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے جبکہ ماہین سوچ رہی تھی کہ ان کی خوشی بس چند لمحوں کی اور رہے گی ہے۔
”خواتین و حضرات! میری اس دعوت پر آپ سب کے آنے کا بہت شکریہ اماں کی صحت کے علاوہ آپ سب کو یہاں اکٹھا کرنے کا ایک اور مقصد بھی تھا۔“ عالی نے بولنا شروع کیا اور سب کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

”میں ڈیڑھ سال پہلے نجمہ خالہ کی التجاؤں اور ماموں کو رسوائی سے بچانے کے لئے ایک زبردستی کے رشتے میں بندھ گیا جو میں نے کبھی نہیں چاہا تھا مجھے خالہ کی التجاؤں اور آنسوؤں کے آگے اپنی محبت کو قربان کرنا پڑا اور اس کا الزام میں کہیں نہ کہیں خالہ کو دیتا آیا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی خوشی کے لئے میری خوشی قربان کر دی اور یہی وجہ رہی کہ میں نے پری دوش کو بھی توجہ نہ دی۔“ وہ بول رہا تھا اور سب سن رہے تھے ماہین کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی جبکہ پری دوش کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے۔

”پھر حالات نے پلٹا کھایا اماں پر فاق کا ایک ہو گیا سب ایک ایک کر کے اماں کو چھوڑ کے چلے گئے حتیٰ کہ اماں کا بڑا بیٹا اور لاڈلی بہو بھی ماہین نے بھی ان کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا ایسے میں صرف ایک پری دوش ہی تھی جو امید کا دیا بن کر میرے اماں کے اور اس گھر کے ساتھ رہی جس نے کسی بھی قدر پر احساس نہیں ہونے دیا کہ ہم اکیلے ہیں جس نے کسی ان کی خدمت سے بیزاری ظاہر نہیں کی جس نے اماں کی اپنی ماں سمجھ کر دن رات خدمت کی اور یہ



اسی کی محنت کا نتیجہ ہے کہ آج آپ اماں کو اپنے وجود پر کھڑا دیکھ رہے ہیں یوں ہنس کر باتیں کرتے سن رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتی تو اماں صحت یاب بھی نہ ہوتیں۔ اس نے محبت لٹائی نظروں سے پری وش کی طرف دیکھا پری وش کی آنکھوں سے روانی سے آنسو بہہ رہے تھے جبکہ بھابی اور ماہین شدید متذبذب کا شکار ہو گئی تھیں۔

”میں نے پری وش کو چھوڑ کر ماہین کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر جب ماہین نے میری ماں کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا تو میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں نے نجمہ خالہ سے رابطہ کیا تمام حالات بتائے تو انہوں نے پری وش کا ساتھ دیا اور کہا کہ اس گھر کے لئے پری وش سے بہتر بہو اور کوئی بھی ثابت نہیں ہو سکتی اور انہوں نے مجھے ڈانٹا بھی اور کہا کہ تمہاری آنکھیں اب تک نہیں کھلیں بے شک ماہین میری بیٹی ہے مگر وہ تمہارا گھر نہیں سنبھال سکتی۔ وہ بڑے بڑے انکشافات کر رہا تھا ماہین نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا۔ وہ بہت مطمئن سی مسکرا رہی تھیں۔

”پھر ہر گزرتے دن کے ساتھ پری وش میرے دل میں جگہ بناتی گئی اور اب یہ حال ہے کہ ماہین میرے دل میں کہیں بھی نہیں ہے اگر کوئی ہے تو بس وہ صرف پری وش ہے۔ یہ تو سب سے بڑا دھماکہ تھا جو اس نے کیا ماہین کے تو چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا ماموں ماما کی خوشی دیدنی ہو رہی تھی پری وش حیرت سے آنکھیں پھاڑے عالی کو دیکھ رہی تھی شاز مین بھی ماہین کی ہار پر افسردہ تھی۔

”میں نے بہت سے لوگوں کے درمیان اپنے اور پری وش کے ان چاہے رشتے کو قبول کیا تھا اس لئے میں چاہتا تھا کہ بہت سے لوگوں کے درمیان ہی میں اپنی چاہت کا اظہار بھی کروں تاکہ سب کو پتہ چل جائے کہ یہ رشتہ اب ان چاہا نہیں رہا سب کی غلط فہمیاں اور خوش فہمیاں دور ہو جائیں۔ اس نے

ماہین کی طرف دیکھا تھا جو غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی اور پھٹنے کو تیار تھی۔

”اماں! آپ کو کوئی اعتراض ہے تو بتائیں۔“

عالی اماں کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

”یہ سچ ہے کہ پری وش مجھے بھی پسند نہیں رہی اور میں ہمیشہ اسی سازش کا حصہ رہی کہ کب اسے اس گھر سے اور اپنے بیٹے کی زندگی سے نکال باہر کروں مگر میری معذوری و بیماری کی وجہ سے اپنی ذات کو بھلا کر ہمارے دیئے ذمہ کو درگزر کر کے جس طرح میری خدمت کی تو میں تو اب کبھی نہیں چاہوں گی کہ پری وش جیسی بہو کو کھودوں جن لوگوں پر مجھے مان تھا وہ سب ہاتھ چھڑا گئے اور جسے میں نے کھو دے سکا سمجھا تھا وہی میرے کام آئی تو مجھے تو اب ان سب سے بھی اور اپنی اولاد سے بھی قیمتی یہی ہے۔ اماں نے پورے خلوص سے دل کی ساری باتیں کر دی تھیں پری کا دل اللہ کے حضور سر بسجود ہو گیا بن مانگے وہ سب بھی مل رہا تھا جس کا سوچا بھی نہ تھا۔

”نجمہ میں تمہاری بہت شکر گزار ہوں کہ تم نے اتنا قیمتی ہیرا میرے حوالے کیا اور میں اتنی بد بخت نکلی کہ کھولے اور ہیرے کو پہچان ہی نہ پائی سچ مانو تو تم نے احسان کیا مجھ پر۔“ اماں اب نجمہ خالہ سے مخاطب تھیں عالی پری وش کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

”بس زہرہ آپا میری قسمت کھوئی تھی جو مجھے ایسی بہو نصیب نہ ہوئی اور میری بہو کو دیکھو میرے بیٹے کو چھین کر لے گئی ہمیں تو اب وہ پیچا مٹا بھی نہیں ہے۔“ نجمہ خالہ کو پری بے شک عزیز تھی اور وہ دل سے اس کی قدر کرتی تھیں۔

”بھائی بھابی آپ لوگ بھی مجھے معاف کر دیں میرا رویہ کبھی آپ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں رہا مگر آپ نے جس انداز میں اپنی بیٹی کی تربیت کی ہے اسے صابر و شاکر رہنے والا کر سکھایا ہے یہ بے شک

قابل تعریف ہے اور یہ اس کی محبت، لگن اور محنت کا نتیجہ ہے کہ میرے دل سے سب کے لئے نفرت کی جو دھول تھی وہ چھٹ گئی ہے اور اب ہر طرف بس اجالا ہے۔“ زہرہ بیگم نے پہلی بار اپنی انا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دل سے معافی مانگی تھی اور دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے انہوں نے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا لیا بھابی نے سر پر ہاتھ رکھا سب کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر خوشی کے۔

”عالی! تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے۔“ ماہین غصے سے دھاڑی تھی۔

”بس ماہین آج تک ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو دھوکہ دیتے آئے ہیں ہم دونوں کو ایک دوسرے سے نہیں بلکہ ایک دوسرے سے منسوب اپنی ہر غرض سے محبت تھی تمہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو مجھ سے منسوب ہر شخص میری ہر بات سے محبت ہوتی مگر تم نے ایسا نہیں کیا میرے ہر رشتے سے محبت کی میرے کام اپنے سر لے لئے میری ذمہ داریاں نبھائیں سو مس ماہین اب یہاں سے تمہارے اور میرے راستے جدا ہوتے ہیں۔“ وہ پری وش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اس نے شرم سے نگاہیں جھکا لیں۔

”اب میں ساری زندگی پری وش کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔“ اس نے محبت سے کہا تھا پری وش کی آنکھیں شرم سے مزید بھیگ گئیں۔

”پری وش کیا تم مجھے اپنے قابل سمجھتی ہو کہ ساری زندگی میرے ساتھ گزار سکو۔“ عالی نے اس سے سوال کر دیا اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا پری وش نے کچھ بل سوچا اور پھر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ رضامند ہے ایک گھر اس کو عالی کے اندر تک اتر گیا سب ہی ان کے یوں ملن پر خوش تھے سوائے شاز مین اور ماہین کے ماہین سے تو برداشت نہ ہو وہ وہاں سے چلی گئی جب

کہ بھابی کے بس میں کچھ نہیں تھا تو انہیں اسی رشتے کو مانتے ہی بنی۔

”آخر ہماری چھوٹی بھابی کی خوبیوں کو سب مان ہی گئے۔“ زہرہ کی چٹکی آواز آئی۔

”ہاں بھئی تم اور تمہاری چھوٹی بھابی ہمیشہ ٹھیک تھے بس ہم ہی غلط تھے جو سمجھ نہیں پائے اور اب اپنی چھوٹی بھابی سے کہو کہ ہمیں کھلے دل سے معاف کر دے۔“ اماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو عالی اور پری وش اماں کے پاس آ گئے اماں نے دونوں کو گلے سے لگا لیا۔

”اماں! مجھے معاف کر دیں میں خود غرض ہو گئی تھی۔“ بڑی بھابی کو بھی نداست نے گھیر لیا تھا وہ بھی ہاتھ جوڑے اماں کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔

”نہیں بڑی بہو! قصور وار صرف تم ہی نہیں میں بھی ہوں اگر چھوٹے غلطی کریں تو بڑوں کو انہیں سمجھانا چاہیے نہ کہ ان کا ساتھ دین اور میرے ساتھ یہی ہوا کہ تمہیں سمجھانے کے بجائے تمہاری دکھائی راہوں پر چل پڑی جبکہ تم سراسر غلط تھیں مگر میں نے تمہاری سچ نہیں کی اور خود بھی غلطی پر غلطی کرتی گئی یہ تو پری وش کی اچھائی ہے جس نے میری آنکھیں کھول دیں ورنہ کتنا بڑا ظلم میرے ہاتھوں ہو جاتا۔“ اماں کی آنکھوں سے نداست کے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے سارے بچوں کو بلا کر گلے لگا کر اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا سب کے دلوں سے نفرت، کدورت کے بادل چھٹ گئے تھے اور سب کچھ روشن روشن تھا بھابی نے پری وش سے بھی معافی مانگ لی تھی پورا گھر ایک بار پھر ساتھ ہو گیا تھا زہرہ بہت خوش تھی بالآخر اس کی چھوٹی بھابی اس گھر کی اعلیٰ طرف بھابی ثابت ہوئی تھی عالی بے حد مسرور تھا اور پری وش بے حد مطمئن بالآخر اس کی اچھائیوں نے اپنے آپ کو منوالیا تھا اور اس کا رستہ محبت نے دیکھ لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رواؤ انجسٹ [147] اگست 2016ء

رواؤ انجسٹ [146] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

دھیرے دھیرے لکھی یادیں

آج دلوں کا موسم بڑا رنگین سا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ٹھنڈی میٹھی ہوا کے ساتھ رنگ برنگے گلابوں کی پتھڑیاں ہمیں چھو کر گر رہی تھیں۔ محبت ہم میں جی رہی تھی اور ہم محبت میں زندہ تھے۔ ایک نرم و نازک معطر سی خوشبو ٹھنوں کے ذریعے اندر تک کو سرشار کر رہی تھی۔ کتنا حسین منظر تھا ہر دم اور دکھ سے دور اپنی ہی دنیا میں جس میں سرشاری تھی۔

☆.....☆.....☆

اسامہ کی ڈائری۔

محبت بہت خوبصورت جذبہ ہے یہ کسی خوبصورت پرندے کی طرح آزاد ہوتا ہے اور اسی خوبصورتی کا احساس مجھے اچانک ہوا تھا اور پھر میری زندگی کا اٹاش بھی محبت بن گئی۔

وہ پھولوں جیسی نرم و نازک لڑکی مجھے ایسے پیاری ہے جیسے کسی مصنف کو اپنی ”تحریر“ کسی شاعر کو اپنی شاعری، جیسے دل کو دھڑکن اور روح کو جسم پیارا ہوتا ہے۔ جب اس کے معصوم چہرے پر نظر ڈالتا تھا تو لگتا تھا کہ نرم سفید روئی جیسا بادل ہو، جس کے چہرے پر ہر دم سنہری مسکان رہتی ہو۔ ہمیشہ تمہاری یادیں میرے گرد لٹکتی ہیں ”پری“... مگر آج لگتا ہے زندگی کا مقصد مل گیا ہے۔ ادھوری محبت کا کنارہ مل گیا جو کبھی بھنور میں کھو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

پری کی ڈائری۔

جس عمر میں لڑکیوں کو سنبھل کے قدم اٹھانے کی تاکید کی جاتی ہے محبت اسی عمر میں میرے قدموں میں بیڑی ڈال گئی تھی، کم عمر کے نرم جذبوں کا احساس بہت ہی خوشگوار سا تھا۔

وہ آج بھی میری سانسوں میں مہکتا ہے۔ میرا دل آج بھی اسی کی لے پر دھڑکتا ہے۔ اسے سوچنا مجھے پرسکون کر دیتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے بہت سی اذیتوں سے دور مجھے ایک خوبصورت وادی میں لے آیا ہے جہاں شفاف پانی کے جھرنے کی پھوار میرے دل کو شانت کر رہی ہے۔ اس کی محبت کے حصار میں رہنا میں اپنا حق سمجھتی ہوں اور اب عنقریب ہمارا ملن ہوگا وہ بہت جلد لوٹنے والا ہے۔ میری محبت کی بے قراری ”اسامہ“ کے انتظار میں ہے۔

☆.....☆.....☆

پری اور اسامہ چچا زاد کزن تھے، بچپن سے وہ ایک ساتھ رہے، جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اسامہ کو جو پہلا جذبہ محسوس ہوا وہ پری کے لئے تھا۔ وہ حیران تھا اتنا مضبوط جذبہ کب پیدا ہو گیا اس کے دل میں، دن جیسے بڑھتے گئے محبت کی بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ بالآخر ایک دن وہ پری سے اظہار کر بیٹھا۔ وہ بھی اس کے جذبوں سے واقف ہو گئی تھی۔

اس بات کا احساس اسے تب ہوا جب ہر وقت اسامہ پری کو اپنی محبت کے حصار میں رکھنے لگا۔ دھیرے دھیرے پری بھی اس کی ہمسفر بن گئی۔ بڑی

خاموش محبت دونوں کے بچے ہونے لگی۔ ایک احساس تھا جو دونوں کو مقید کئے رکھتا۔ جب بھی اسامہ پری کی نظروں سے دور ہوتا وہ بے چین ہو جاتی اور جب وہ لوٹ کر آتا اس پر پیار بھری نظر ڈالتا تو وہ یکدم پرسکون ہو جاتی۔ پری کو اسامہ کی محبت کے حصار میں رہنا پسند تھا۔

وہ اس کا حد سے بڑھ کر خیال کرتا تھا وہ اس کی اتنی محبت پر شمار ہو جاتی بس ایک دن کچی عمر کے کچے جذبوں کو انہی کی نظر لگ گئی۔

☆.....☆.....☆

ان کے والدین کے حالات آپس میں ناساز رہنے لگے، کاروبار کے سلسلے میں جھگڑے ہونے لگے، چونکہ وہ دو ہی بھائی تھے خاندان کے نام پر ان کا کوئی نہ تھا، اسامہ اور پری ان کی اکلوتی اولادیں تھیں۔ آخر کار خون سفید ہونے لگا اور دونوں بھائی جھگڑ کر کاروبار الگ کر کے ہمیشہ کے لئے الگ ہو گئے۔ اسامہ کے والد بیرون ملک شفٹ ہو گئے اور وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ پری اور اسامہ کی محبت انجانے میں ختم کر گئے اور ابھی ان کی اتنی سمجھداری کی عمر نہ تھی کہ وہ اپنی محبت بتاتے بھی تو والدین بچپنا کہہ کر ٹال جاتے۔

جاتے وقت اسامہ نے اپنی سیاہ ڈائری پری کی طرف بڑھائی تھی اس کی آنکھیں ضبط سے سرخ تھیں اور پری کا رورو کے برا حال تھا۔ روتے روتے اس نے اپنی سرخ ڈائری اسامہ کی طرف بڑھائی۔

”رومت پری ورنہ میں جانہ سکوں گا، میں اپنے ماں بابا کی وجہ سے مجبور ہوں، ہماری محبت رہے گی ہمیشہ، ہم دونوں اپنی محبت ان ڈائریوں میں رقم کریں گے، ہم ملیں گے ایک دن، تمہارے بعد یہ ڈائری میری محبت کی گواہ ہوگی“۔ اس کے سرخ گالوں سے آنسو پونچھتے ہی وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

پتہ القصبہ

اب گرمی بھی ہوگئی ٹھنڈی...

تبت

پریکٹس ہیٹ

پاؤڈر



تبت پریکٹس ہیٹ پاؤڈر گرمی دانوں سے نجات اور ٹھنڈک کا خوشگوار احساس

TPHP/06/2K15

پھر کسی کے کھنکار نے پردوں کا ارتکاڑ ٹوٹا تھا، والدین آپس میں مل کر گلے شکوے بھلا چکے تھے۔ آج پھر وہ اسامہ کی نظروں کے حصار میں تھی گنتا خوش کن احساس تھا، وہ سرشار تھی۔

رات کے پہرہ جانتی تھی اسامہ لان میں اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ وہ سیاہ ڈائری تھا لے لان میں آگئی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔ اسے دیکھتے ہی بیچ پر بیٹھا اسامہ کھڑا ہو گیا۔ ان کے اس ملن پر پھول بھی جیسے نیند سے جاگ کر انگڑائیاں لینے لگے اور فضا میں خوشبو بھری۔

پری نے ڈائری اس کی طرف بڑھائی، ڈائری اس کے ہاتھ سے تھامتے ہوئے اسامہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھالیا۔ دونوں ایک دوسرے کی نگاہوں میں جھانکنے لگے۔

”میں نے کہا تھا ناں پری میں آؤں گا۔“ وہ وحشیہ سے بولا۔

”ہاں مجھے یقین تھا اسامہ۔“ وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔

”تم تو پہلے سے بھی زیادہ معصوم اور پیاری ہو گئی ہو۔“

”تمہاری محبت کے انتظار نے بنا دیا۔“ وہ نظریں جھکا کر بولی، اسامہ مسکرانے لگا۔

ایک سحر دونوں کے گرد ہالہ سا بنانے لگا اور پھر اقرار کی ضرورت نہ تھی اس اظہار کی رات میں چاند کو گواہ بنا کر وہ دونوں ایک دوسرے کی ڈائری تھا لے ایک دوسرے کے دل کا حال جاننے میں مگن تھے۔

اور وہ دونوں ابھی تک اس اصلیت سے انجان تھے ان کے اچانک ملن کی وجہ بھی یہی ڈائریاں تھیں جو ان کے والدین تک سارا حال پہنچا چکی تھیں جس کا نتیجہ تھا وہ آج ایک تھے، صدا کے لئے محبت کے سہانے احساس کے ساتھ۔

☆.....☆.....☆

اور آج سات سال بعد نا جانے کیسے دونوں بھائیوں میں صلح ہو گئی۔ اسامہ اور پری کو اس بات سے غرض نہ تھی، کیوں، کب، کیسے؟ بس خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا آج اتنے عرصے بعد ان کی محبت کو امید کی کرن نظر آئی تھی۔

آج اسامہ آ رہا تھا پری سے ملنے، بس یہی لمحہ بہت ہی خاص تھے۔ آج صبح سے ہی وہ تیار یوں میں مصروف تھی۔ آج پری نے اسامہ کی پسند کا گلابی میض اور سفید شلوار و ویش پہنا تھا۔ انتظار کی تری آنکھوں میں کا جل کی لکیر لگائی اور لمبے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔

اسامہ ہر بار اس سے کہتا ”بال کھلے چھوڑا کرو ناں“ تو وہ نہ مانتی۔

”مجھے اب جھن ہوتی ہے اسامہ، نہیں سنبھالے جاتے۔“ اور آج بغیر کبے کھول دیئے تھے۔

”پری تم گلابی رنگ میں ایکدم معصوم پری لگتی ہو۔“

”پری اپنی اس چھوٹی سی ناک میں لو لنگ پہنا کرو ناں۔“ اسامہ فرمائش کرتا۔

”نہ بابا نہ، بہت درد ہوگا ناک چھدواؤں گی تو۔“ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتی۔ اسامہ کی باتیں ستاتی جا رہی تھیں اور وہ تھا آہی نہ ہاتھ لگاتی۔ کئی گھنٹوں کے انتظار کے بعد آخر وہ وقت بھی آن پہنچا۔

☆.....☆.....☆

اسامہ اندر داخل ہوا اور وقت جیسے تھم گیا۔ وہ آج بھی کاشن کے سفید شلوار میض میں ملبوس تھا، آج بھی بازو اوپر فونڈ کر رکھے تھے ہاں جسم ذرا بھرا ہوا تھا اور قد بھی پہلے سے لمبا ہو گیا تھا۔

آج بھی وہ پہلے والا اسامہ بن کر آیا تھا لگتا ہی نہیں تھا وہ بیرون ملک سے لوٹا ہے، آمنے سامنے کھڑے وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں گم تھے۔ محبت جیسے روز اول کی طرح آنکھوں میں چمک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رواڈ انجسٹ 150 اگست 2016ء

سحر مبین

افسانہ

سالگرہ

سالگرہ کا دن بہت "خاص" ہوتا ہے زندگی میں بہت اہمیت کا حامل۔ میرے خالص ذاتی تجربے کے مطابق ہم سے منسلک لوگوں کا اپنے لئے رویے پرکھنے کے پیاؤں میں سے ایک بیاناہ ہماری سالگرہ

بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ کیسے دن آگئے، کیسا زمانہ آگیا، اب تو اپنوں کو بھی اپنوں کی سالگرہ کا دن یاد نہیں رہتا۔ میں قدرے کم صم چلتی ہوئی لفٹ تک پہنچی تھی، چند سیکنڈ لگنے تھے مجھے اپنے فلیٹ تک جانے میں مگراف!! بجلی نہیں تھی میرے عملیکن افسردہ اور سنجیدہ تاثرات میں مزید سختی آئی تھی اور میں پھولے سوچے منہ کے ساتھ دو منٹ مسلسل سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ تک پہنچی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا اور آج میں آفس سے گھر آنے میں آدھ گھنٹے سے زیادہ تاخیر کر چکی تھی۔ اس کی ایک نہایت ہی عملیکن وجہ تھی میں

ہوتا ہے۔ یہ وہ دن ہوتا ہے جب ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی نے اپنی مصروف ترین زندگی میں ہمیں کتنا یاد رکھا ہوا ہے یا پھر ہم کسی کے لئے کس قدر اہم ہیں۔ ہیں بھی یا نہیں۔ یہ تقریر جیسی باتیں آج خواہ خواہ ہی میرے ذہن میں آ رہی تھیں حالانکہ میں کوئی بہت جذباتی قسم کی انسان نہیں ہوں۔ مگر واہ رے قسمت!! یہ دن بھی دکھا ڈالا مجھ پر شدید قسم کا جذباتی حملہ ہو رہا تھا ہائے ری قسمت!! یہ رشتے ناتے بھی ناں کیسے کیسے دن دکھاتے ہیں یہ بھی میرا خود کا خالص بیان تھا کہ اس قدر مصروف زندگی میں کسی کی سالگرہ یاد رکھنا



WWW.PAKSOCIETY.COM



ہمیشہ وقت کی پابند رہی تھی اور شام پانچ بجے ضرور فلیٹ میں ہوتی تھی مگر آج کی عکسین وجہ نے مجھے آدھ گھنٹے سے زیادہ لیٹ کر دیا تھا میں نے بیگ کی زپ کھول کر چابی یا ہرنکالی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے فلیٹ کے اندر تھی دھب سے بیگ صوفے پر پھینکا اور خود بھی سستانے کو وہیں بیٹھ گئی۔ کوٹ اتار کر وہیں صوفے پر رکھا اور مایوس ی سوچنے لگ گئی۔

”اف کتنا انتظار کیا تھا میں نے آج کے دن۔“ میرے چہرے کے تناؤ میں مزید اضافہ ہوا۔

”اچھا تو میں ذرا بھی خاص نہیں کسی کے لئے بھی۔“ مزاج قدرے بگڑنے لگا تھا میں نے ایک شوژ اتار کے پھینکا۔

”اوہو..... ریلیکس یار۔“ میں نے خود کو ہی گھر کتے ہوئے پرسکون کرنا چاہا تھا اور اس دوران دوسرا جوتا بھی مخالف سمت میں پھینک دیا۔

”ابھی ٹائم ہی کتنا ہوا ہے۔“ خود کو تسلی دینے کی ہر ممکن کوشش کے دوران میں نے گھڑی پر وقت دیکھا تھا چھ بجنے والے تھے شام کے۔ یعنی اس دن کے اٹھارہ گھنٹے گزر چکے تھے اور..... اور میں ابھی بھی کہہ رہی تھی کہ ابھی ٹائم ہی کیا ہوا ہے۔ میرا پرسکون ہوتا مزاج پھر سے بگڑنے لگا تھا۔ پھر میں نے خود کو نارمل کرنے کے لئے ادھر ادھر دھیان دینا چاہا۔ مجھے پتہ

نہیں کیوں آج بہت محسوس ہو رہی تھی یہ بات کہ میری ذرا بھی اہمیت نہیں ہے مگر میں سر جھٹکتے ہوئے اٹھ گئی۔ گرمیوں کی شام بھی ٹھنڈے پانی سے شاور لینے کے بعد میں کافی تروتازہ ہو گئی تھی جو ذہن پر عجیب سی جذباتی کشافیت چھائی ہوئی تھی وہ قدرے دھل گئی تھی آفس کا لباس تبدیل کر کے میں اب گلے میں پڑی چین کو اٹکی سے لپیٹتے ہوئے کچن کی طرف گئی۔ ایک کپ گرین ٹی کا تیار کیا اور کپ ہاتھ میں لئے بالکونی میں آ گئی۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے فلیٹ

سے باہر گئی بیرونی دروازے سے ارد گرد دیکھا وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہو کر کونے کدھروں کا ایک چکر لگایا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سر پر اتر ہوگا کیونکہ کچھ نہ کچھ سر پر اتر ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا مگر میرا سارا جوش و خروش پائندہ نہ رہا وہاں کوئی بھی پیغام مسند کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب بیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں کا کارڈ کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کو لیک نے دس نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آ رہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہوا تھا تو اور کیا ہوتا تھا میں سب سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

”ہوں“ مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے نہیں تو نہ سہی وقت ہی ایسا آ گیا ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔“ شام گہری ہونے لگی تو میں نے گرین ٹی کا آخری گھونٹ بھر کر کچن کا رخ کیا۔ کوکہ میں گھر سے

سے باہر گئی بیرونی دروازے سے ارد گرد دیکھا وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہو کر کونے کدھروں کا ایک چکر لگایا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سر پر اتر ہوگا کیونکہ کچھ نہ کچھ سر پر اتر ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا مگر میرا سارا جوش و خروش پائندہ نہ رہا وہاں کوئی بھی پیغام مسند کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب بیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں کا کارڈ کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کو لیک نے دس نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آ رہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہوا تھا تو اور کیا ہوتا تھا میں سب سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

”ہوں“ مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے نہیں تو نہ سہی وقت ہی ایسا آ گیا ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔“ شام گہری ہونے لگی تو میں نے گرین ٹی کا آخری گھونٹ بھر کر کچن کا رخ کیا۔ کوکہ میں گھر سے

سے باہر گئی بیرونی دروازے سے ارد گرد دیکھا وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہو کر کونے کدھروں کا ایک چکر لگایا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سر پر اتر ہوگا کیونکہ کچھ نہ کچھ سر پر اتر ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا مگر میرا سارا جوش و خروش پائندہ نہ رہا وہاں کوئی بھی پیغام مسند کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب بیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں کا کارڈ کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کو لیک نے دس نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آ رہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہوا تھا تو اور کیا ہوتا تھا میں سب سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

”ہوں“ مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے نہیں تو نہ سہی وقت ہی ایسا آ گیا ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔“ شام گہری ہونے لگی تو میں نے گرین ٹی کا آخری گھونٹ بھر کر کچن کا رخ کیا۔ کوکہ میں گھر سے

سے باہر گئی بیرونی دروازے سے ارد گرد دیکھا وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہو کر کونے کدھروں کا ایک چکر لگایا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سر پر اتر ہوگا کیونکہ کچھ نہ کچھ سر پر اتر ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا مگر میرا سارا جوش و خروش پائندہ نہ رہا وہاں کوئی بھی پیغام مسند کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب بیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں کا کارڈ کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کو لیک نے دس نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آ رہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہوا تھا تو اور کیا ہوتا تھا میں سب سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

”ہوں“ مجھے بھی کسی کی ضرورت نہیں ہے نہیں تو نہ سہی وقت ہی ایسا آ گیا ہے کون کسی کو یاد رکھتا ہے۔“ شام گہری ہونے لگی تو میں نے گرین ٹی کا آخری گھونٹ بھر کر کچن کا رخ کیا۔ کوکہ میں گھر سے

سے باہر گئی بیرونی دروازے سے ارد گرد دیکھا وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا اس کے بعد اندرونی حصہ میں داخل ہو کر کونے کدھروں کا ایک چکر لگایا۔ کچھ بھی غیر معمولی نہیں تھا۔ مجھے موہوم سی امید تھی کہ ضرور کچھ سر پر اتر ہوگا کیونکہ کچھ نہ کچھ سر پر اتر ہوتا تھا مگر وہ امید بھی ٹوٹ گئی۔ میری بے چینی سوا ہوئی اور گرین ٹی کا پھیکا ذائقہ بے اختیار ہی کڑوا لگا۔ میں نے بے چینی سے کپ میز پر رکھا اور سیل فون اٹھائے پیغامات دیکھنے لگی۔ وہاں ایسا کوئی پیغام نہیں تھا جس میں مجھے سالگرہ کی مبارکباد دی گئی ہو۔ نہ کوئی کال موصول ہوئی تھی دن بھر اور ایسی بے چینی مجھے صبح سے ہی تھی۔ صبح آنکھ کھلتے ہی مجھے یاد آیا تھا کہ آج میری سالگرہ ہے میں نے جلدی سے سیل اٹھا کر دیکھا تھا مگر میرا سارا جوش و خروش پائندہ نہ رہا وہاں کوئی بھی پیغام مسند کال کچھ بھی نہیں تھی۔ تھوڑے مایوس سے انداز میں میں نے آفس جانے کی تیاری کی وہاں بھی جب بیون کسی کام سے آفس میں آتا تو مجھے اس کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوسی ہوتی ورنہ میں ان میں کوئی سرخ یا رنگ برنگے پھولوں کا کارڈ کی امید رکھتی تھی آفس میں بھی کسی کو لیک نے دس نہ کیا۔ اور میں اپنے منہ سے تو کہنے سے رہی سب کو پتہ ہی تھا مگر بس یاد ہی نہیں میں سب سے متنفر ہونے لگی۔ آفس ٹائمنگ ختم ہوئی تو میں نے فیس بک آئی ڈی آن کی وہاں کئی دوست آن لائن تھے مگر مجھے سالگرہ کا کوئی بھی پیغام موصول نہیں ہوا تھا حالانکہ ان کے نوٹیفکیشن میں بھی یہ آ رہا ہوگا کہ آج میری برتھ ڈے ہے۔ میرے موڈ نے بری طرح خراب نہیں ہوا تھا تو اور کیا ہوتا تھا میں سب سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

باہر بہت ہی کم کھانا کھاتی تھی مگر آج نہ تو میرا گھر میں کچھ پکانے کا ارادہ تھا نہ ہی کچھ کھانے کا۔ لیپ ٹاپ اٹھائے بیڈ پر آ گئی آئی ڈی ایک دفعہ پھر آن کی مگر کچھ بھی نہیں ادھر ادھر کے کئی پیغامات تھے مگر میری سالگرہ کے متعلق کوئی بھی نہیں تھا۔

”تو واقعی کسی کو بھی یاد نہیں ہے۔“ میں رنجیدہ ہو گئی۔ آفس سے واپسی پر راستے میں خوبصورت رنگ برنگے کارڈ دیکھ کر ہی میرا دل بہت برا ہوا تھا مگر تب ایک موہوم سی امید ضرور تھی۔

”یقیناً فلیٹ میں کوئی سر پر اتر منتظر ہوگا۔“ ”اور نہیں تو خیر یار! ابھی پورا دن پڑا ہے۔“ خود کو تسلی دلاتے جملے بھی ٹوٹنے لگے تھے۔ دن ختم ہونے میں بس چار گھنٹے تھے۔ میری قریب کی سہیلیوں میں سے ایک کا اچانک فون آ گیا اس نے

”اور سیناؤ! اپنی نیو.....؟“ وہ ذرا فرصت سے بات کر رہی تھی۔ مجھے یاد آیا جوڑی ماموں نے مجھے ایڈوائس برتھ ڈے گفٹ بھیجا تھا جو مجھے گذشتہ روز ہی موصول ہوا تھا میں اسے بتانے لگی۔

”یار! تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں بینگلز سے کتنا الرجک ہوں مگر جوڑی ماموں نے مجھے چڑانے کے لئے بے تحاشہ بینگلز بھیجی ہیں ایسا برتھ ڈے گفٹ۔“

”ہوں..... دیر گزشتہ..... اچھا کیا ماموں نے۔“ وہ کھل کر مسکراتی تھی۔

”میں منتظر ہی رہی کہ وہ گزرا کر مجھے دس نہ کرے پر سوری کرے گی مگر ایسا نہ ہوا میری مایوسی مزید بڑھ گئی تو میں نے کال آف کر دی۔

اس کے بعد میرے ایک ڈیئر کزن کا بھی فون آیا کچھ سن کر اس سے بھی خوشگوار رسمی بات چیت ہوتی رہی وہ آج کل میں میرے شہر میں آنے والا تھا کال بند ہونے کے بعد میرا روہانسا ہو جانا

یقینی امر تھا۔ ”کسی کو بھی میری سالگرہ یاد نہیں۔“ میں سوگ کے سے انداز میں اٹھ کر کھڑکی میں آ گئی سارا شہر روشنیوں میں نہا گیا تھا اور میں مکمل طور پر غم اداسی میں بھیک رہی تھی۔

”تمہی پاپا آپ کو بھی یاد نہیں رہا۔“ میں نے خود کلائی کی شکوہ داغا۔

”انکل! آئی روجی! جوڑی! انکل.....“ میں نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں اپنے سے منسلک لوگوں کے نام لئے تھے کچھ دوست کچھ رشتہ دار۔ میں آسمان کی تاریکیوں میں خود کی غلطیاں تلاش کرنے لگی۔ مجھے یاد تھا کہ بہت بے مروت ہونے کے باوجود بھی میں نے سب دوست احباب کو ہمیشہ سالگرہ دس کی گئی کچھ کو تو ان کی پسند کے گفٹ بھی دلائی رہی تھی اور مجھے بھی ہر سال بے تحاشہ تحائف و مبارکبادیں وصول ہوتی تھیں مگر!

”وقت کتاب بدل گیا ہے سب بدل گئے ہیں کسی اپنے کو بھی اپنے سے منسلک بندے کا خاص دن یاد نہیں رہتا“ کانی خود غرض ہو گئے ہیں سب۔“ میرے آج کے دن کا یہی تجربہ تھا میرا یہ تجربہ۔

”کوئی کسی کے لئے اہم نہیں رہا۔“ میں خود کو سمجھاتے ہوئے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس دن کے آخری لمحات بھی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

اسے ی آں کیا اور کچن میں آ گئی کل کا ایک سینڈوچ پڑا تھا ادون میں گرم کر کے ایک گلاس کوک کے ساتھ چٹ کر کے پھر سے کمرے میں آ گئی اس دن کا آخری گھنٹہ چل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔ کمرے میں اسے سی کی خشکی بڑھنے لگی تو کچھ سکون محسوس ہوا ٹائم پاس کے لئے میں لیپ ٹاپ اٹھائے اپنے بچپن کی تصویریں دیکھنے لگی۔ کچھ سرگتے جا رہے تھے اور میں ان تصویروں میں کسی حد تک کھو چکی تھی دفعتاً میسج ٹون بجی اور پھر

”وقت کتاب بدل گیا ہے سب بدل گئے ہیں کسی اپنے کو بھی اپنے سے منسلک بندے کا خاص دن یاد نہیں رہتا“ کانی خود غرض ہو گئے ہیں سب۔“ میرے آج کے دن کا یہی تجربہ تھا میرا یہ تجربہ۔

”کوئی کسی کے لئے اہم نہیں رہا۔“ میں خود کو سمجھاتے ہوئے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس دن کے آخری لمحات بھی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

اسے ی آں کیا اور کچن میں آ گئی کل کا ایک سینڈوچ پڑا تھا ادون میں گرم کر کے ایک گلاس کوک کے ساتھ چٹ کر کے پھر سے کمرے میں آ گئی اس دن کا آخری گھنٹہ چل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔ کمرے میں اسے سی کی خشکی بڑھنے لگی تو کچھ سکون محسوس ہوا ٹائم پاس کے لئے میں لیپ ٹاپ اٹھائے اپنے بچپن کی تصویریں دیکھنے لگی۔ کچھ سرگتے جا رہے تھے اور میں ان تصویروں میں کسی حد تک کھو چکی تھی دفعتاً میسج ٹون بجی اور پھر

”وقت کتاب بدل گیا ہے سب بدل گئے ہیں کسی اپنے کو بھی اپنے سے منسلک بندے کا خاص دن یاد نہیں رہتا“ کانی خود غرض ہو گئے ہیں سب۔“ میرے آج کے دن کا یہی تجربہ تھا میرا یہ تجربہ۔

”کوئی کسی کے لئے اہم نہیں رہا۔“ میں خود کو سمجھاتے ہوئے بیڈ روم میں آ گئی۔ اس دن کے آخری لمحات بھی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

اسے ی آں کیا اور کچن میں آ گئی کل کا ایک سینڈوچ پڑا تھا ادون میں گرم کر کے ایک گلاس کوک کے ساتھ چٹ کر کے پھر سے کمرے میں آ گئی اس دن کا آخری گھنٹہ چل رہا تھا۔ میری آنکھوں میں دور تک نیند کے آثار نہیں تھے۔ کمرے میں اسے سی کی خشکی بڑھنے لگی تو کچھ سکون محسوس ہوا ٹائم پاس کے لئے میں لیپ ٹاپ اٹھائے اپنے بچپن کی تصویریں دیکھنے لگی۔ کچھ سرگتے جا رہے تھے اور میں ان تصویروں میں کسی حد تک کھو چکی تھی دفعتاً میسج ٹون بجی اور پھر

ایکسپریٹ مہندی



مہندی کے بے شمار فوائد
نت نئے اور پرکشش ڈیزائن



3D
فیشنل

گلشن اقبال 34977970-34977972 زمزمہ 833929-35833930
نظم آباد 36707479-36707480 نمبر قائم 636824-36636825
Website: www.roseparlour.com



دلہن
میک اپ



روز بیونی پارلر

نے ہاتھ سے جھپٹنے کے سے انداز میں بو کے پکڑا
سائن کیا اور ارد گرد دیکھا، کچھ کارڈز اور گفٹ پیک
وہاں پڑے تھے میں جوش و خروش سے وہ سب اٹھا کر
اندر لے آئی۔

”زمانہ واقعی بدل گیا ہے اپنے سے منسلک لوگ
ہماری سالگرہ بھلا میں یا نہ مگر ہم خود ضرور خود کی سالگرہ
کو بھی فراموش کر بیٹھے ہیں۔“ میں مسکراتے ہوئے
خود سے بولی تھی۔ ڈھیروں فون کالز لینے کے ساتھ
ساتھ میں نے اپنی فیس بک آئی ڈی بھی چیک کی
تھی۔ ایرے غیرے دوستوں کے بے تحاشہ پیغامات
خوبصورت۔ ایک اور بڑی پیاری پیاری فوٹوز کے
ساتھ مجھے دس کیا گیا تھا۔ گفٹس کے پیک کھولتے
ہوئے جوش و خروش کے ساتھ میں اجا مک سے اواس
ہو گئی تھی۔ اتنے جوش و خروش میں میں کسی کو بھی شکریہ
کہنا بھول گئی تھی۔
”ابھی سب کو تھینکس بھی بولنا ہے۔“ میں نے خود
کو یاد دلایا۔

کوئی بھی ہمیں نہیں بھولتا ہے ہم سے منسلک
لوگ ہماری چھوٹی بڑی خوشیوں اور ہمارے خاص
دنوں کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں بھول تو دراصل ہم خود
رہے ہیں خود کو۔ میرا کل کا سارا دن بے تحاشہ اداس
براگڑا تھا، کیونکہ مجھے یاد نہیں تھا کہ کل 14 اگست ہے
15 اگست نہیں نہ میں نے یہ یاد کرنے کی کوشش کی تھی۔
قائیں پر ڈھیروں گفٹس، کارڈز، گفٹ ریپرز پڑے
تھے اب مجھے خود پر تھوڑی تھوڑی شرمندگی ہو رہی تھی۔
مگر یہ کیا.....؟ میں صوفے پر لیٹی چائیکس کھاتے
ہوئے سب کو بڑے جوش سے تھینکس بول رہی تھی۔
کسی کو بھی اپنے گزشتہ روز کے کارنامے کا نہیں بتایا
سوائے آپ کے۔

”بلاشبہ یہ زندگی کی یادگار سالگرہ ٹھہری۔“ میرا
قہقہہ بلند ہوا۔

☆.....☆☆.....☆

وقفے وقفے سے موبائل گنگنانے لگ گیا میں نے
چومک کر سیل ہاتھ میں لیا۔ وہاں کہیں مختصر تو کہیں لمبے
چوڑے ”پپی برتھ ڈے“ کے پیغامات تھے میں حیرت
سے موبائل ہاتھ میں لے بیٹھی تھی۔

”اف! میرا دماغ اتنا چل گیا آج کے دن کہ
مجھے ہر شے میں بس خود کی سالگرہ دکھائی دینے لگ
گئی۔“ میں قدرے نفقیش سے بولی۔ وال کلاک
12 بج چکا تھا۔

میں نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا، لیپ بند
کیا، سیل ساکنٹ کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی اس
سالگرہ نے میرا دماغ گھما کر رکھ دیا تھا۔ مجھے تھوڑی
بے بسی محسوس ہوئی مگر زور سے آنکھیں بھیچنے لگی
رہی۔ اور پھر خوش فہمی سے بہت جلد نیند کی دیوی مجھ
پر مہربان ہوتے ہوئے اپنی آغوش میں لے گئی
معمول کے وقت پر صبح میری آنکھ کھل گئی، سائینڈ ٹیبل
پر رکھا موبائل اٹھا کر دیکھا جو کہ بے تحاشہ مسڈ کالز اور
پیغامات بھرا میری ایک نظر کا منتظر تھا اپنی سالگرہ کے
پیغامات پڑھ کر اور پھر اتنی مسڈ کالز دیکھ کر میں کچھ
پریشان سی ہو گئی۔ بھی موبائل ایک بار پھر بجا
تھا۔ میری قریبی سہیلیوں میں سے بیٹا کا فون تھا جو کہ
رات میں مجھ سے بات کر چکی تھی میں نے موبائل
کان سے لگایا۔

”پپی برتھ ڈے ٹو یو..... پپی برتھ ڈے مائی
ڈیر۔“ وہ لہکتے ہوئے چھوٹے ہی گنگنانے لگی۔ میری
سالگرہ تو گزشتہ روز تھی میں حیران ہوئی۔
”میں 15 اگست تو بھی نہیں بھول سکتی۔“ وہ نہ
جانے کیا کیا کہہ رہی تھی۔ میں نے بے اختیار کیلنڈر
کی طرف دیکھا۔

”جمعہ..... 15 اگست۔“ میں چونکی۔ کال تھینکس
کے بغیر بند کی بھاگتے ہوئے دروازے کی طرف
بڑھی، کال ٹیبل پر کوریئر سروس والا ہاتھ رکھ کر اٹھاتا
بھول گیا تھا میں نے تیزی سے دروازہ کھولا اور میں

ردا ڈائجسٹ 156 اگست 2016ء



ٹنکی ویا

خریدے کپڑے دیکھتی رہیں اور دادی..... جو پیدائش سے
قل ہی بیٹے کے ہونے کی خوشی میں دس دیکیں کچا چکی تھیں
دل ہی دل میں اس بیٹی کو بدعالمی دیتی رہیں۔
”کالی شکل والی پتہ نہیں کہاں سے آگئی۔“
واقعی وہ پتہ نہیں کہاں سے آگئی تھی ایک اضافی
چیز ایک فالتو چیز کسی کو ضرورت نہیں تھی اس کی کسی کو
بھی نہیں چاروں تو کسی نے نام تک نہ رکھا حالانکہ
پہلوئی کی اولاد تھی۔

”اقراء.....“ تجھ نے کس نے نام رکھا، بس وہ
بے نام سی بالشت بھر کی بچی اقرار ہوگئی اقرار کے دو
سال بعد ہریرہ ہو گیا تو اس کی ضرورت اور بھی ختم
ہوگئی ہریرہ کے بعد اسفند یار کی آمد نے اس کی رہی
سہی اہمیت بھی ختم کرادی کہنے کو تھی دو بھائیوں کی
”اکلوٹی“ بہن..... لیکن حقیقت میں..... لاوارث
لاچار واقعی ”اکلوٹی“ تھی وہ..... اس کا کوئی بھی نہیں تھا۔
پانچویں میں گئی لیکن ابا سمجھتے رہے کہ وہ تیسری
میں ہے ہریرہ دوسری میں ہے اور اسفند یار تیسری میں
یہ خوب یاد تھا روز شام کو جب دکان سے گھر لوٹتے تو
آتے ہی دونوں بیٹوں کو موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھمانے
لے جاتے خوب سیریں کرواتے واپسی میں بھی
آٹسکریم، کبھی چاکلیٹ اور وہ اکیلی لاوارث سی
حسرت سے دیکھتی رہتی کبھی جواں کو خیال آ جاتا تو
چاکلیٹ کا ٹکڑا توڑ کر اسے تھما دیتیں رات گئے ابا ان
دونوں سے لاڈ کرتے گھوڑا بٹتے ان کے ساتھ کھیلتے

بھوکے کوئے تیزی سے مردار پر جھپٹ پڑے
تھے اور مردہ گوشت لوچنے لگے تھے ایک دوسرے کی
پرداہ کئے بغیر اپنی سخت اور فوکیلی چونچوں سے مردار کو
اویڑا دیڑ کر کھا رہے تھے فضا کی نقطن اور گھٹن بھی
ان کی تیزی کو کم نہیں کر پار ہی تھی وہ اس مردار کے
جسم سے آخری ٹکڑہ یا ماس تک لوچ لینا چاہتے تھے
سڑے ہوئے خون کو چونچوں میں بھر کر آنتوں میں
انڈیل رہے تھے۔

کوئے..... مردار خور..... اور انسان ہاں ہاں
ایسے ہی انسان بھی انسان تو زندوں کو نہیں چھوڑتے
چونچیں نہیں ہوتیں لیکن زبان ہوتی ہے چونچ سے
زیادہ اور تیز دھار پل بھر میں زندہ انسان کے وجود
میں گھس کر اسے لہو لہان کر دیتی ہے اویڑا دیتی ہے
اندر تک روح کو بھی۔

ہائے یہ کوئے ہائے یہ انسان..... ہائے یہ کوانما
انسان.....

انسان..... ایک انسان جس کو لہو لہان کر دیا گیا
جس کی روح تک کو چھلنی کر دیا ان کو انما انسانوں نے
وہ پتہ نہیں کیوں پیدا ہوگئی۔

حالانکہ وہ پیدائش سے پہلے کہیں بھی نہیں تھی
اماں کی لٹرا ساؤنڈ رپورٹس میں صاف لکھا تھا کہ
”لڑکا“ ہوگا پھر پتہ نہیں کیوں ہوگئی وہ ایک ”لڑکی“
ارے مالتو تو اس پڑگئی سب کے اربابوں پر اماں کا
دل کیا کہ میں ڈائیں ثانی حسرت سے لڑکے کے لئے

اس کا بھی دل کرتا کہ ابا کی کمر پر سوار ہو ہریہ کی طرح خوب گدگدیاں کرے ایک دفعہ وہ ابا کی کمر پر چڑھی بھی تھی ابا آگ بگولہ ہو گئے اس کو حقارت سے گھور کر چارپائی پر بیٹھ دیا پتہ نہیں کیوں وہ اتنی زیادہ نفرت کرتے تھے اس سے لڑکی ہونا کیا اتنا بڑا جرم ہوتا ہے؟ آٹھ جماعتیں پڑھ لیں تو اماں نے اسکول چھوڑوا دیا ہریہ اور اسفند ابلتہ جاتے تھے۔

”لڑکی ذات کو اسکول مدرسے جانے کی کیا ضرورت.....؟ چار جماعتیں جو پڑھ لی ہیں بہت ہیں حسن آراء اسے گریہ سستی کی چند باتیں بھی سکھا دے اب“۔ وادی جی کی ہدایت کے عین مطابق وہ چولہے ہانڈی میں جوت دی گئی قرآن پاک ثانی اماں پڑھا دیتی تھیں بس بہت تھ لڑکی پر ایسا وطن۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
سترہ کی ہوئی اماں نے رشتے والی بوا کو بلوایا کوئی اچھا رشتہ..... زیادہ تنگ و دو نہیں کرنی پڑی احسن کمال کا رشتہ آگیا اچھی شکل و صورت کچھ ڈپلوئے کر رکھے تھے اس نے مل میں سینئر منیجر کی جاب تھی بہت تھا تاریخ طے ہو گئی جہیز کے نام پر چار چار پائیاں چند پیٹیاں ٹرنک کچھ برتن جوڑے اور بس..... ورنہ ابا کیا نہیں دے سکتے تھے ہزاروں کا بینک بیلنس تھا لیکن اس میں اقراء کا حصہ نہیں تھا گلبرگ والا پلاٹ اسفند یار کے نام اور ہریہ کے لئے وہ گھر..... اس کا کیا تھا.....؟ دادی کے چند پرانے زیورات بوسیدہ کڑھائی کے چند جوڑے اور بس..... لڑکی پر ایسا دھن جو ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
زندگی کے سترہ برس تک سہنے والی نفرتوں کے ازالے کے لئے قدرت نے احسن کمال کی محبت رکھی تھی احسن کمال اس کا شوہر ہم سفر اور اس کا محبوب بھی بن گیا تھا آج سے پہلے وہ زندگی گزارتی آئی تھی اب اس نے زندگی کو جینا سیکھا تھا بہت فرق ہوتا

ہے ”گزارنے“ اور ”جینے“ میں زندگی کو ”جیا“ تب جاتا ہے جب آپ کے ہمراہ کوئی ایسا ہم سفر ہو جس کی قربت آپ کو اندر تک سرشار کر دے۔ آپ کو اداس نا ہونے دے آپ کی زندگی کے سارے خلا پر کر دے احسن کمال کے ساتھ اقراء کی زندگی ایسی ہی تھی بہت معتبر سی وہ مسکراتا سیکھ گئی وہ ہار نہ ماننا سیکھ گئی وہ جینا سیکھ گئی اور بہت کچھ دو سال ایسے گزرے جیسے دو بل اور قدرت نے اسے حسان عطا کر دیا اس کا بیٹا..... ”لڑکا“ اور حسان کے دو سال بعد ”نمرہ“ بیٹی لڑکی جنت مکمل ہو گئی..... لیکن.....

جنت دنیا میں تو ہوتی ہی نہیں دنیا تو عمل کی جولان گاہ ہے جنت تو آسمانوں پر ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
احسن کمال کسی کام سے پیڑی گیا تھا واپسی میں بس کسی آکل ٹینکر سے ٹکرائی بانی سب راکھ بنی۔ تین دن تک اس کا سکتہ نہ ٹوٹا ساکت و جامد ایک جگہ جمی رہی ہے جس و حرکت اور ٹھنڈی ایسی کہ بانو برف کی سل پھٹی پھٹی نظروں سے دور خلاؤں کو گھورتی رہی لاش تو ملی نہیں بس غائبانہ نماز جنازہ ادا کر دی گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
”یہ تن کی دنیا ہے فانی من کی دنیا اوپر ہے آسمانوں میں اسے کوئی زوال نہیں ہے“۔ اس کا احسن کمال اسے ”تن کی دنیا“ میں اکیلا چھوڑ کر ”من کی دنیا“ میں چلا گیا تھا اسے یہ یقین کرنے میں دو ہفتے لگے تھے اور..... اور.....

سارے خلاء جو پر ہو گئے تھے پھر سے اس کی زندگی میں شامل ہوئے وہ ہنسنا بھول گئی روتی بھی نہیں روتی تو اس کے بچوں کا کیا ہوتا.....؟ دو سال کا حسان اور چھ ماہ کی نمرہ..... وہی ہفتوں میں اسے پتہ چل گیا کہ کمال کے بعد اس کی سسرال میں کوئی حیثیت نہیں سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف

اپنی اپنی دنیا میں مشغول اور اس سے تو دانہ پانی بھی مانو چھین لیا گیا بھوک سے بلکتے حسان کو ناشتہ دینے کچن میں آئی تو فریج لاکڈ بریڈ کے چند ٹکڑے بچا کچھا سالن جو چند لقموں کی مارتھا۔

”بھابی حسان کو دودھ دینا ہے فریج کی چابی دے دیں۔“
”دودھ تو ختم ہو گیا۔“
”حسان ناشتے میں انڈہ لے گا۔“
”انڈے نہیں ہیں سادہ پراٹھا دے دو۔“
”بریڈ..... ختم۔“
”مکھن..... ختم۔“

دو ہفتوں میں ہی اسے اچھی طرح باور کر دیا گیا کہ کسی کے پاس بھی اس پر یا اس کے بچوں پر لٹانے کے لئے کچھ نہیں ہے اسے حال کی فکر نہیں تھی اسے مستقبل کے اندیشے مار ڈال رہے تھے آج تو ہفتیلی میں جوڑے ہوئے چند روپے تھے کل جب نہیں ہوں گے تب کیا ہوگا.....؟ اس کی خیر بھی فاقوں کی عادت تھی لیکن اس کے ناز و نعم میں پلے بچے اس کے احسن کمال کی نشانیاں انہیں وہ ہیر آسائش دینا چاہتی تھی ان کو ”اقراء“ نہیں بنانا چاہتی تھی۔

جیسے تیسے مدت کے دن گزرے وہ گھر سے نکل آئی احسن کمال کی مل پہنچی ڈگری اس کے پاس کوئی بھی نہیں تھی لیکن جاب کی اشد ضرورت تھی وہ رفیع صاحب سے ملی مل میں منیجر تھے احسن کمال کے اچھے دوست تھے اس سے وہ بہت عزت سے پیش آئے کچھ دیر سوچنے کے بعد اڑھائی ہزار ماہوار کی نوکری دے دی اڑھائی ہزار اور پورا مہینہ بہت کم رقم تھی اور مہینہ بہت بڑا ضروریات بہت زیادہ لیکن اس نے ہاں کر دی۔

”کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے“۔ گھر آئی ساس نے کڑے تیوروں سے استفسار کیا اس نے سر جھکا کر سب بتا دیا نوکری کا سن کر مندوں کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھیں کھل گئیں بڑی چھوٹی بہوؤں نے کانوں کو ہاتھ لگایا جیسٹھ دیو خوب لال پیلے ہوئے۔
”اب ہمارے گھر کی عزت مل میں دھکے کھائے گی.....؟ روز گھر سے نکلے گی.....؟ بیوی کی سفید چادر کو کیوں واغدار کرتی ہے منجوس میرے مرے ہوئے بیٹے کا خیال کر۔“

”اس کے بچوں کا ہی تو خیال ہے ورنہ کب کی چھت سے کود گئی ہوتی۔“ وہ ہولے سے بولی دیور غصے سے چلایا۔
”میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔“

”ٹھیک ہے نا دے اجازت پھر میرے بچوں کے اخراجات اٹھا کھانا کپڑا کچھ سالوں تک اسکول کی فیس کتابیں کاپیاں وردی کرو پورا نہیں نکالوں گی میں ایک بھی قدم باہر۔“ سب کو سنانپ سو گئے۔

اکلی صبح اس نے چادر لی نمرہ کو گود میں لیا حسان کو لے کر دادی کے کمرے میں آ گئی۔
”میں جا رہی ہوں حسان کا خیال رکھئے گا۔“

☆ ☆ ☆ ☆ ☆
مل سے تنگی ہاری نمرہ کو کاندھے پر لادے گھر آتی تو حسان بھوک سے بلک رہا ہوتا تھا کبھی باہر برآمدے کی چارپائی پر کھیوں کے زرنے میں سو رہا ہوتا دو ہفتے صرف دو ہفتے اور وہ پھول سا بچہ کھلا کر رہ گیا وہ خود بھی سوکھ کر کاٹا ہو گئی تھی اڑھائی ہزار میں سے صرف چند سو روپے بچے تھے۔

”کیسے گزرے گی زندگی.....؟“ اس رات اس نے تھک ہار کر سوچا تھا کسی مضبوط سہارے کی اشد ضرورت تھی احسن کمال جیسا کوئی مضبوط سہارا دیا سہارا کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا نا احسن کے گھر والے نا اس کے اپنے گھر والے اس کے بچوں کے مستقبل کا سوال تھا وہ پوری رات سوچتے سوچتے گزر گئی الجھنیں ہی الجھنیں ساجھن کوئی نظر نہیں آتی

اور اگلی صبح مل میں۔

”مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے مس اقرام۔“ رفیع صاحب نے اس سے کہا تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں یہ بات کیسے کروں کروں بھی یا نہیں احسن میرے بھائیوں جیسا تھا اس کے بچے میرے بھی بچوں کی طرح ہیں۔“ وہ بغور سن رہی تھی۔

”آپ پلیز میری بات کا غلط مطلب مت لیجئے گا برا بھی مت مانئے گا میں آپ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔“ اقرام کا دل زور سے دھڑکا۔

”چالیس سے اوپر کا ہوں گا میں شادی ہوئی تھی میری لیکن بیوی سے نہ نکاح کی چھ سال علیحدگی ہوئے ہو گئے اپنا گھر ہے اور یہ جاب آپ سوچئے گا ضرور۔“

☆☆☆☆

اور اس نے اگلا پورا دن اور پوری رات سوچا سوچتی رہی احسن کمال کے بغیر زندگی کیسی تھی یہ وہ کچھ ہفتوں میں ہی اچھی طرح جان گئی تھی شوہر کے بغیر سسرال میں اپنی حیثیت کا احساس بھی تھا اسے اور بطور ایک بیٹی کے میں تو اس کی کوئی جگہ تھی ہی نہیں پھر ایسے میں اگر وہ رفیع کے پر پوزل کے بارے میں سوچے تو غلط کیا ہے وینوی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے یہ اس کا حق ہے دوسری شادی کی اجازت اسے شرع بھی دیتی ہے اور سماج بھی ابھی تو اس کی ضروریات زندگی کا مسئلہ ہے کچھ دنوں میں خود اس کی ذات پر بھی پتھر اچھلیں گے اس کا سب سے بہترین اور عمدہ حل وہی تھا نکاح..... مضبوط حصار..... شرعی لحاظ سے ایک مضبوط اور پاکیزہ بندھن اور سماجی اعتبار سے ایک مرد کا ساتھ۔

☆☆☆☆

ساس سنتے ہی ہنسنے سے اکھڑ گئیں۔

”ارے خدا کا خوف کرتھوڑی شرم کر آخرت کو یاد رکھ ابھی تو میرے بیٹے کی قبر کی مٹی بھی خشک نہیں

ہوئی اور تجھے نکاح کی پڑ گئی ہے کیوں ہماری بی بی بنائی عزت کو مٹی میں ملا رہی ہے۔“ وہ ساری سننے لگی۔

”بی بی بنائی کا ہی خیال ہے مجھے اماں! بھی نکاح کر رہی ہوں مرحوم شوہر کی عزت کا ہی خیال ہے اور خدا سے خوف کیوں دلا رہی ہیں؟ نکاح کی بات کی ہے وہ بھی جائز طریقے سے گھر سے نہیں بھاگ رہی۔“

”ہاں آج بات کی ہے کل کو بھاگ بھی جائے گی تیرا کیا اعتبار۔“

”اماں! اس کو ابھی لگا میں ڈال لو ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا۔“ جو شیلا غیرت مند دیور جس کی بھابی کو 10 گھنٹے مل میں کام کرنا پڑتا تھا۔

”میں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔“

”اماں! یہ میرے بچوں کی زندگی کا سوال ہے۔“

”اللہ مالک ہے بچوں کا چاہے تائے زندہ ہیں بچوں کے۔“ وہ پھٹ پڑی۔

”چاہے تائیوں سے دو وقت کی روٹی تو کھلائی نہیں جارہی پوری زندگی کی ضرورتیں کیسے پوری کریں گے.....؟“ بحث بھڑک رہی تھی وہ لڑتی رہی اپنے دفاع میں تھک ہار کر وہ میکے آئی اور ماں سے بات کی ماں نے پھڑپھڑایا۔

”بے غیرت بے حیا ایسی دیدہ دلیری ایسی بے شرمی۔“ ہریرہ چلایا اسفندیار نے بے نقط سنا میں اور ابا کی وہی نفرت کی گھوریاں۔

☆☆☆☆

کوؤں کے غول کے غول مردار کو نوچ رہے تھے کھسوٹ رہے تھے اپنی نوکیلی چونچوں سے کھال کو اوھڑ دیتے تھے۔ کوئے تو خیر جانور تھے لیکن انسان کو کیا ہوا.....؟ وہ تو اشرف المخلوقات ہے وہ کیوں کوا بننے کو تیار ہے؟ وہ کیوں اپنی نوکیلی تیز دھار زبان سے زندہ انسانوں کے ٹکڑے بخرے کرنے کو تیار ہے؟ اقرام کی روح کو بھی اندر تک چیر دیا تھا انسانوں

رداڈا بجسٹ 162 اگست 2016ء

5

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے ان سب رشتوں نے جو اس کے اپنے تھے کیا مانگ رہی تھی وہ لڑکی ان کو نما انسانوں سے؟ نکاح..... ایک عمدہ شے..... پھر کیوں.....؟ پھر کیوں.....؟ کس کا ڈر تھا.....؟ زمانے کا.....؟ زمانے کا ڈر خدا کے ڈر سے زیادہ کیوں.....؟ چلیں! قرآن کی بات کر لیتے ہیں قرآن سے بڑھ کر تو کسی کی بات نہیں ہے نا.....؟ ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے قرآن کہہ رہا ہے کہ تم میں سے جن کے خاوند مرجائیں تو عدت پوری کرنے کے بعد ان عورتوں کو اختیار ہے کہ وہ معروف طریقے سے اپنی ذات پر جو مرضی کریں اور ”نکاح“ سے بڑھ کر معروف طریقہ کیا ہوگا.....؟ آگے قرآن کہتا ہے کہ اے مرد حضرات! کوئی مضائقہ نہیں کہ تم بیوہ عورتوں کو نکاح کے لئے پیغام دو (عدت کے دوران یا بعد) دیکھو! خفیہ پہچان و عہد مت باندھو! اگر کوئی بات کرنی ہو تو معروف طریقے سے کرو اور اللہ سے ڈرو۔

اللہ سے کوئی ڈرتا ہی نہیں دوسروں کو ڈراتے ہیں لیکن خود نہیں ڈرتے اقرام کو خدا سے ڈرانے والی ساس خود خدا سے ڈرتی اس کو قتل کی دھمکی دینے والے دیور کو بھی ڈرنا چاہئے تھا ہم سب کو ڈرنا چاہئے۔

☆☆☆☆

”بہت اتناؤنی ہو گئی ہے یہ اماں! ڈھونڈو کوئی لولا لنگڑا اور دفع کرو اسے۔“

”کوئے لنگڑے سے نہیں کرنی مجھے کہ جسے ساری زندگی بیٹھ کر کما کر کھلاؤں میں کسی ایسے سے کرنی ہے جو مجھے کما کر کھلائے اور میرے بچوں کو پالے۔“

”واہ واہ۔“ ساس نے ہاتھ نچائے۔

”ایسا گلغام کہاں سے لاؤں.....؟ خخرے دیکھو بی بی کے۔“

”رفیع مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں مل میں کام کرتے ہیں۔“ دیور بلبلیا۔

”دیکھا دیکھا یہ کرتوت ہیں اس کے یہ کرنے جاتی تھی یہ مل میں اور دو اجازتیں یہ مزدوریاں کی ہیں اس نے وہاں چلا لئے چکر اس فاحشہ نے وہاں۔“

”اری تجھے ذرا شرم نہیں ہے.....؟“

”لعنت ہے اس پر اماں ہزار بار کی لعنت۔“

”اس گھنچے سر پر دل آیا ہوا ہے اس کا۔“ کوئے ٹھونکنے مار مار کر ایسے ہی لبو لہان کر دیتے ہیں جب کھرندوں اور زخموں سے خون بہہ نکلتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں ہائے..... کاش کوئی سمجھ پاتا کاش تن کی دنیا کا کوئی ایک انسان سمجھ پاتا کہ انسان کتنے خسارے میں ہے۔

☆☆☆☆

ہزار بار کی لعنت ملامت گالیاں کو سننے۔ ہر بندے نے اسے ہزار ہزار سنائیں ساری زندگی کے تعلق توڑ لئے کبھی نا ملنے کی قسمیں کھالیں و ذراع کر دیا اسے رفیع احمد کے ساتھ۔

”ہم دونوں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں دنیا کو اور اچھی طرح سمجھ بھی چکے ہیں جان گئے ہیں کہ تن پر مرٹنے والی یہ دنیا من کی پاکیزہ دنیا نہیں دیکھتی باہر کا اجلا پن دیکھتی ہے اندر کا نہیں۔“ رفیع احمد نے اس کے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

”وعدے نہیں کروں گا قسمیں نہیں کھاؤں گا بس تمہیں اعتبار دلانے کی کوشش کروں گا کہ میں تمہیں اور تمہارے بچوں کو بہت خوش رکھوں گا۔“ بہت لمبا سفر طے کیا تھا اب آرام کی باری تھی اس نے اپنا سر رفیع احمد کے کندھے پر تکا دیا۔

اور دکھوں کی رات جتنی بھی طویل کیوں نا ہو سکھوں کا سورج ضرور نکلتا ہے اور اقرام کے لئے وہ سورج عید کے دن کا سورج تھا۔

☆.....End.....☆

رداڈا بجسٹ 163 اگست 2016ء



WWW.PAKSOCIETY.COM

تہینہ الیاس

مکمل ناول

خجور میں دو مرنے



میوزک وڈیو شاپ میں وہ اپنی پسند کے میوزک کا کلیکشن دیکھ کر CDs لے رہا تھا جب ہی وہ شاپ میں انٹر ہوئی اور آتے ہی اس نے سامنے رکھی ہوئی حاشر کی کلیکٹ کی ہوئی CDs اٹھا لیں۔
 ”اوہ..... آخزل ہی گئیں مجھ کو ان ہی کی تلاش تھی یہ CDs دے دیجئے۔“ اب وہ شاپ کیپر سے مخاطب تھی اور ساتھ ہی پرس سے پیسے نکال کر اس نے کاؤنٹر پر رکھے۔
 ”ایکسکوز میم ایہ CDs میں لے رہا ہوں آپ انہیں واپس رکھیے۔“ حاشر نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی CDs کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
 ”آپ..... لے رہے ہیں اور میں آل ریڈی لے چکی ہوں آپ دوسری لے لیجئے گا۔“ وہ CDs اس کو دکھاتے ہوئے بولی۔

”میں دوسری کیوں لے لوں آپ کیوں نہیں لے لیتیں دوسری؟“ حاشر نے قدرے زود ہو کر کہا۔

”میں نے بے منٹ کر دی ہے۔“ وہ حاشر کے غصے سے ذرا نہ ڈری۔

”یہاں جتنی بھی CDs آپ دیکھ رہی ہو یہ سب میں لے چکا ہوں۔“ حاشر نے اس سے کہا۔

”یہ ساری وڈیو شاپ آپ نے لے لی ہے لیکن آپ اتنے سارے میوزک کلیکشن کا کریں گے کیا؟“ وہ وڈیو شاپ کے چاروں اطراف نگریں دوڑاتے ہوئے حیران ہو کر پوچھنے لگی۔

”ارے کہیں آپ اپنی میوزیکل لائبریری بنانے کا ارادہ تو نہیں رکھتے یا پھر آپ سنگرز سے تو متاثر نہیں ہو گئے کیونکہ وہ اپنے ہر انٹرویو میں کہتے سناتی دیتے ہیں ان کی اپنی میوزیکل لائبریری ہے جس میں انہوں نے دنیا بھر کے بہترین سنگرز کے بہترین گانوں کا کلیکشن رکھا ہوا ہے یا پھر آپ کا مستقبل قریب میں سنگر بننے کا تو ارادہ نہیں ہے؟“ وہ بڑی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

”اوہ گاڈ! کتنا بولتی ہے یہ لڑکی۔“ حاشر نے اپنا سر تھام لیا۔

”آپ نے بتایا نہیں کہ آپ اپنی میوزیکل لائبریری کیوں بنا رہے ہیں؟“ اب وہ جرنلسٹ کی طرح سوال کر رہی تھی۔
 ”ارے..... یہ سب آپ نے کیسے جان لیا کہ میں سنگر بننے والا ہوں آپ ایڈوائس میں مجھ سے آٹو گراف لے لیں ہو سکتا ہے بعد میں آپ کو ایسا چانس نہ مل سکے مجھ سے یوں بات کرنے اور آٹو گراف لینے کا۔“ وہ اس کے ہاتھ سے CDs لیتے ہوئے خوش اخلاقی سے بولا اور کور کھول کر CD پر اسے سائن کرنے لگا۔

”آپ دنیا کے پہلے آرٹسٹ ہوں گے جس نے کسی دوسرے سنگر کی CD پر اپنے سگنچر کیے ہیں اور وہ بھی میرے پیسوں سے لی ہوئی CD پر۔“ وہ حاشر پر خفا ہونے لگی۔

”میم! مجھ میں فیڈ جیسی ہالک نہیں ہے اور آپ شاید بھول رہی ہیں کہ فینز اپنے ہی پیسوں سے خریدی ہوئی آٹو گراف بکس پر آرٹسٹ سے آٹو گراف لیتے ہیں ویسے آپ کا نام.....؟“ وہ شرمندہ ہوئے بغیر بول رہا تھا۔

”کیوں؟ میرا نام جان کر کیا کہجئے گا ویسے نام معلوم کرنے کا اسٹائل کافی یونیک ہے مسٹر آپ کا۔“ ایمان نے اسے گھورا۔

”میم! آٹو گراف کے ساتھ آپ کا نام بھی تو ہونا چاہیے نا جب آپ لوگوں کو بتائیں گی تو لوگ آپ کی بات کو جھوٹ نہ مانیں کہ یہ سگنچر میرے جیسے فینس آرٹسٹ کے ہیں اور یہ آٹو گراف خود میں نے آپ کو دیا ہے اس لئے اس CD پر آپ کا نام ہونا بھی ضروری ہے۔“ حاشر نے وضاحت کی۔

”مسٹر حاشر! آپ کی لوجک کافی اچھی ہے میں یہاں اپنا نام خود ہی لکھ لوں گی۔“ وہ CD پر سے حاشر کا نام

رواڈ انجسٹ 166 اگست 2016ء

پڑھتے ہوئے بولی۔

”آپ کے فیملی ممبرز اور فرینڈز آپ کی پیڈر اسٹنگ دیکھ کر آپ کو جھوٹا کہیں گے۔“ وہ مسکرایا۔

”کہنے دیں۔“ وہ لا پرواہی سے بولی اور ساتھ ہی سی ڈی بھی اٹھالی۔

”آپ کو برا نہیں لگے گا کہ لوگ آپ کو جھوٹی کہیں گے؟“ وہ حیران ہوا۔

”نہیں لگے گا میں انہوں کی باتوں کا برا نہیں مانتی۔“ وہ جانے کے لئے پلٹی۔

”لیکن میں چاہتا ہوں کہ میں اس CD پر آپ کا نام خود لکھوں۔“ وہ جلدی سے اس کے پیچھے لپکا۔

”کہانا میں خود لکھوں گی۔“ اب وہ قدرے غصے سے بولی۔

”اوسکے تو آپ میری سی ڈی واپس کر دیں۔“ حاشر نے اس کے ہاتھ سے سی ڈی واپس لے لی۔

”او کے میمیر انا م۔“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”جی کیا نام لکھوں؟“ وہ دلچسپی سے پوچھ رہا تھا۔

”صنراں۔“ وہ جان چھڑانے والے لہجے میں بولی۔

”ہو ہی نہیں سکتا اتنی اچھی لڑکی کا اتنا بیک ورڈ نام میں نہیں مانتا۔“ وہ نام سن کر حیران ہوا مگر ماننے کو تیار نہیں تھا اس کی بات پر یقین جو نہیں آیا تھا۔

”ایمان! جلدی کر اگر ہم لیٹ ہو گئے تو عامر بھائی اپنی گاڑی دوبارہ کبھی نہیں دیں گے شاپنگ پر آنے کے لئے۔“ وہاں پر دوسری لڑکی نے آ کر اسے پکارا تو وہ مسکرا دیا۔

”تو آپ نے جھوٹ کہا تھا مجھ سے؟“ وہ کور پر اس کا نام لکھتے ہوئے بولا جیسے ہی حاشر نے ایمان کا نام لکھا وہ تیزی سے سی ڈی اٹھا کر باہر نکل گئی اور وہ شیشوں کے پار سے جاتا دیکھتا رہا۔

☆

”تم ابھی تک وہیں ہو معلوم بھی ہے آج عدیل کی شادی ہے۔“ حاشر فون پہ کسی پر رہم ہو رہا تھا۔

”ہاں معلوم ہے مگر میں کیا کروں یہاں کام ہی اتنا تھا اب میں فارغ تو تھی نہیں جب کا نفرنس ختم ہوگی جب ہی تو آؤں گی نا۔“ عائشہ کو اس کی بات سن کر غصیا گیا۔

”تمہاری کا نفرنس بھی ابھی ہی ہوئی تھی معلوم ہے تمہارے انتظار میں میں نے ابھی تک فرح کے لئے گفٹ بھی نہیں لیا ہے۔“ وہ اب بھی خفا ہی تھا۔

”تو جا کر لے لو مارکیٹ سے میں مارکیٹ اپنے ساتھ اٹھا کر نہیں لے گئی ہوں۔“ عائشہ نے مشورے سے نوازا۔
 ”وہی کروں گا اب تم پر بھروسہ کرنا ہی فضول ہے۔“ حاشر نے غصے سے فون چٹا۔ آئس سے نکلتے وقت اس کا رخ شاپنگ مال کی طرف تھا شاپنگ مال میں داخل ہوتے وقت سوچا۔

”میں گفٹ کیا لوں فرح کے لئے اگر عائشہ یہاں ہوتی تو مسئلہ ہی نہیں ہوتا وہ خود ہی کوئی گفٹ لے آتی خرید دیکھتے ہیں۔“ وہ یہی سوچتے ہوئے مختلف چیزیں دیکھتا رہا مگر کچھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ فرح کے لئے کیا لے یونہی چلتے چلتے اس کی نظر ایمان پر پڑی جو شاپنگ بیک دونوں ہاتھوں میں لئے بوتیک سے نکل رہی تھی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

”ہائے ایمان!“ وہ کسی انجی کی زبان سے اپنا نام سن کر چونکی اور عقب سے آنے والی آواز پر پلٹی اور اجنبیت سے اسے دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں سوال تھا کہ وہ اس کا نام کیسے جانتا ہے۔

”آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں اس دن میوزک شاپ پر آپ سے ملاقات ہوئی تھی میں نے آپ کی CD پر

رواڈ انجسٹ 167 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM



بال دکھیں

30%

تک زیادہ گھنٹے

لائف بوائے کے نئے
اسٹرانگ اینڈ تھک
شیمپو سے



Lifebuoy شیمپو سے بال دیکھیں۔ لائف بوائے کے نئے اسٹرانگ اینڈ تھک شیمپو سے بال دیکھیں۔ لائف بوائے کے نئے اسٹرانگ اینڈ تھک شیمپو سے بال دیکھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اپنے سائن کے تھے۔ حاشر نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

”اوہ.....“ وہ مسکرائی۔

”آپ یہاں کیسے؟“

”آپ کو چیں کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔“

”جی..... ای..... آپ مجھے چیں کر رہے تھے مگر کیوں کر رہے تھے؟ آپ کو کہا کس نے کہ آپ میرے پیچھے آئیں اس دن آپ میوزک شاپ میں منگین گئے تھے اور زیرو سی CD برائے کر دیئے تھے اور آج آپ مجھے چیں کرتے ہوئے یہاں اس شاپنگ مال میں آگئے آخر چاہتے کیا ہیں آپ؟ کیوں مجھے چیں کر رہے ہیں؟“ ایمان کو یہ سننے ہی غصہ آ گیا کہ وہ اس کے پیچھے یہاں آیا ہے حاشر اس کے بولنے پر پریشان سا کھڑا تھا۔

”پلیز! آپ مجھے غلط مت سمجھئے میرا مطلب ہرگز وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔“

”تو کیا مطلب ہے اس طرح سے لڑکی کا پیچھا کرنے کا؟“ وہ غصے سے بولی۔

”مم..... مجھے آپ سے ایک Favour چاہیئے۔“ وہ گڑبڑا سا گیا۔

”آپ میرا پیچھا کر رہے ہیں اور اس کے لئے میرا ہی فیور مانگ رہے ہیں؟ وہ کیا زمانہ آ گیا ہے ایک تو چوری اور اوپر سے سینزوری بھی۔“ وہ غصے سے سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔

”کیا مشکل لڑکی ہے یا راکس قدر بولتی ہے اور کتنا غلط بولتی ہے اوگاڈ! پلیز ہیلی کیوں کہاں بھنس گیا میں یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔“ حاشر نے اپنا سر تھام لیا۔

”دیکھیئے! میں پچھلے 2 گھنٹے سے.....“ حاشر نے بولنے کی کوشش کی مگر ایمان نے درمیان میں بات کاٹ دی۔

”2 گھنٹے..... آپ پچھلے دو گھنٹے سے میرا پیچھا کر رہے ہیں؟ آپ کی ہمت کیسے ہوئی میرے پیچھے آنے کی اس روز شاپ میں آپ سے بات کیا کر لی آپ فری ہی ہو گئے دیکھیئے مسٹر! یہ سب میرے ساتھ نہیں چلے گا.....“ ایمان شدید طیش میں آ گئی اور لگی اسے دھمکی دینے حاشر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا کہ ”اس کم عقل کو کیسے سمجھاؤں۔“ حاشر نے دل میں سوچا۔

”آپ میری پوری بات تو سن لیں پلیز پھر بول لیجئے گا۔“

”اوکے بولنے! کیوں آئے ہیں میرے پیچھے یہاں؟“ وہ اب پولیس والوں کے اسٹائل میں گویا ہوئی۔

”غلطی ہو گئی مجھے معلوم نہیں تھا آپ خواہ خواہ خوش فہمی میں مبتلا ہو جائیں گی اگر معلوم ہوتا تو بھی آپ کے پیچھے نہ آتا۔“ دل تو چاہا یہ کہہ دے مگر کام جو کرنا تھا اس سے اس لئے بڑی سہولت سے بولا۔

”دیکھیں! میں یہاں آپ کا پیچھا نہیں کر رہا ہوں۔“

”تو پھر کیا کر رہے ہیں یہاں؟“ وہ پھر اس کی بات کاٹ کر غصے سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

”یہاں گفٹ لینے آیا تھا مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا گفٹ لوں؟ بس اسی لئے آپ کی ہیلپ چاہیئے تھی اور آپ نے نہ جانے کیا سمجھ لیا۔“ حاشر نے جلدی سے اپنی بات مکمل کی تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

”اوہ..... میں سمجھی کہ..... سوری۔“

”بس رہنے دیں سوری کو؟ آپ میری ہیلپ کروں گی تو میں سمجھوں گا آپ نے مجھے معاف کر دیا۔“

”مگر معافی آپ کیوں مانگ رہے ہیں؟“ وہ حیران ہوئی۔

”آپ کو اتنی ٹینشن جو ہوئی میری وجہ سے اس کے لئے۔“

ردا ڈائجسٹ 168 اگست 2016ء

”ایسی کوئی بات نہیں اچھا بتائیے کیا گفٹ لینا ہے آپ نے؟“ وہ مسکرائی۔

”اگر گفٹ میں خود لے سکتا ہوتا تو آپ کے پیچھے تھوڑی آتا۔“

”اوہ..... ہاں بتائیے کس کے لئے گفٹ لینا تھا آپ نے؟“ وہ اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے مسکرائی۔

”یہ شاپرز مجھے دے دیجئے“ آپ تھک جائیں گی انہیں اٹھائے اٹھائے۔“ وہ اس کے ہاتھ سے شاپرز لیتے ہوئے بولا۔

”ارے..... نہیں رہنے دیں میں خود اٹھا سکتی ہوں۔“

”ویسے میں آپ کے یہ شاپرز لے کر بھاگوں گا تھوڑی رہنے دیں آپ انہیں۔“ وہ ہنسا تو ایمان مسکرا دی۔

”اچھا..... آپ نے بتایا نہیں گفٹ کس کے لئے لینا ہے؟“ ایمان نے دوبارہ پوچھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”دہن..... دہن کے لئے لینا ہے؟“

”اوہ..... Congratulations“ وہ ہنستے ہوئے مبارکباد دینے لگی۔

”یہ مبارکباد آپ کس بات کے لئے دے رہی ہیں؟“ اب وہ حیران ہوا۔

”آپ کی شادی کی آپ اپنی سسر..... میرا مطلب ہے ہونے والی سسر سے ہی پوچھ لیتے کہ انہیں کیا پسند ہے“

میرا خیال ہے شاید آپ انہیں سسر پرانز گفٹ دینا چاہتے ہیں اس لئے ان سے نہیں پوچھا ہو گا نا؟“ ایمان کو عادت تھی بہت زیادہ بولنے اور ہر بات پر تفصیل سے بات کرنے کی۔

”ایک منٹ..... آپ ایک منٹ کے لئے خاموش ہوں گی مس!“ حاشر نے کہا۔

”جی.....“ وہ اسے دیکھنے لگی۔

”آپ سے کس نے کہا میری شادی ہو رہی ہے؟“ اب وہ براہ راست ہونے پوچھ رہا تھا۔

”ابھی آپ ہی نے تو کہا دہن کے لئے گفٹ لینا ہے۔“

”ویڈنگ گفٹ کیا صرف انسان اپنی ہی دہن کے لئے لینا ہے دہن کیا کسی اور کی نہیں ہو سکتی شادی میرے دوست کی ہے اور گفٹ بھی میں عدیل کی سسر کے لئے لے رہا ہوں نا کہ اپنی سسر کے لئے اور میری شادی کیسے ہو سکتی ہے؟“ حاشر نے اس کی غلط فہمی دور کی۔

”آپ پہلے سے میری ہیں تو پھر تو کوئی پرالیم ہی نہیں ہے آپ یہ کام اپنی سسر سے کر دیا لیتے وہ خود ہی اچھا سا گفٹ لے لیتیں۔“ وہ اس کی بات پوری سے بغیر پھر سے بول پڑی تھی۔

”وہ ہوں گی تو لیں گی نا وہ نہیں ہیں ابھی تک اپنے گھر ہی میں رہتی ہیں اور مس آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے میری شادی تو کیا انگریج منٹ بھی نہیں ہوئی ہے اگر ہو گئی ہوتی تو کیا دو گھنٹے سے یہاں Window Shopping کر رہا ہوتا۔“ وہ اس پر ناراض ہوا۔

”سوری..... مجھے معلوم نہیں تھا۔“ وہ پھر شرمندہ ہوئی۔

”Its ok“ لیکن اب میں آپ کی سوری اسی وقت Accept کروں گا جب آپ گفٹ لینے میں میری

ہیلپ کریں گی۔“ حاشر نے صاف کہہ دیا۔

”یہ تو کوئی پرالیم ہی نہیں ہے یوں کریں رنگ لے لیں دہن کو زیادہ تر رنگ ہی دی جاتی ہے مجھے بھی رنگ اچھی لگتی ہے ویسے تو مجھے چین اور لاکٹ بھی بہت پسند ہے بالیاں بھی اچھی لگتی ہیں ویسے آپ کو کیا پسند ہے؟“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گولڈ شاپ میں آ گئی۔

”مجھے.....“ وہ اس کے سوال پر حیران ہوا۔

”جی آپ کو۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

”اوہ..... انگوٹھی بھی اچھی لگتی ہے اور چین لاکٹ بھی ویسے بالیاں بھی اچھی لگتی ہیں مجھے۔“ وہ سوچتے ہوئے

بولا۔ اب ایمان جیولر سے انگوٹھیاں دکھانے کا کہہ رہی تھی جیولر نے جب انگوٹھیاں دکھائیں تو وہ اپنی انگلی میں انگوٹھیاں پہن کر دیکھنے لگی۔

”یہ والی اچھی ہے یہ لے لیں۔“ لمبے بھر میں ایمان نے اس کا مشکل ترین کام کر دیا۔

”اوکے۔“ وہ مسکرایا جیولر سے وہ انگوٹھی لے کر ایمان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مڑا تو وہ جا چکی تھی۔

”یہ لڑکی بھی عجیب ہے خدا حافظ کہہ بتائی چلی گئی خیر پھر ملے گی تو ٹیکس کہہ دوں گا۔“ وہ وہاں سے واپس آتے ہوئے سوچنے لگا۔

☆.....

حاشر اپنے دوستوں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا تبھی اس کی نظر فاریہ کے ساتھ اسٹیج کی طرف جاتی ایمان پر پڑی۔

”یہ یہاں کہاں؟“ وہ حیران ہوا۔

”کون کہاں؟“ او لیں نے پوچھا۔

”اوہ..... ہوں کوئی نہیں میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ وہاں سے ہٹ کر فری کے پاس آ گیا۔

”فری! اوہ لڑکی کون ہے؟“

”کون سی لڑکی خیریت تو ہے حاشر! لڑکی کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔“ وہ شریر ہوئی۔

”بدتمیزی مت کرو۔“ وہ ناراض ہو کر جانے کو پلا۔

”اوکے نہیں کرتی مذاق بتائیں کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”وہی جو اسٹیج پر فرح کے ساتھ بیٹھی ہے۔“ وہ ایمان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

”وہ..... وہ تو ایمان ہے پر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ وہ ہنکوک ہوئی۔

”وہ تو میں بھی جانتا ہوں ایمان ہے لیکن ہے کون؟“ وہ جھنجھلایا۔

”تم کیسے جانتے ہو اسے اور اگر جانتے ہو تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟“ وہ پھر سوال کرنے لگی۔

”تم سوال کچھ زیادہ نہیں کرتی ہو فری! ویسے لڑکی ہے اچھی لیکن بولتی بہت ہے شاید تمہاری طرح اسے بھی

بولنے کا شوق ہے۔“ وہ فری پر ناراض ہوا اور ایمان کے زیادہ بولنے پر اعتراض کیا۔

”اچھا..... ابھی بتاتی ہوں جا کر ایمان کو.....“ فری نے دھمکی دی۔

”تو جاؤ بتا دو ویسے تم کیسے جانتی ہو ایمان کو؟“ وہ بات فری سے کر رہا تھا مگر نگاہوں کا مرکز ایمان تھی۔

”قاریہ کی دوست ہے مگر آپ کو کہاں ملی ایمان؟“ فری نے سوال کیا۔

”ایمان تو دل میں ہوتا ہے لیکن ابھی ملی کہاں ہے؟“ وہ بے بسی سے بولا۔

”جی..... تو یہ معاملہ ہے۔“ وہ شریر ہوئی۔

”اے..... تم غلط مت سمجھو میں تو ایمان کی بات کر رہا ہوں۔“ وہ گھبرایا۔

”میں بھی ایمان کی ہی بات کر رہی ہوں ویسے ہے اچھی کیا خیال ہے آئی سے ذکر کر دوں اس کا اور ساتھ ہی ملو

بھی دیتی ہوں۔“

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابرار	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

”تم کچھ زیادہ فاسٹ نہیں ہو؟“ وہ مسکرایا۔
 ”ہوں..... اگر میں کرکٹ ٹیم میں ہوتی تو فاسٹ ہاؤلر ہوتی تو بات کروں پھر؟“ وہ پوچھنے لگی۔
 ”کس سے؟“ وہ چونکا۔
 ”آپ بتائیں پہلے آئی سے بات کروں یا ایمان سے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔
 ”ارے ارے تم تو جوتوں سمیت آنکھوں میں اترنے کی کوشش کر رہی ہو۔“ وہ ایک دم گھبرا گیا۔
 ”اوں ہوں..... میں نہیں ایمان وہ آنکھوں سے ہو کر دل میں اتر چکی ہے جناب کے۔“
 ”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ وہ گھبرایا۔

”یہ جملہ ایسے ہی وقت کہا جاتا ہے جب کچھ ہوتا ہے میں جا کر ایمان سے بات کرتی ہوں۔“ وہ آگے بڑھی تو وہ اس کے پیچھے آیا۔
 ”ایسا کرتے ہیں دونوں مل کر بات کر لیتے ہیں کیا خیال ہے؟“ وہ اس سے کہہ رہا تھا فری نے زک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

”آپ خود بات کریں گے شرم تو نہیں آئے گی آپ کو۔“
 ”آئے گی نا..... لیکن مجھ کو نہیں ایمان کو۔“ حاشر نے شرارت سے کہا تو وہ ہنس دی۔
 ”تو چلیں بات کرنے؟“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
 ”بڑی جلدی ہے۔“

”اوکے..... تم کہتی ہو تو میرے کر لیں گے بات ہی تو کرنی ہے کبھی بھی ہو جائے گی۔“ حاشر یہ کہتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا تو فری مسکراتی ہوئی اس کی طرف چل دی حاشر نے پلٹ کر دیکھا فری اس کی طرف ایمان سے بات کر رہی تھی وہ گہرا سانس لیتا ہوا اوپس وغیرہ کی طرف آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد فری، ایمان کا تعارف حاشر سے کروا رہی تھی۔
 ”آپ یہاں بھی.....؟“ ایمان کو شدید حیرت ہو رہی تھی۔
 ”جی نہیں تو آنا تھا مجھے مدیل کی شادی میں ویسے آپ نے بتایا نہیں تھا کہ آپ بھی آنے والی ہیں یہاں۔“ حاشر نے شکوہ کیا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا فرح کی شادی آپ کے دوست سے ہو رہی ہے۔“ ایمان نے کہا۔
 ”ایمان! تم جانتی ہو حاشر کو؟“ فری کو حیرت ہوئی۔
 ”یہ وہی تو ہیں جنہوں نے خود کو منکر کہہ کر میری CD پر سائن کیے تھے۔“
 ”اچھا.....“ فری اور فری چسنے لگیں۔

”ویسے حاشر کو اسکول لائف میں منکر بننے کا کافی شوق تھا، مگر نکل کافی خلاف تھے اس بات کے اس لئے انہوں نے منکر بننے کے بجائے انکل کی خواہش پر بڑا س من بننے کو ترجیح دی ویسے شادی بیاہ میں یہ گا کر اپنا شوق پورا کر لیتے ہیں انکل فیملی میں ان کے گانے گانے سے ناراض نہیں ہوتے، مگر یہ انہیں کبھی پسند نہیں رہا کہ ان کا بیٹا منکر بنے۔“ فری نے بتایا۔

”اوہ..... تو آپ اپنے فادر کی پسند کے کام کرتے ہیں جان کرا چھاگا۔“ ایمان مسکرائی۔
 ”جی میں اپنے بابا کا فرمانبردار بیٹا ہوں بیٹا تو میں ماما کا بھی ہوں لیکن ان سے اپنی ضدیں منوالیا کرتا ہوں بابا سے تھوڑا ڈر لگتا ہے ضد کرنے میں۔“ حاشر نے کہا۔

رداؤ انجسٹ [172] اگست 2016ء

”جب آپ منکر ہیں ہی نہیں تو جھوٹ بول کر آپ نے اس CD پر سائن کیوں کیے تھے؟“ وہ پوچھنے لگی۔
 ”جھوٹ کہاں بولا تھا گا نا ہوں نا“ آپ کہیں تو ابھی کچھ سناؤں؟“ وہ گلا کھنکھار کر ابھی سر اٹھانے ہی لگا کہ ایمان نے ٹوک دیا۔
 ”پھر کبھی سنوں گی آپ کو ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے عامر بھائی آگئے ہیں میں چلتی ہوں۔“ وہ تیزی سے بولتی آگے بڑھی تو فاریہ اس کے پیچھے دوڑی۔
 ”یہ ہر وقت جلدی میں کیوں رہتی ہے؟“ وہ فری سے پوچھنے لگا۔
 ”اس لئے کہ آپ ہر وقت فرصت میں رہتے ہیں۔“ فری یہ کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی اور نہ حاشر نے کچھ نہ کچھ بولتے رہنا تھا۔

☆.....

اگلے دن ولیمہ میں وہ بار بار فری سے پوچھ رہا تھا۔
 ”ایمان کو انوائسٹ تو کیا تھا تم نے؟“
 ”حاشر! تم یوں کرو اس کے گھر جا کر اسے پک کر لو۔“
 ”ہاں یہ ٹھیک رہے گا ایڈریس کیا ہے؟“ وہ خوش ہوا اور لگا ایڈریس پوچھنے۔
 ”حاشر! بہت بدتمیز ہوتم اس طرح نہیں ہوتا۔“ فری نے آنکھیں دکھائیں۔
 ”تو کس طرح ہوتا ہے مجھ سے نہیں ہوتا انتظار تم یوں کرو ایمان کو فون کر لو۔“ حاشر نے اپنا موبائل فری کو دیا۔
 ”حاشر! تم کچھ زیادہ پاگل نہیں ہو رہے میرا خیال ہے مجھے آئی سے بات کر ہی لینی چاہیے۔“
 ”کیا بات کرو گی ماما سے؟“

”بھئی کہ تم پاگل ہو گئے ہو اب انہیں تمہاری شادی کر دینی چاہیے ورنہ تم سے کچھ بعید نہیں کب دلہن لے کر ان کے سامنے کھڑی کر دو گے کہ ان سے ملے یہ آپ کی بہو ہیں۔“ فری نے اس پر غصہ کرتے ہوئے اس کی نقل اتاری۔
 ”پاگل میں نہیں تم ہو میں ایسا لگتا ہوں نہیں۔“ وہ اس کے سر پر ہلکے سے ہاتھ مارتا ہوا بولا۔
 ”تم جتنے دیوانے ہو رہے ہوتا اس سے پتا لگ رہا ہے جانے کب کیا کر گزرو۔“
 ”جو کروں گا بڑے دھوم دھڑکے سے کروں گا۔“
 ”اچھا..... تو پھر میں تیاری شروع کر دیتی ہوں۔“

”ہاں ابھی سے کرو تیاری شروع بعد میں نہ کہتا تم نے تو اتنی جلدی کی کہ تیاری کرنے کا نام نہیں ملا۔“ وہ ہنسا۔
 ”ایمان ویسے میں نہیں آئی تو وہ فری اور فاریہ دونوں پر خفا ہوا۔
 ”تم دونوں کتنی اچھی ہو آج ہی معلوم ہوا ہے مجھے سچ ہی کہتے ہیں لوگ دوستوں پر یقین کر کے مت بیٹھو ورنہ تمہارا کچھ نہیں ہو سکے گا۔“ وہ کافی خفا ہو رہا تھا۔

”ارے بابا وہ نہیں آئی اس کی مرضی۔“ فری نے کہا۔
 ”کیوں اس کی مرضی کیوں اگر آ جاتی تو کیا تھا یا؟“ وہ جھنجھلا کر بولا۔
 ”وہ آ جاتی تو تم خوش ہو جاتے۔“
 ”بس یہی خوشی تو دیکھی نہیں گئی تمہاری دوست سے مجھے معلوم ہے وہ میری وجہ سے نہیں آئی خیر ملے گی تو پوچھوں گا کیوں نہیں آئی تھیں۔“ وہ یوں لڑ رہا تھا جیسے ایمان پر حق رکھتا ہو۔ وہ دونوں مسکرائے لگیں۔

رداؤ انجسٹ [173] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”کیا میں لطیفے سن رہا ہوں جو تم دونوں ہنس رہی ہو؟“ وہ سلگتا ہوا وہاں سے چلا آیا ”وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔“

☆.....

وہ فاریہ کی طرف آیا ہوا تھا تبھی وہاں ایمان بھی آگئی۔
”آپ ویسے میں کیوں نہیں آئی تھیں؟“ وہ کمر پر ہاتھ رکھے بڑے رعب سے پوچھ رہا تھا۔
”جی.....“ وہ حیران ہوئی۔
”جو پوچھا ہے اس کا جواب دیجئے۔“
”میں ضروری نہیں سمجھتی جواب دینا۔“ وہ قدرے غصے سے بولی۔
”میں اتنا غیر ضروری نہیں ہوں جو سوال کیا ہے اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دیں۔“ وہ رعب بھائے جا رہا تھا۔
”دیکھیے مسٹر! میں.....“ ایمان نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
”دکھائیے کیا دکھانا ہے؟“

”آپ سے دو بار بات کیا کرتی آپ فری ہی ہو گئے میں اجنبیوں سے بالکل بات نہیں کرتی ہوں۔“
”بہت اچھا کرتی ہیں لیکن میں اجنبی نہیں ہوں نام آپ میرا جانتی ہیں اور فاریہ فری اور فرح کا کزن ہوں تو اجنبی تو ہم ہو ہی نہیں سکتے آپ جیسے فاریہ کی دوست ہیں ایسے میری بھی ہیں۔“
”بہت بولتے ہیں آپ کم بولا کریں۔“ وہ خفا ہوئی۔
”میں کہاں بولتا ہوں بولتی تو آپ ہیں اور خوب بولتی ہیں میں آپ کے بولنے سے ہی تو متاثر ہوا تھا۔“
”کیا ضرورت تھی متاثر ہونے کی کہا کس نے تھا آپ کو متاثر ہونے کے لئے؟“ وہ غصے سے سوال کرنے لگی۔
”میرے دل نے.....“ وہ ذرا جھک کر ادا سے بولا۔
”دل..... یہ دل بچ میں کہاں سے آگیا دیکھیے میں یہاں فاریہ سے ملنے آئی ہوں اگر وہ نہیں ہے تو اسے بتا دیجئے گا۔“ وہ جانے کو پلٹی۔

”ساری بات دل ہی سے تو شروع ہوتی ہے ویسے فاریہ سے مل کر کیا کچھے گا میں جو ہوں مجھ سے ملیے۔“ وہ شوخ ہو رہا تھا۔

”آپ پاگل تو نہیں ہیں؟“ وہ برہم ہو رہی تھی۔

”تھا تو نہیں آپ کو دیکھ کر ہو گیا ہوں۔“

”پھر تو آپ کا اللہ ہی مالک ہے۔“ وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”وہ تو سب ہی کا مالک ہے آپ بیٹھے نا آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“

”تو ٹھیکس۔“ وہ خشک لہجے میں بولی۔

”اس میں شکریہ کی کیا بات ہے آپ ہی کا گھر ہے آیا جایا کیجئے۔“

”جی..... میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔“ وہ تیزی سے باہر کی طرف جانے لگی۔

”ارے میری بات تو سنئے۔“ وہ پکارتا رہ گیا مگر وہ سنی ان سنی کر کے چلی گئی۔

☆.....

ایمان حاشر سے کوئی بات کرنے کو تیار نہیں تھی فاریہ اسے حاشر کے دل کا حال سنا چکی تھی۔

رداذا بخش 174 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”دیکھو فاریہ! بہت مذاق کر چکے ہیں تمہارے کزن اب بس کرو میں اس بات کو مزید نہیں بڑھانا چاہتی ہوں۔“ ایمان نے صاف کہہ دیا۔

”کیوں..... تمہیں یہ سب مذاق کیوں لگ رہا ہے حاشر بہت زیادہ سنجیدہ ہے تمہارے لئے۔“

”مگر میں سنجیدہ نہیں ہوں اس طرح تھوڑی ہوتا ہے۔“ ایمان کو اعتراض تھا۔

”تو کس طرح ہوتا ہے؟“ فاریہ کو غصہ آیا۔

”مجھے نہیں پتا۔“

”او کے بابا! میں کہتی ہوں جا کر حاشر سے۔“

”کیا کہو گی؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”یہی کہ یہاں کچھ نہیں ہوگا کہیں اور لڑائی کرو۔“ فاریہ نے سلگ کر کہا اور اپنا پرس اٹھا کر باہر نکل گئی۔

”اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے یا راجب مجھے اچھا نہیں لگتا تو ضروری ہے زبردستی کی جائے۔“ وہ خود کلائی کے اسٹائل میں بولی اور جھنجھلا کر کشن اٹھا کر پھینکا۔

☆.....

”کیا کہا تمہاری دوست نے؟“ حاشر سے پہلے اس کی ممانے پوچھ لیا کیونکہ ان کو بھی سب خبر ہو چکی تھی۔

”وہ ایسا نہیں سوچتی ہے عجیب بے وقوف لڑکی ہے سوچنے میں کون سا نام لگتا ہے جب نہیں سوچا تو اب سوچ لے۔“ فاریہ خفا ہونے لگی۔

”تو یہ سب ایمان سے کہنا تھا یہاں کہنے کا فائدہ۔“ حاشر کو اس پر غصہ آنے لگا۔

”تم مجھ پر کیوں غصہ کر رہے ہو میں گئی تو تمہی اس سے بات کرنے اب وہ ایسا نہیں سوچتی ہے تو میں کیا کروں؟“ وہ حاشر سے جھگڑنے لگی۔

”اسی لئے کہا تھا مجھے ساتھ لے چلو اب دیکھ لو نتیجہ۔“

”او کے بابا! تم خود ہی کر لو جا کر بات۔“ فاریہ نے جھجھکیا۔

”تم دونوں کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو فاریہ! تم کل میرے ساتھ چلنا میں اس کے والدین سے خود بات کر لوں گی اگر انہیں منگور ہوگا تو سب کچھ خود ہی طے ہو جائے گا۔“ آمنہ نے ان دونوں سے کہا۔

”یہ ٹھیک رہے گا میں کل آ جاؤں گی۔“ فاریہ خوش ہو گئی ساتھ ہی حاشر کا موڈ بھی تھوڑا بہتر ہو گیا۔

☆.....

فاریہ آمنہ اور حاشر کے بابا یا سر کے ساتھ ایمان کے یہاں موجود تھے ایمان کی والدہ فاریہ کے اچانک رشتے لے آنے پر حیران تھیں آمنہ نے بات ہی اتنے اچھے طریقے سے کی تھی کہ ایمان کے والدین متاثر ہو گئے تھے انہوں نے سوچ کر جواب دینے کا کہا تھا۔ ایمان کی والدہ نے جب ایمان سے اس سلسلے میں بات کی تو وہ مزید چڑھ گئی۔

”آخر یہ لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں ممانے مجھے ابھی نہیں کرنی شادی ابھی اور پڑھنا ہے مجھے۔“

”اور کتنا پڑھو گی MSC تو کر چکی ہو۔“

”بی بی اچ ڈی ابھی میں نے ایم فل کرنا ہے ابھی آپ منع کر دیں۔“

”تمہارے ڈیڈی کو حاشر بہت اچھا لگا ہے فیملی بھی اچھی ہے منع کرنے کا جواز ہی نہیں ہے۔“ انہوں نے صاف منع کر دیا اس کی بات ماننے سے۔

رداذا بخش 175 اگست 2016ء

”کہہ دیں میں ابھی ایم فل کر رہی ہوں۔“

”کہا تھا انہوں نے کہا ہے شادی کے بعد بھی ہو جائے گا اور ہاں تمہارے ڈیڑی بات فائل کر رہے ہیں۔“ انہوں نے اسے اطلاع دی۔

”آپ لوگوں نے اتنی جلدی سب طے بھی کر دیا؟“

”ہاں فاریہ کا کزن ہے۔“

”تو فاریہ کا کزن ہونا اس کی گارنٹی ہو گیا مگر یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔“ وہ ناراض ہوئی۔

”تمہارے ڈیڑی نے کچھ سوچ کر ہی بات آگے بڑھائی ہوگی خیر اب تم اپنی شادی کی تیاری کرو آؤ آؤ منہ کو بہت جلدی ہے۔“ وہ باہر جانے لگیں۔

”انہیں کہہ دیں انتظار کریں۔“ وہ اونچی آواز میں بولی۔

”وہ لوگ تاریخ لینے آ رہے ہیں تم جانے کی تیاری کرو اپنے سرال۔“ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

ایمان جھنجھلا کر رہ گئی اس کے منہ پر مازہ نے کوئی ٹوکس نہیں لیا حاشر کے گھر والوں کو تاریخ دے دی یوں چند ہی دنوں میں ایمان اور حاشر شادی کے بندھن میں بندھ گئے۔

”یار اتم گئے فرح کے لئے ویڈنگ گفٹ لینے تھے اور پسند اپنے لئے ایمان کو کر آئے۔“ عدیل دلہا بنے حاشر سے کہہ رہا تھا۔

”یار! بندے کو اتنا ہی اسٹریٹ فارورڈ ہونا چاہئے اب تمہاری طرح تھوڑی ہوں مہینوں لگا دیئے دل کی بات کہنے میں تم نے۔“ حاشر نے کہا۔

”اوئے..... چپ دلہا بولتے نہیں ہیں۔“ اولیس نے کہا۔

”یہ بات دلہن کے لئے کہی جاتی ہے اور ایمان ابھی خاموش ہے۔“ حاشر نے کہا۔

”ویسے یار! میں سوچتا ہوں میں بھی تیرے ہی اسٹائل میں اپنے لئے لڑکی پسند کر ہی لوں۔“ اولیس نے کہا۔

”کیا مطلب؟“ حاشر نے پوچھا۔

”ویڈنگ گفٹ لینے کے بہانے اپنی دلہن کا چہرہ میں بھی دیکھ آؤں۔“ اولیس کی بات پر حاشر اور عدیل دونوں ہی چہنچہنے لگے۔

”اب ہر کوئی میرے جیسا خوش قسمت تھوڑی ہوتا ہے۔“ وہ اتر آیا۔

”اچھا جی۔“ وہ دونوں ہنسے۔

سب ہی لوگ دونوں کو یہی بات کہہ کر چھیڑ رہے تھے حاشر تو ان لوگوں کی باتوں کا جواب دیتا رہا جبکہ ایمان شرما رہی۔

حاشر نے ایمان کو روٹھائی میں انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔

”یہ رنگ میں تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کیونکہ تمہیں رنگ پہننا پسند ہے اور یہ چین اس لئے پہنا رہا ہوں کہ آج میں نے تم کو اپنے پیار کی زنجیر میں باندھ لیا ہے اب آزادی ممکن نہیں ہوگی۔“ ایمان نے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”آپ نے یہ سب سے کیوں کہا کہ آپ نے مجھے فرح کی شادی میں پسند کیا تھا اور میری پسند کی رنگ فرح کو گفٹ کی تھی حالانکہ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا کہ آپ کے دل میں کیا ہے اب سب اس بات پر میرا ریکارڈ لگاتے رہیں گے آپ مجھے فرح کے لئے گفٹ لینے تھے اور پسند کر آئے رنگ پسند کر کے دینے والی ہو۔“ وہ اس پر ابھی تک

رواڈ انجسٹ [176] اگست 2016ء

اس بات کے لئے ناراض تھی۔

”ارے..... تو کیا ہوا تم اس بات کو مانڈ کیوں کر رہی ہو دیکھو یہ تو میرے سچے جذبے کی جیت ہے کہ میں نے جو چاہا وہ پالیا ایمان! ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں جن کو حسب خواہش زندگی گزارنے کے لئے ہمنسل مل جاتا ہے ہمیں تو خوش ہونا چاہئے جو چاہا وہ پالیا۔“ وہ اسے سمجھانے لگا۔

”چاہا آپ نے ہے میں نے نہیں میں نے تو کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا آپ کے بارے میں۔“ ایمان نے اسے گھورا۔

”میں چاہوں یا تم بات تو ایک ہی ہے۔“ حاشر مسکرایا۔

”بات ایک کیسے ہے شادی صرف آپ کی پسند کی ہے میری نہیں۔“ وہ بحث پر اتر آئی۔

”اچھا..... یہ بات ایک کب ہوگی ہماری تمہاری؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہائیم لگے گا۔“

”اوکے میں پسند کے ایک ہونے کا انتظار کروں گا۔“

”اچھا۔“ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

☆

جہاں حاشر ایمان کو پا کر مسرور تھا وہیں ایمان اس کے کزن اور دوستوں کی بات سن کر دل مسوس کر رہ جاتی کہ فرح کی ویڈنگ رنگ پسند کرنے کی وجہ سے حاشر ایمان کو پسند کر بیٹھا۔

”حاشر! ضرورت ہی کیا تھی سب کو بتانے کی سب کچھ کو یہی کہہ کر تنگ کرتے ہیں۔“ وہ آج پھر حاشر سے شکوہ کر رہی تھی۔

”ارے یار! اس میں برمانے کی ضرورت ہی کیا ہے کہہ دیا کرو کیا تھا پسند پھر؟“ حاشر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مگر بات تو غلط ہے نا پسند کی طرف تھی۔“ وہ ابھی تک اپنے موقف پر اڑی ہوئی تھی۔

”اگر تمہیں میں پسند نہیں تھا تو پہلے کہیں یار! کم از کم ایک بار کہہ ہی دیا ہوتا اب یہ سب کہنے کا فائدہ۔“ وہ خفا ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں نے یہ کب کہا میں ایگری نہیں تھی۔“ وہ اس کے خفا ہونے پر پریشان ہوئی۔

”ابھی تم ہی نے تو کہا اور فاریہ سے بھی تم نے یہی کہا تھا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولا۔

”میں ایم فل کرنا چاہ رہی تھی اس لئے منع کیا تھا۔“

”مگر میں نے تو تمہیں نہیں منع کیا ایم فل کرنے سے۔“

”ہاں نہیں کیا۔“

”ابھی تم بات پسند نہ کرنے کی کر رہی تھیں ایمان! تو تم مجھے پسند نہیں کرتیں تھیں؟“ وہ پھر اسی بات پر آ گیا۔

”وہ تو شادی سے پہلے کی بات تھی۔“

”اب کرتی ہو؟“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔

”ہوں..... اب تو کرنا پڑ گیا مجبوری جو ہے۔“ وہ اقرار یوں کر رہی تھی جیسے احسان کر رہی ہو۔

”کیا مجبوری.....“ وہ ایمان کو بولا تو وہ مسکرا دی۔

”بہت بد تمیز ہو تم بہت ستاتی ہو مجھے۔“ وہ اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دیا۔

☆

ایمان کو بارش کا موسم بہت پسند تھا جب کہ حاشر کو بارش زیادہ پسند نہیں تھی۔

رواڈ انجسٹ [177] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”حاشر دیکھو! اتنی اچھی بارش ہو رہی ہے باہر! آسکریم کھانے چلیں؟“ وہ کھڑکی کے پار برقی بارش پر نظر جمائے ہوئی۔
 ”اتنی شدید بارش میں..... تم فریق سے آسکریم نکال کر کھاؤ۔“ حاشر نے مشورہ دیا۔
 ”بارش ہی میں تو آسکریم کھانے کا مزہ آتا ہے چلو نا اٹھو.....“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔
 ”اوں..... ہوں..... میرا بالکل موڈ نہیں پھر کبھی چلیں گے ویسے بھی رات کافی ہو چکی ہے سو جاؤ لائٹ آف کر کے۔“ حاشر نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا۔
 ”دیکھو حاشر! مجھے بورنت کروورنا چھ نہیں ہوگا۔“ وہ دھمکی دینے لگی۔
 ”اچھا ہو بھی کیسے سکتا ہے شادی کے بعد نہ اہوتے میں نے سنا ہے اچھا ہوتے کبھی نہیں سنا۔“
 ”تو تم نہیں چل رہے؟“

”نہیں میرا موڈ نہیں ہے۔“ حاشر نے اٹھ کر لائٹ آف کی۔
 ”اگر یہ آخر میں نے تمہیں میرڈ لائف سے پہلے کی ہوتی تو تم کبھی منع نہیں کرتے ابھی صرف گیارہ بجے ہیں اور تمہیں زیادہ نام لگ رہا ہے تب اگر میں رات 2 بجے تمہیں فون کر کے کہتی بارش ہو رہی ہے اٹھ کر دیکھو تو تم ساری رات بارش کو دیکھتے رہتے۔“ ایمان کو غصہ آنے لگا۔
 ”یار! اس وقت کی بات اور ہوتی ہے ویسے تم اتنی رومینک شادی سے پہلے کبھی ہونہیں سکتی تھیں۔“ حاشر اٹھ کر بیٹھ گیا۔
 ”یہی تو بات ہے ساری جب شادی ہو جاتی ہے تو ہر بات ہر فرمائش عجیب لگتی ہے شادی والے دن تو بڑی بڑی باتیں کر رہے تھے تم اب کیا ہوا؟“ ایمان نے باقاعدہ جھگڑنا شروع کر دیا تھا۔
 ”ہاں میں تو اب بھی کرتا ہوں یار! اور ہماری شادی کون سی پرانی ہو گئی ہے جو تم مجھے یہ سب یاد دلارہی ہو۔ دیکھو مجھے بارش میں باہر گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں ہے ہم کل چلیں گے اوکے اب سو جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے بولا۔
 ”لیکن مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اوکے گڈ نائٹ! صبح جلدی اٹھاؤ بیٹا میری میٹنگ ہے۔“ وہ دوبارہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گیا تو وہ غصے سے مٹھیاں بچھ کر رہ گئی۔ ایمان بیڈ پر نیم دراز بیٹھی کبھی لیپ کھول رہی تھی کبھی بند کر رہی تھی بار بار روشنی کھلنے بند ہونے سے حاشر کی نیند خراب ہو رہی تھی۔
 ”ایمان! کیا کر رہی ہو سونے دو پلیز۔“ وہ منہ پر کیلر کھتے ہوئے بولا۔
 ”مجھے نیند نہیں آرہی ہے تم نے سونا ہے گڈ نائٹ۔“ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
 ”یہ کوئی نام ہے باہر جانے کا لیکن جانا پڑے گا میڈم کا موڈ جو خراب ہے۔“ وہ کمبل ہٹاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ایمان کے پیچھے باہر آیا وہ لان میں پودوں پر برقی بارش پر نظر پڑا جھانک کر رہ گیا۔
 ”پودوں پر گرتا بارش کا پانی کتنا اچھا لگتا ہے نا؟“ وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اس کے پیچھے کھڑا تھا۔
 ”ابھی تو تمہیں نیند آرہی تھی۔“ وہ گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
 ”تمہارے غصے کو دیکھ کر بھاگ گئی تمہارے غصے سے ڈر جو گئی۔“

”اچھا.....“ وہ مسکرائی۔
 ”آسکریم کھانے چلیں پھر؟“
 ”نہیں بارش بہت تیز ہو رہی ہے تمہیں ڈرائیونگ میں پراہم ہوگی ایسا کرتے ہیں فریق سے آسکریم نکال کر

ردا ڈائجسٹ [178] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھاتے ہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”اوکے میں لاتا ہوں بس دو منٹ میں آیا۔“ وہ یہ کہتا ہوا اندر چلا گیا، تھوڑی دیر میں آسکریم لے کر وہاں آیا تو ایمان خوش ہو گئی۔

”ویسے تم اتنے بڑے نہیں ہو حاشر! وہ آسکریم کھاتے ہوئے بولی۔
 ”اچھا تھوڑا برا ہوں؟“

”ہوں..... تھوڑے بڑے لگتے ہو جب میری بات نہیں مانتے جب مجھے تم پر بہت غصہ آتا ہے اچھا سنو کل جلدی آ جانا۔“

”اگر تم کہو تو جاتا ہی نہیں ہوں۔“
 ”اوکے تو ٹھیک ہے پھر ہم صبح سے ہی ٹائلنگ چچی کی طرف چلتے ہیں۔“

”کیوں ان کی طرف کیوں جانا ہے؟“ وہ پوچھنے لگا۔
 ”سونیا کی برتھ ڈے ہے کل اس کے لئے گفٹ بھی لینا ہے۔“

”اوکے میں جلدی آ جاؤں گا۔“
 ”ابھی تو تم چھٹی کر رہے تھے۔“

”کل ٹینڈر کھلنے والا ہے اس لئے چھٹی نہیں ہو سکتی اگر یہ ٹینڈر مجھے ملا تو میں کافی بڑی رزوں کا کچھ دنوں تک۔“ وہ اسے بتاتے لگا۔

”اچھا.....“ وہ دھیرے سے بولی وہ دونوں کافی دیر تک بارش کو برستے دیکھتے رہے۔
 ایمان 4 بجے سے حاشر کا انتظار کر رہی تھی بار بار گیٹ تک جاتی پھر لوٹ آتی۔

”دیکھیں ماما! یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہوئی 4 بجے کا کہا تھا اور اب 7 بج رہے ہیں حاشر کا ابھی تک کوئی پتا نہیں ہے۔“ وہ آہستہ سے شکایت کرنے لگی۔
 ”تم فون کرو۔“

”کیا تھا سوبائل آف ہے اور آفس میں وہ ہیں نہیں اب کہاں فون کروں اگر میں سونیا کی برتھ ڈے میں لیٹ گئی تو وہ بہت خفا ہوگی مجھ پر اور میں حاشر پر اس سے زیادہ غصہ کروں گی کوئی احساس ہی نہیں اتنی دیر ہو گئی ہے وہاں برتھ ڈے پارٹی شروع بھی ہو چکی ہوگی۔“ وہ روہا کسی ہو کر بولی۔
 ”بیٹا! وہ بڑی ہو گاتم چلی جاتیں حاشر بعد میں آ جاتا تم یوں کرو سونیا کی طرف چلی جاؤ حاشر آتا ہے تو میں اسے بھیج دوں گی۔“

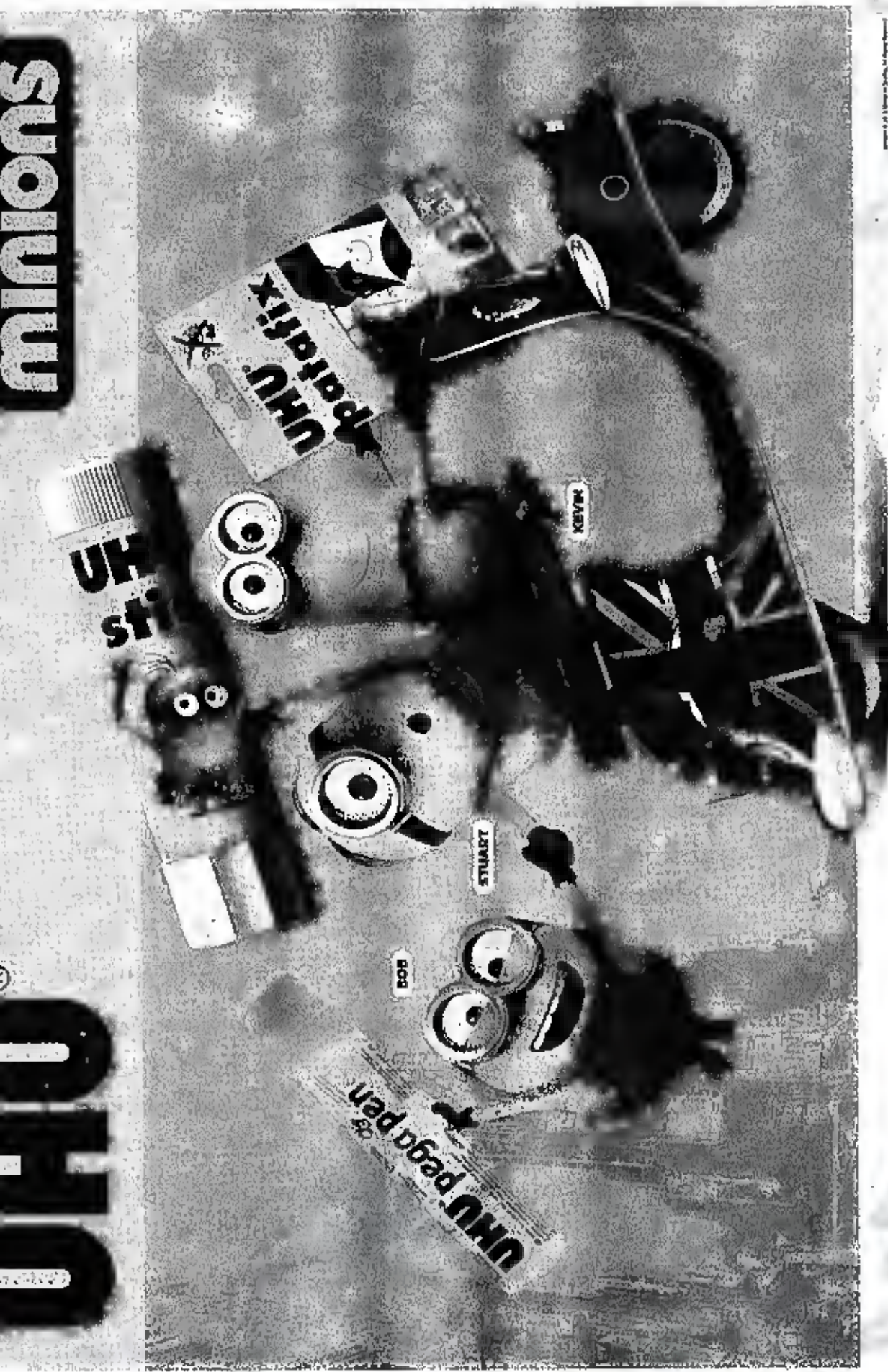
”اکیلے کیسے جاؤں؟“ وہ پلکیں جھپکتے ہوئے بولی۔
 ”میں یا سر سے کہتی ہوں وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

”نہیں رہنے دیں بابا کو خواہ مخواہ زحمت ہوگی میں ڈرائیور سے کہتی ہوں۔“ وہ باہر نکل آئی آ منہ اس کے پیچھے آئیں وہ انہیں خدا حافظ کہتی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

برتھ ڈے پارٹی میں سونیا اس کے لیٹ آنے پر خفا تھی مگر اس نے سونیا کو مٹالیا۔
 ”حاشر نہیں آیا تمہارے ساتھ۔“ ٹائلنگ چچی نے پوچھا۔

”ان کی میٹنگ تھی وہیں سے آ جائیں گے میں نے انہیں فون کر دیا تھا۔“ ایمان نے جھوٹ بولا۔

ردا ڈائجسٹ [179] اگست 2016ء



WWW.PAKSOCIETY.COM

”ہوں..... سو گئیں یہ یاتم ہے تمہارے گھر آنے کا۔“ وہ لڑکی کے موڈ میں لگ رہی تھی۔
 ”سوری دیر ہو گئی مگر تمہیں شہنشاہ میں نہیں بیٹھنا چاہیے بیمار ہو جاؤ گی تو کافی پریشانی ہو گی مجھے۔“
 ”دیر نہیں بہت دیر ہو گئی ہے میں نے تمہیں جلدی آنے کا کہا تھا اور تم اب آ رہے ہو وہاں پارٹی میں سب تمہارا
 پوچھ رہے تھے۔“ وہ ہاتھ چھڑا کر کمرے میں داخل ہوئی۔

”اوہ..... ہاں سو نیا کی برتھ ڈے تھی ہو گئی برتھ ڈے اس کی؟“ وہ ہر تھام کر رہ گیا۔
 ”نہیں تمہارے انتظار میں کیک نہیں کاٹا گیا تمہارے نہ آنے سے برتھ ڈے پارٹی رُک تو نہیں سکتی تھی نا۔“
 ایمان نے جیکسی نظروں سے اسے دیکھا۔

”سوری بھول گیا تھا، چلو تم تو چلی گئیں نا پارٹی میں آج کام اتنا تھا کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔“ وہ افسوس کرنے لگا۔

”تمہارے جیسے بزنس مائنڈ رکھنے والوں کے نزدیک صرف کام ہی اہم ہوتا ہے دوسری باتیں تمہاری مصروفیت کے سامنے ثانوی حیثیت اختیار کر جاتی ہیں۔“ ایمان حاشر کو ٹائٹ سوٹ دیتے ہوئے بولی۔

”ہاں..... کام ہی تو سب کچھ ہوتا ہے اگر کام نہ ہو تو انسان خود کو بیکار محسوس کرتا ہے اور یہ بات تم بھی جان لو مجھے اپنے کام سے عشق ہے میرے لئے ہر چیز ہے زیادہ اہم ہے میرا بزنس“۔ وہ اس کو شانوں سے تھامتے ہوئے بولا۔

”تمہارے لئے صرف کام اہم ہے اور کچھ ہم نہیں“۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہاں کام نہ ہو تو بندہ بیکار ہو جاتا ہے، فالٹو چیزوں کی طرح“۔ وہ سوٹ اٹھا کر چھینچ کرنے چلا گیا، وہ چھینچ کر کے آیا تو ایمان اسی پوزیشن میں کھڑی تھی۔

”کام کے علاوہ کوئی اور چیز اہمیت رکھتی ہے تمہاری زندگی میں یا نہیں؟“ وہ حاشر سے پوچھنے لگی۔

”نہیں صرف کام ہی اہمیت رکھتا ہے میرے نزدیک“۔ وہ فی دی آن کرتے ہوئے بولا۔

”میں بھی نہیں؟“

”تم تو میرے دل کی دھڑکن ہو، تم خود کو کام سے کیوں کمپیر کر رہی ہو؟ کام کام ہوتا ہے اور تم تم ہو یا ر میں کام میں اور انسانوں میں فرق رکھتا ہوں اگر مجھے تم سے محبت ہے تو اپنے کام سے عشق میں نہ تمہیں اگور کر سکتا ہوں اور نہ ہی اپنے کام کو آئندہ خود کو کسی بھی چیز سے کمپیر نہیں کرنا۔“ وہ اسے بٹھاتے ہوئے بولا اور خود نیچاس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”او کے نہیں کروں گی لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا۔“

”کیا وعدہ لیتا ہے؟“

”تم دیر سے نہیں آیا کرو گے، میں بور ہو جاتی ہوں اور انتظار کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا“ 4 بجے سے تہہارا انتظار کر رہی

رداؤا تجسٹ 180 اگست 2016ء

تھی تم اب آئے ہو تم اتنا انتظار کیوں کروا تے ہو کیا ملتا ہے تم کو میرے آنے میں۔“
 ”تمہارا یہ غصہ بھرا اعزاز مجھے کافی مزہ دیتا ہے تمہاری غصے میں بھری مگر محبت کی چاشنی سے گندھی باتیں پار لائف میں کچھ نہ کچھ گرما گرم تو ہونا ہی چاہئے یہی جھگڑے تو محبت کا پتہ دیتے ہیں دل میں احساس جگاتے ہیں کہ کوئی ہے جو سب کے ساتھ ہو کر بھی تمہارے بغیر خود کو اکیلا محسوس کرتا ہے تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے خیالوں میں گم رہتا ہے دل کو یہ جان کر بے انتہا خوشی ملتی ہے یہ سب چیزیں میرے دل میں تمہاری محبت کو اور بڑھا دیتی ہیں تم نے سنا نہیں شاعر نے کہا ہے

”بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے
 جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر“

حاشیہ نے کہا۔

”یہ روز روز کی لڑائیاں تمہیں ہم سے دور بھی کر دیا کرتی ہیں مجھے روز روز تم سے جھگڑا کرنا اچھا نہیں لگتا۔“ حاشیہ کی بات پر ایمان نے کہا۔

”مجھے تو تمہارا غصہ والا روپ ہی اچھا لگتا ہے۔“ وہ اس کے ماتھے پر سے لٹ ہٹاتے ہوئے بولا۔
 ”تو تم یوں کرو رات بھر میرا چہرہ دیکھتے رہو میں سونے جا رہی ہوں۔“ وہ اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے اٹھی۔
 ”اتنی جلدی ابھی بجا ہی کیا ہے؟“ وہ اس کا ہاتھ تھام کر دائے دلبری سے بولا۔
 ”ڈھائی بج چکا ہے صبح تم کو آفس بھی جانا ہے اب سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے۔“
 ”ابھی کہاں؟ ابھی مجھے نیند نہیں آرہی۔“

”تو تم جاگو مجھے سونا ہے۔“ وہ ہاتھ چھڑاتے ہوئے اپنی جگہ لیٹ گئی۔
 ”لائٹ آف کر دینا۔“ ایمان نے کہل اڑھتے ہوئے کہا۔
 ”اوکے گڈ نائٹ۔“ وہ لائٹ آف کر کے لیٹ گیا۔

☆

کچھ دنوں سے ایمان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی عاتشہ اسی لئے گھر رہنے آئی ہوئی تھی۔
 ”حاشیہ! دیکھو ایمان کا کیس میں خود نہیں کروں گی میں نے ڈاکٹر بتول سے بات کرنی ہے تم کل خود آنا ایمان کو لے کر۔“ وہ آفس جاتے حاشیہ سے کہنے لگی۔

”کل شام تو میں بڑی ہوں تم خود لے جانا ایمان کو اپنے ساتھ۔“ حاشیہ نے کہا۔
 ”میں ایمان سے کہہ دوں گی وہ خود تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گی۔“ عاتشہ نے کہا۔
 ”تم جانتی ہو مجھے ڈاکٹر زکے پاس جانے سے الرجی ہے یا ر! میں تمہارے پاس نہیں آتا اس لئے کہ تم بھی ایک ڈاکٹر ہو حالانکہ بہن ہو میری میں نے بھی تمہیں اسپتال سے پک اینڈ ڈراپ دی نہیں تاں یار پلیز تم خود اسے لے جانا۔“ وہ بڑی سہولت سے اسے کنوئیں کر رہا تھا۔

”اوکے میں خود لے جاؤں گی ایمان کو اب جاؤ۔“ عاتشہ نے گاڑی کا دروازہ حاشیہ کے لئے کھولتے ہوئے کہا۔
 ”ٹھیکس۔“ وہ مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔

☆

”تم گئی تھیں ڈاکٹر بتول کے پاس؟“ حاشیہ نے اگلے دن آتے ہی پوچھا۔

ردا ڈائجسٹ [182] اگست 2016ء

”ہوں گئی تھی لیکن میں تم سے ناراض ہوں۔“ وہ اس کی طرف سے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔
 ”وہ کیوں؟“ وہ اس کے پیچھے آکھڑا ہوا اور کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف رخ کیا۔
 ”کیوں تمہیں نہیں پتا؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غصے سے بولی۔

”یار! سوری میں ڈاکٹر زکے پاس جانے سے گھبراتا ہوں۔“

”ڈاکٹر نے تمہیں نہیں مجھے انیڈ کرنا تھا آج تو میں چلی گئی تھی عاتشہ باجی کے ساتھ مگر آئندہ نہیں جاؤں گی اگر تم خود ساتھ چلو گے تو میں جاؤں گی ورنہ نہیں جاؤں گی کہہ دیا ہے میں نے تم سے۔“ وہ غصے سے بولتی ہوئی منہ پھلا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”دیکھو ایمان! بات کو سمجھو۔“ وہ اس کے نزدیک زمین پر بیٹھ گیا۔

”کیا دیکھوں! یہ دیکھوں کہ تم کتنے لاپرواہ ہو میری طرف سے۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

”اگر ایسی کوئی بات نہیں ہوتی تو تم میرے ساتھ چلتے۔“

”اوکے اگلی بار میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا اب خوش؟“ وہ مسکرایا۔

”وعدہ خلافی تو نہیں کرو گے؟“

”نہیں۔“

”اوکے تم نے کھانا کھایا؟“

”نہیں تمہاری ڈائنٹ کھائی کافی ہے۔“ وہ منہ ہٹاتے ہوئے بولا تو وہ اس کے براہمانے پر ہنس دی۔

”میں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے ابھی لگاتی ہوں تم چینیج کر کے جلدی سے آ جاؤ بہت بھوک لگی ہے۔“ وہ تیزی سے بولتی باہر نکل گئی۔ وہ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی جب ہی حاشیہ آ گیا۔

”میں بھی ہیلپ کروں تمہاری؟“ وہ اس کے ہاتھ سے ڈش لیتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا دی۔

”ٹھیکس۔“ حاشیہ نے کرسی ایمان کے لئے سرکائی تو وہ مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی۔

”ہوں..... خوش ہو تو اچھی ہے کھانا تم نے بنایا ہے؟“ وہ خوشبو سونگھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”نہیں عاتشہ باجی نے۔“

”کبھی تم بھی کلنگ کر لیا کرو۔“ حاشیہ نے ایمان سے کہا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور ویسے بھی مجھے کلنگ کا خاص شوق نہیں ہے تم یوں کرو ایک کلک کا فوری انتظام کرلو۔“ ایمان نے کہا۔

”وہ کیوں؟“ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا۔

”کھانا بنانے کے لئے اور کس لئے؟“ اب وہ تھوڑا ناراض ہو کر بولی تو وہ چہسنے لگا۔

”آپ ہنس کیوں رہے ہیں؟“

”مما اور بابا دونوں ہی کو کلک کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانا بالکل پسند نہیں ہے تم اپنی عادت بدل لو کوشش کر کے کھانا بنالیا کرنا ہم لوگ گزارا کر لیں گے ایمان۔“ وہ کھانا کھاتے ہوئے بولا۔

”حاشیہ! رمضان میں ذیل کام ہو جاتا ہے میری طبیعت کا تو کچھ خیال کر لیں آپ۔“ وہ رے رے لہجے میں بولی۔
 ”ابھی رمضان میں تھوڑا نا تم ہے اور رہی طبیعت کی بات تو یار سب عورتیں اس حالت میں بھی کام کر لیتی ہیں۔“

ردا ڈائجسٹ [183] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

حاشر نے لا پرواہی سے کہا۔

”اچھا۔“ وہ ہرے ہوئے انداز میں بوٹی حاشر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

☆

”مما! دیکھیں حاشر کو میرے ساتھ شاپنگ کے لئے جانے سے منع کر رہے ہیں پھر رمضان شروع ہو جائیں گے تو کہیں گے روزے میں میں مارکیٹ کے اتنے چکر نہیں لگا سکتا۔“ ایمان نے آ کر آمنہ سے شکایت کی۔

”حاشر بیٹا! جاؤ کب سے کہہ رہی ہے چلے جاؤ اس کے ساتھ پھر رمضان میں تمہارے پاس ٹائم نہیں ہوگا۔“ آمنہ نے اس کی سفارش کی۔

”مما! میں بہت تھکا ہوا ہوں میں جلدی اس لئے نہیں آیا تھا کہ آپ کی بہو کو شاپنگ کرانے لے جاؤں گا بلکہ اس لئے آیا تھا کہ آرام کروں گا آپ خود ہی لے جائیں نا اپنی لاڈلی کو۔“ وہ صوفے پر لیٹتے ہوئے بولا اور کشن اٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔

”ایمان! تم حاشر کے ساتھ پھر کسی دن شاپنگ پر چلی جانا۔“ آمنہ اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

”حاشر! تم چل رہے ہو میرے ساتھ یا میں اکیلی جاؤں۔“ وہ اس کے نزدیک آ کر پوچھ رہی تھی۔

”اوہ کے جاؤ بائے۔“ وہ کشن منہ پر سے ہٹاتے ہوئے خوش ہو کر بولا۔

”سوچ لو۔“ اب ایمان دھمکی دینے لگی۔

”سوچ لیا ڈیر!“

”تو ٹھیک ہے میں واپسی میں اپنی ماما کی طرف چلی جاؤں گی اور پورے ہفتے بعد واپس آؤں گی بائے اب تم آرام سے سونا یہاں کوئی ٹھک کرنے نہیں آئے گا تمہیں۔“ وہ یہ کہہ کر تیزی سے باہر جانے لگی۔

”ایک ہفتے کے لئے گھر۔۔۔۔۔ اوہ تو۔“ وہ گھبرا کر بولا اور کشن پھینک کر جلدی سے اٹھا۔

”ارے ایمان سنو تو کسی یارا حاشر نے اسے پکارا مگر وہ اس کی آواز پر دھیان دینے بغیر باہر نکل گئی تو وہ اٹھ کر اس کے پیچھے دوڑا۔

”یار! میں تو مذاق کر رہا تھا تم تو سنجیدہ ہو گئیں چل تو رہا ہوں نا میں شاپنگ پر تمہارے ساتھ۔“ وہ ایمان کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو وہ اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

”نہیں تم آرام کرو کافی تھکے ہوئے ہونا۔“ اب وہ غرے دکھانے لگی۔

”ارے جھکن تو تمہیں دیکھ کر اتر گئی جانم!“ وہ رومانٹک ہوا۔

”نہیں میں اکیلے ہی چلی جاؤں گی۔“ وہ جھینپ کر بولی۔

”چلتے ہیں تم بیٹھو گاڑی میں۔“ وہ چابی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولا۔

”مجھے ماما کی طرف جانا ہے۔“ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”اوہ کے پہلے ان کی طرف چلتے ہیں پھر شاپنگ۔“ وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

”نہیں پہلے شاپنگ بعد میں ماما کے گھر میں وہاں کچھ دن ٹھہروں گی۔“ ایمان نے اچانک ہی پروگرام بنالیا تھا

میکے جانے کا۔

”اب چل تو رہا ہوں تمہارے ساتھ شاپنگ پر اب غصہ مت کرو اور یہ تم مجھے آٹنی کی طرف جانے کی دھمکی مت دیا کرو ایمان! میرا دل اتنا سا ہے اگر وہڑکنا بھول گیا تو۔۔۔۔۔“ حاشر جذباتی سا ہو گیا۔

رداڈا انجسٹ 184 اگست 2016ء

”آئندہ ایسا کبھی نہ کہنا تمہارا دل اس وقت تک دھڑکتا رہے گا جب تک میرا دل دھڑکتا رہے گا تم دل اور میں دھڑکن ہوں۔“ ایمان نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ چومتے ہوئے ہنس دیا۔

”اتنی محبت ہے تمہیں مجھ سے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”بے انتہا لیکن آئندہ یہ بات دوبارہ مت کہنا مجھ سے۔“ اس نے اقرار کیا اور ساتھ ہی وارن بھی کیا۔

”ایمان یار! تم مجھے آٹنی کے گھر جانے کی دھمکی دے کر ہر وقت ڈراتی رہتی ہو میں نے ذرا سا مذاق کیا کر لیا تم ڈر گئیں۔“ وہ ہنس رہا تھا۔

”آئندہ ایسا مذاق دوبارہ مت کرنا۔“ وہ جھللائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”ورنہ کیا؟“ اس نے ایمان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”اگر میں تم سے ناراض ہو گئی تو تم مجھے مناتے مناتے تھک جاؤ گے مگر میں تم سے بات نہیں کروں گی۔“ ایمان نے اسے دھمکی دی۔

”میرا بھی وعدہ رہا تم سے جانم! میں ہر صورت تم کو منا ہی لوں گا۔“ وہ اس کی پلکوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو کو اپنی پوروں پر لیتے ہوئے بولا۔

”دیکھو! میری انگلی پر ٹھہرا ہوا تمہارا آنسو کتنا اچھا لگ رہا ہے۔“

”ہوں۔“ وہ انگلی پر چمکتے ہوئے آنسو کو دیکھنے لگی۔

”معلوم ہے یہ اس وقت مجھ سے کچھ کہہ رہا ہے۔“ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیا؟“

”یہی کہ تم مجھ سے کبھی ناراض ہو ہی نہیں سکتیں۔“ حاشر کے لہجے میں یقین تھا۔

”ہاں یہ تو ہے تم ہو ہی اتنے اچھے کہ تم سے ذرا سی دیر بھی میں ناراض نہیں رہ سکتی۔“ ایمان نے اقرار کیا تو وہ ہنس دیا حاشر نے ایمان کو ڈمیر ساری شاپنگ کروادی واپسی پر وہ کافی خوش تھی۔

”یہ تو صرف رمضان کی شاپنگ کی ہے حاشر! عید کی ابھی باقی رہتی ہے اور تم نے مجھے یا وہی نہیں دلایا میں آنے والے بے بی کے لئے تو کچھ لے ہی نہیں سکتی۔“ وہ گھر آ کر بولی۔

”اس کی شاپنگ تم اس کی دادی اور پھپھو کے ساتھ جا کر کرنا۔“ وہ مشورہ دینے لگا۔

”ہاں ماما کے ساتھ چلی جاؤں گی مگر میں پوری مارکیٹ کا سروے کرنے کے بعد شاپنگ شروع کرتی ہوں ماما تھک جائیں گی میرے ساتھ جا کر۔“ ایمان نے کہا۔

”وہ بالکل نہیں ٹھیکیں گی بڑی شدت سے انہیں انتظار ہے اپنے پوتے پوتی کا۔“ وہ ہنسا۔

”ٹھیک پھر کل ایک ٹرپ ماما کے ساتھ ہو جائے گا مارکیٹ کا تم مجھے اپنا کریڈٹ کارڈ دے دینا شاپنگ میں آسانی رہے گی۔“ ایمان نے اگلے دن کا بھی پروگرام بنالیا۔

”آج کا خرچہ کافی ہے روز روز شاپنگ پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ حاشر نے کہا اور اٹھ کر ٹی وی آن کر لیا تو وہ منہ بنانے لگی۔

”بے انتہا کنجوس ہو تم۔“ وہ غصے سے بولی مگر حاشر نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بڑی محبت سے ٹی وی دیکھ رہا تھا وہ آمنہ کے روم میں آ گئی انہیں دکھانے لگی کہ اس نے کیا کچھ لیا ہے۔

”مما! معلوم ہے آپ کے بیٹے بے انتہا کنجوس ہیں اتنی ضد کر کے میں نے یہ سب شاپنگ کی ہے اور دیکھیں نا

رداڈا انجسٹ 185 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ابھی تو بے بی کی شاپنگ بھی نہیں کروائی ہے انہوں نے مجھے۔ وہ شکایت کر رہی تھی۔
”میں کروادوں گی فکر کیوں کرتی ہو۔“ وہ بولیں تو وہ خوش ہو کر ان کے گلے لگ گئی۔
”آپ بہت اچھی ہیں ممّا!“ وہ خوش ہو کر بولی تو وہ ہنس دیں۔

☆.....

رمضان کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا، حاشر اپنے سنے پراجیکٹ کے سلسلے میں خاصا بڑی رہنے لگا تھا، اظہار میں وہ کم ہی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا، اب بھی اس کی وہی روشنی تھی، آفس سے لیٹ باؤٹ اس کی واپسی ہوتی تھی اور آتے ہی سو جاتا، ایمان کی ڈیویری کے دن نزدیک آتے جا رہے تھے۔ ایمان کافی دنوں سے اپنے گھر جانا چاہ رہی تھی مگر حاشر کے پاس بالکل ہاتھ نہیں تھا۔

”حاشر! آفس جاتے وقت تم مجھے می کی طرف پھوڑ دینا۔“ آفس کی تیاری کرتے حاشر سے ایمان نے کہا۔
”مجھے آفس جلدی پہنچتا ہے سوری میں تمہیں ڈراپ نہیں کر سکتا، تم خود ہی چلی جانا اور ہاں شام کو جلدی آ جانا۔“
حاشر کی بات سننے ہی ایمان کا موڈ آف ہو گیا۔

”حاشر! تم آج کل کچھ زیادہ جلدی میں نہیں رہتے آفس جانے کی تم کو جلدی ہوتی ہے، لیکن واپس آنے کی جلدی نہیں ہوتی، پورے رمضان میں صرف ایک دن تم اظہار پر گھر میں تھے ورنہ روزانہ تو تم آفس میں ہی اظہار کرتے ہو، کل رات بھی تم بارہ بجے کے بعد آئے تھے آخر اتنی دیر آفس میں کیا کرتے رہتے ہو تم؟“ وہ ہڑنے لگی۔
”یار! بتایا تو ہے تم کو نیا ٹینڈر ملا ہے اسی پر کام ہو رہا ہے عید سے پہلے کام مکمل کرانا ہے میں نے۔“ وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

”رات کے بارہ بجے تک؟“ ایمان نے اسے ٹیکسی نظروں سے دیکھا۔

”ہاں رات بارہ بجے تک۔“ وہ مسکرایا۔

”اگر تمہیں یقین نہیں تو آفس آ کر دیکھ لینا۔“ ایمان سے بات کرتے ہوئے اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ اس پر خفا ہونے لگا۔

”وہو..... میں لیٹ ہو گیا تمہاری باتوں میں روز اتنا نام ہو جاتا ہے دیکھو 9 بج گئے ہیں اور میں ابھی تک گھر میں ہوں آفس میں سارا اسٹاف آٹھ بجے آ جاتا ہے اور میں روز تمہاری باتوں کی وجہ سے لیٹ ہو جاتا ہوں، یار تم یہ باتیں رات میں نہیں کر سکتی ہو سب باتیں تم نے صبح ہی کرنی ہوتی ہیں مجھے آٹھ بجے آفس پہنچنا تھا لیکن تم صبح کسی نہ کسی بات کو لے کر بحث شروع کر دیتی ہو اور مجھے روز دیر ہو جاتی ہے اب کھڑی کیوں ہو جلدی کرو میری گاڑی کی چابیاں کہاں رکھی ہیں تم نے؟“ وہ چابیاں دیکھنے لگا وہ دروازے سے چابیاں نکالنے لگی۔

”کتنی بار تم سے کہا ہے میری چیزیں سامنے رکھا کرو، معلوم نہیں تم کہاں رکھ دیتی ہو یار! اگر ٹیبل پر چابیاں رکھی ہوں گی تو کیا ہو جائے گا مگر تمہیں تم دراز میں ڈال دیتی ہو ایسا لگتا ہے جیسے چابیاں اگر ٹیبل پر رکھی رہ گئیں تو کہیں چلنا شروع کر دیں گی۔“ وہ اس کے ہاتھ سے چابیاں لیتے ہوئے بولا، حاشر کافی غصے میں تھا۔

”حاشر! تم بہت بدل گئے ہو میری ہر بات پر تمہیں اعتراض ہونے لگا ہے۔“ وہ حاشر کے پیچھے آتے ہوئے ہلکے کرنے لگی تو وہ بھنا کر پلٹا۔

”اوہ گاڈ! اب تم مزید آدھا گھنٹہ اس بحث میں لگا دو گی کہ میں بدل گیا ہوں، تم عورتیں ہوتی ہی شکی مزاج کی مالک ہو، بس بات بات پر میاں پر شک کرنا تم لوگوں کی عادت ہوتی ہے ذرا احساس نہیں تم کو کہ میں کتنا کام کرتا ہوں“

رداذا نجست 186 اگست 2016ء

کتنی محنت کرتا ہوں، سب کس کے لئے تمہارے لئے، لیکن تم نہیں سمجھو گی آج پھر تمہاری وجہ سے لیٹ ہو گیا ہوں میں، نو بجے میٹنگ تھی میری اور ابھی سوانو ہو رہے ہیں میں یہاں گھر میں ہوں تمہاری فضول کی بحث میں الجھ رہا ہوں۔“ وہ غصے سے بولا اپنے کالر درست کرنے لگا۔

”حاشر! پہلے تو تم ایسے نہیں تھے۔“ ایمان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

”مائی کہاں ہے میری کوئی کام تم ٹھیک سے نہیں کر سکتی ہو ایمان!“ وہ واپس پلٹا اور وارڈ روم میں میچنگ مائی دیکھنے لگا۔
”کہاں رکھی ہے مائی؟“ وہ پلٹ کر اس پر غصہ ہوا تو ایمان اپنے لب کاٹتی ہوئی آگے بڑھی اور اسے میچنگ مائی نکال کر دے ہوئے بولی۔

”غصے کو کم کریں گے تو چیزیں خود بخود نظر آ جائیں گی۔“

”شٹ اپ..... ایک تو کام پورا خود کر کے نہیں رکھتیں پھر ادھر سے مشورے دینے شروع کر دیتی ہو۔“ وہ چڑ کر بولا اور مائی لگا کر تیزی سے باہر نکلا، آج اسے ایمان کے آنسوؤں کی بھی پروا نہیں تھی۔

”ماڑی تیز مت چلانا حاشر! خدا حافظ۔“ ایمان اس کے پیچھے آئی تھی مگر وہ سنی ان سنی کرتا ہوا تیزی سے گاڑی نکال چلا گیا۔

”معلوم نہیں کیوں آج کل تم کچھ زیادہ ہی جھنجھلائے ہوئے رہتے ہو ذرا ذرا سی بات پر خفا ہونے لگتے ہو۔“ ایمان نے ٹیبل پر رکھی حاشر کی تصویر سے کہا ایمان روز ہی تھی آ منہ ہاں آ منہ تو وہ رخ موند کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

”کیا ہوا ایمان بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ وہ ایمان کا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

”ٹھیک ہے ممّا!“ وہ پلٹیں جھپکتے ہوئے بولی۔

”تم گئیں نہیں حاشر کے ساتھ؟“

”کہاں؟“ وہ عتاب دماغی سے بولی۔

”تم ہی کہہ رہی تھیں اپنی امی کی طرف جانے کا مجھ سے۔“ وہ اس کی عتاب دماغی پر حیران ہو کر بولیں۔

”انہیں دیر ہو رہی تھی اس لئے پروگرام کینسل کر دیا، پھر کسی دن چلی جاؤں گی۔“ ایمان کا موڈ آف لگ رہا تھا، اس لئے آ منہ نے زیادہ سوال نہیں کیے۔

ایمان کا موڈ کافی آف تھا بے دھیانی میں وہ کام میں مصروف تھی اور ذہن سوچنے میں مصروف تھا، یونہی کام کرتے کرتے اس کا دماغ چکرانے لگا، ذور ٹیل بج رہی تھی جانے کون آیا تھا، وہ جیسے ہی باہر دیکھنے کے لئے نکلنے لگی اسے کمرے کی ہر چیز تیزی سے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی اس نے سہارا لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر اس سے پہلے وہ کسی چیز کا سہارا لے کر خود کو سنبھالتی زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

”ارے عاتشہ تم اس طرح اچانک.....؟“ آ منہ بیٹی کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

”آج ایمان کو چیک اپ کے لئے لے کر جانا ہے حاشر کو فون کیا تھا وہ میٹنگ میں بڑی ہے اس لئے میں خود ہی چلی آئی، کہاں ہے ایمان؟“ عاتشہ پوچھنے لگی۔

”اپنے کمرے میں ہے۔“

”اچھا میں دیکھتی ہوں جا کر۔“ وہ یہ کہتی ہوئی اوپر حاشر کے کمرے میں چلی آئی، کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ حیران رہ گئی ایمان زمین پر بے ہوش پڑی تھی، عاتشہ نے تیزی سے بھاگ کر ایمان کے قریب جا کر اسے دیکھا۔

”ایمان! ایمان آنکھیں کھولو کیا ہوا ہے تمہیں ایمان۔“ وہ پریشانی سے اسے پکار رہی تھی، مگر ایمان کے وجود میں

رداذا نجست 187 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

کوئی جنبش نہیں ہوئی، عائشہ نے نبض دیکھی جو کافی مدد مل رہی تھی۔ آمنہ ایمان کو دیکھ کر گھبرا رہی تھیں۔ عائشہ ایمان کو آمنہ کے ساتھ اسپتال لے کر روانہ ہو گئی۔ اسپتال پہنچ کر عائشہ نے حاشر اور بابا کو فون کیا وہ لوگ اسپتال پہنچے تو ایمان کے آپریشن کی تیاریاں ہو رہی تھیں، عائشہ ڈاکٹر بتول سے بات کر رہی تھی۔

”کیس کافی Complicated ہو گیا ہے ابھی کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا، ماں اور بچے دونوں کی جان کو خطرہ ہے آپ لوگ دعا کریں۔“ ڈاکٹر بتول کی بات سن کر حاشر سکتے میں آ گیا۔

”ابھی صبح تک ایمان بالکل ٹھیک تھی اب اچانک اس کی کنڈیشن کیسے بگڑ گئی۔“ بات حاشر کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ”حاشر! تم پریشان نہیں ہو، اللہ بہتر کرے گا ایمان بے ہوش ہے شاید اس وجہ سے ڈاکٹر بتول نے یہ کہہ دیا ہے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ عائشہ حاشر کی حالت دیکھتے ہوئے بولی وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”وہ بے ہوش کیسے ہوئی؟“ وہ پوچھنے لگا۔ عائشہ نے فون پر حاشر کو نہیں بتایا تھا کہ ایمان گر گئی ہے صرف اتنا کہا تھا ”وہ اسپتال میں ہے تم فوراً آ جاؤ۔“

”اس کا پیر شاید سلب ہو گیا تھا وہ گر گئی تھی اس لئے۔“ عائشہ نے بتایا تو وہ مزید پریشان ہو گیا۔

”کیسے وہ گری کیسے؟“ وہ عائشہ سے پوچھ رہا تھا۔

”معلوم نہیں میں جب گھر پہنچی تو ایمان کمرے میں بے ہوشی کی حالت میں مجھے ملی تھی۔“ عائشہ نے بتایا۔

”ان پیپرز پر سائن کر دیں۔“ نرس نے آ کر فائل عائشہ کو دے دی تو حاشر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”کیس Complicated ہے لیکن ہم کوشش کر رہے ہیں آپ بتائیں اگر کسی ایک کی جان بچانی ہو تو آپ کو کیا چاہیے ماں یا بچہ؟“ ڈاکٹر بتول بڑی تیزی سے حاشر کے نزدیک آ کر پوچھنے لگیں۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں عائشہ! ابھی تو تم کہہ رہی تھیں سب ٹھیک ہے۔“ وہ عائشہ سے مخاطب تھا۔

”حاشر! یہ سب تو فارمیسیئر ہوتی ہیں تم ان پیپرز پر سائن کر دو۔“ عائشہ نے ڈاکٹر بتول کو آنکھیں دکھائیں۔

”آپ فارمیسی کے لئے ہی بتا دیں مسٹر حاشر! آپ کو کچھ چاہیے یا ماں۔“ وہ پھر پوچھنے لگیں۔

”ایمان!“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ڈاکٹر جا چکی تھی حاشر کا دل بڑی طرح دھڑک رہا تھا۔

”دو زعمگیاں ایک بھنور میں پھنس گئی ہیں اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود کو مٹا کر ان دونوں کو بچا لیتا، لیکن انسان بھی کتنا بے بس ہوتا ہے بعض معاملات میں وہ اپنے لئے کچھ نہیں کر پاتا، لیکن ایک ذات ہے جو ان دونوں کو زندگی دے سکتی ہے۔“ حاشر کو ماہیوسی کی دھند میں امید کی روشنی نظر آئی۔

”اے میرے اللہ! میں تجھ سے اپنے لئے کچھ نہیں مانگ رہا، تو اپنے اس ہارکت اور رحمتوں والے مہینے میں میری ایمان کو زندگی بخش دے میرے مولا اور میری ایمان کی خوشی کے لئے ہمارے بچے کو بھی سلامت رکھنا، مجھے اپنی ایمان کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے، مگر ایمان ہمارے بچے کو کھوکھو خوش نہیں رہ سکے گی۔“ حاشر کے دل میں دعائیں تھیں۔

پیپرز پر سائن کرتے ہوئے ہاتھوں میں لرزش محسوس ہو رہی تھی حاشر نے آنسوؤں کے اندر ہوتے ہوئے طوفان کو بڑی ہمت کے ساتھ پیچھے دھکیلا۔ خدا کے حضور مسلسل ایمان کی زندگی کے لئے دعائیں مانگ رہا تھا۔ حاشر نے آپریشن تھیمٹر کے دروازے پر لگے شیشے کے پار ایمان کو دیکھنے کی کوشش کی جو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی تھی وہ ایک نظر بھی اسے دیکھ نہیں سکا تھا۔

”اگر ایمان کو کچھ ہو گیا تو.....“ ایک خدشے نے سر اُبھارا تو وہ بے چین ہوا تھا۔

”نہیں، نہیں۔“ وہ نہیں نہیں کی گردان کرنے لگا۔

رداؤ انجسٹ 188 اگست 2016ء

”نہیں، نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا، وہ زعمہ رہے گی جب میں دل اور وہ دھڑکن ہے تو دل سے دھڑکن کیسے جدا ہو سکتی ہے اس کو کچھ نہیں ہوگا۔“ اس کے دل نے کہا مگر حاشر کو قرار نہیں آ رہا تھا۔ وقت لگ رہا تھا جیسے تھم گیا ہو کھڑکی کی سوئی کی ٹنگ ٹنگ دماغ میں پھیل جا رہی تھی آنکھیں O.T پر مرکوز تھیں، کان ہر آہٹ پر چونک اُٹھتے، آمنہ مسلسل سانس بڑھنے میں مصروف تھیں، عائشہ مسلسل ٹہل ٹہل کر دعائیں کر رہی تھی پریشانی کے عالم میں وہ لوگ ایمان کے گھر والوں کو فون کرتا ہی بھول گئے یا سرائے سب کو سلی دے رہے تھے۔

”مجھے امید ہے ایمان بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔“ حاشر کی حالت دیکھ کر انہیں کافی پریشانی ہو رہی تھی وہ ایمان کو کھودینے کے خیال سے ہی دیوانہ سا ہو گیا تھا۔

ذہن کے پردے پر ایمان کا مسکراتا چہرہ گزرے وقت کی تصویریں بتا رہا تھا، کہیں وہ ہنس رہی تھی تو کہیں شر رہی تھی تو کبھی کسی بات پر خفا ہو کر منہ پھلا رہی تھی۔ O.T کا دروازہ کھلا تو ان لوگوں کی سانس ختم گئی۔

”بیٹا ہوا ہے۔“ سسٹر نے آ کر اطلاع دی تھی مگر حاشر نے اس کی بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

”ایمان.....“ حاشر کے لب پہ لگا آواز نے ساتھ نہیں دیا وہ نرس سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکا سسٹر فوراً ہی چلی گئی تھی۔ وہ وہیں O.T کے دروازے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، جانے کیا خیال آیا تھا اس کے ذہن میں کدوہ زور زور سے گئی

میں ہر بلا نے لگا، ان لوگوں کو حاشر کی حالت مزید پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی وہ اسے تسلیاں دے رہے تھے مگر وہ تھا کہ کچھ سننے کو آمادہ ہی نہیں تھا۔ سسٹر کے جانے کے آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر بتول باہر آئیں تو وہ بڑی بے قراری سے اُٹھا۔

”ایمان کیسی ہے اب؟“ وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ سوال کر رہا تھا۔

”آپ کی مسز.....“

”کیا ہوا ہے ایمان کو.....؟“ وہ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی بول پڑا۔

”ٹھیک ہیں مگر ابھی دس گھنٹے Observation میں رہیں گی۔“ وہ مسکرائیں۔

”جھینکس گاڈ!“ پرسکون سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی وہ گھٹنوں کے بل وہیں بیٹھ کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گیا، عائشہ آمنہ اور یاسر نے بھی خدا کا شکر ادا کیا، مسجد سے مغرب کی اذانوں کی آواز آ رہی تھی اس کی ساری دعائیں قبول ہو گئیں تھیں۔

”کیا میں مل سکتا ہوں ایمان سے؟“ وہ عائشہ سے بات کرتی ڈاکٹر بتول سے پوچھ رہا تھا، اس کی آنکھیں نم تھیں خوشی کے آنسو اس کی آنکھوں کو نم کر گئے تھے ایمان کو ایک بار پھر اس نے کھو کر پالیا تھا۔

”ابھی نہیں کچھ دیر میں انیس I.C.U میں شفٹ کر دیں گے پھر مل لیجئے گا۔“ انہوں نے منع کر دیا۔

”کتنا فاصلہ ہو گیا ہے ہمارے درمیان، ایک جگہ ہوتے ہوئے بھی میں ایمان کو دیکھ نہیں سکتا اس سے بات نہیں کر سکتا۔“ وہ سوچنے لگا۔

”حاشر! روزہ تو اظہار کر لو کیا سوچ رہے ہو؟“ عائشہ نے کجور حاشر کی جانب بڑھائی تو وہ چونکا۔

”خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے رحمتوں کے مہینے میں مجھ پر کرم کر دیا۔“ وہ اس کے ہاتھ سے گھور لیتے ہوئے بولا۔ روزہ اظہار کرنے کے بعد عائشہ نے Prescription حاشر کو دیا۔

”حاشر! یہ میڈیسن لے آؤ جا کر۔“

”اوکے۔“ وہ ہر بلا تا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اب حاشر کو ایمان کو دیکھنے کی جلدی تھی وہ بے چینی سے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

رداؤ انجسٹ 189 اگست 2016ء

”عائشہ کو معلوم ہوگا۔“ حاشر نے سوچا ایمان اس کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر الجھ گئی۔
 ”تم آرام کرو میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ ہاتھ چھڑا کر تیزی سے باہر نکل گیا ایمان کا دل دھڑکنے لگا۔
 ”حاشر! اس طرح کیوں چلے گئے میرا بچہ.....؟“ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔
 ”عائشہ! تم ذرا ایمان کے پاس جا کر بیٹھو۔“ حاشر نے دھواں دھواں ہوتے چہرے کے ساتھ کہا۔
 ”کیا ہوا ایمان ٹھیک تو ہے ناں؟“ عائشہ پریشان ہو کر اندر دوڑی اس کے پیچھے آتا ہوا باہر سے مگر آتا
 واپس آ کر اس سے پوچھنے لگیں۔

”کیا ہوا بیٹا؟“ آئندہ نے اس سے پوچھا۔
 ”کچھ نہیں ماما! وہ پریشان سا تھا آئندہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا ہوا ہے وہ کیوں پریشان ہے۔
 ”میں خود جا کر دیکھتی ہوں اندر۔“ وہ اندر آئیں تو ایمان رو رہی تھی۔
 ”کیا ہوا ایمان! رو کیوں رہی ہو طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ عائشہ پوچھ رہی تھی۔
 ”میرا بچہ.....“ اب اس نے زور و شور سے رونا شروع کر دیا تھا۔
 ”ٹھیک ہے۔“ عائشہ نے کہا۔

”جھوٹ مت بولیں وہ یہاں نہیں ہے۔“ وہ خالی پالنے کو دیکھ کر بولی۔
 ”ایڈیٹ! اسے زسری میں رکھا ہوا ہے انکیو بیٹر میں صبح تمہارے پاس ہوگا پرسوں عید تم دونوں اپنے بیٹے کے
 ساتھ منانا۔“ عائشہ نے کہا۔

”مگر حاشر نے تو مجھ سے یہ نہیں کہا۔“ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔
 ”وہ تمہارے گھر فون کرنے گیا ہے ابھی آئے تو پوچھ لینا۔“
 ”ممانہیں ہیں یہاں میری۔“ اب وہ مزید پریشان ہوئی۔

”ممانہیں تمہاری کنڈیشن کافی سیریس تھی اس لئے اس وقت خیال ہی نہیں رہا“ حاشر نے کہا جب تمہیں ہوش آ
 جائے گا تو انہیں فون کر دے گا وہ لوگ بھی پریشان ہوتے روزے میں اس لئے اب انہیں فون کرنے گیا ہے بس
 ابھی آ جائیں گے وہ بھی اور میں تو سنی نا تمہارے پاس میں بھی تو تمہاری ماں ہوں بیٹا۔“ آئندہ اس کے سر ہانے بیٹھے
 ہوئے پیار سے بولیں۔

”میرا بچہ ٹھیک ہے نامما؟“ وہ ان کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولی تو انہوں نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔
 ”ہاں بالکل ٹھیک ہے صبح دیکھ لینا اسے۔“ آئندہ نے کہا تو وہ مطمئن ہو گئی۔
 ”میری بات کا یقین نہیں تھا تمہیں؟“ عائشہ نے برا ماننے کی ایکٹنگ کی تو وہ مسکرا دی۔

”سرا! آپ بہت محبت کرتے ہیں اپنی سسر سے“ جب ہی تو ایک بار بھی آپ نے اپنے بچے کو نہیں دیکھا۔“ سسر
 نے پریشان سے کھڑے حاشر سے کہا تو وہ چونکا اب وہ سسر کو حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دیکھ رہا
 تھا یہ وہی سسر تھی جس نے بیٹا ہونے کی اطلاع دی تھی۔

”آئیے! میں آپ کو آپ کا بیٹا دکھاتی ہوں۔“ وہ بڑی خوشی کے ساتھ اپنے جگر گوشے کو دیکھنے سسر کے ساتھ
 بچوں کی زسری میں آ گیا وہاں پر کئی بچے شیشے کے انکیو بیٹرز میں سو رہے تھے۔
 ”یہ آپ کا بیٹا ہے۔“ ایک انکیو بیٹر میں سوئے بچے کی طرف سسر نے اشارہ کیا بچہ سو رہا تھا کئی ٹیو بڑ اس کے
 ہاتھ اور پیروں میں لگی ہوئی تھیں۔

ردا ڈائجسٹ [192] اگست 2016ء

”میرے پروردگار! تو نے مجھ پر کتنی مہربانی کی ہے میں تیرا جتنا شکر ادا کروں کم ہے رب کائنات تو بڑا کارساز
 ہے ہر چیز پر قادر ہے تیری بارگاہ میں میری ساری دعائیں قبول ہو گئیں تو نے میری ساری خوشیاں مجھے لوٹا دیں شکر
 ہے تیرا میرے مالک۔“ اسے دوسری خوشی ملی تو وہ خوش خوش وہاں سے لوٹا۔
 ”ایمان کی والدہ کو فون کر دیا تم نے؟“ حاشر کو زسری کے دروازے پر ہی عائشہ نے آ لیا۔
 ”نہیں یا وہی نہیں رہا ابھی کرتا ہوں۔“ وہ موبائل نکال کر نمبر ملائے لگا۔
 ”رہنے دو میں نے کر دیا ہے فون تم جاؤ ایمان بلا رہی ہے تمہیں۔“ عائشہ نے کہا تو وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

☆.....
 اگلی صبح بڑی روشن تھی ایمان کے ساتھ بچے کو بھی روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا ایمان اپنے بیٹے میں مگن تھی۔
 ”اوڈیر! میں بھی ہوں یہاں اگر ایک نظر مجھ کو بھی دیکھ لوگی تو عتابت ہوگی۔“
 ”تم کو تو میں روز دیکھتی ہوں ابھی اپنے بیٹے کو تو دیکھ لوں اسے تو میں نے آج ہی دیکھا ہے کل ساری رات
 انتظار کرتی رہی ہوں اس کا۔“ وہ مسکرائی۔

”اگر تم سارا وقت اپنے بیٹے کو ہی دیکھتی رہیں تو میرا کیا ہوگا؟“
 ”بھئی ایک لمحے کو دیکھ لیا کروں گی تمہیں اگر نا تم ملا تو.....“ وہ اتر آئی۔
 ”او کے جاؤ میں نہیں بولتا تم سے۔“ وہ ناراض ہوا۔
 ”او کے تو نہ بولیں ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے میں آپ سے ناراض ہوں۔“
 ”ناراض.....“ وہ حیران ہوا۔ ”مجھ سے؟“ وہ انگوٹھے سے اپنی جانب اشارہ کر کے پوچھنے لگا۔
 ”ہاں آپ سے۔“

”وجہ۔“
 ”کل صبح غصہ جو کیا تھا مجھ پر اس لئے۔“ اس نے ناراضی کی وجہ بتائی۔
 ”اوہ..... سوری کل کے لئے۔“ وہ شرمندہ ہوا۔
 ”آج آپ گئے نہیں آفس کتنا نقصان ہو رہا ہوگا جائیں بھی کام رک جائے گا آپ کے بغیر آفس کا۔“ وہ
 غفل سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

”ممانہیں ر کے گا اور کام تم سے زیادہ اہم تو نہیں ہے۔“
 ”اچھا..... کل تک تو تھا۔“
 ”پار! سوری بول تو رہا ہوں تم صبح جانے کی بات کر رہیں تھیں اس لئے غصہ آ گیا تھا سوری۔“ وہ شرمندہ سا تھا۔
 ”ممانہیں پہلے وعدہ کرو آئندہ مجھ سے لڑائی نہیں کرو گے۔“ ایمان نے وعدہ لینا چاہا۔
 ”او کے پر اس آئندہ میں تم سے نہیں لڑوں گا مگر تم بھی ایک وعدہ کرو مجھ سے۔“ حاشر نے اس کی بات مانتے
 ہوئے خود بھی عندیہ لینا چاہا۔

”ہیلو! وعدہ میں تم سے لے رہی ہوں حاشر۔“
 ”ایک وعدہ میں نے کر لیا ہے اب ایک تم کرو۔“ حاشر نے ہاتھ پھیلا یا وعدہ لینے کے لئے۔
 ”اگر نہ کروں وعدہ تو.....؟“ ایمان نے کہا۔
 ”تو جاؤ پھر میں بھی وعدہ نہیں کرتا روز لڑوں گا تم سے۔“ وہ دھمکی دینے لگا۔

ردا ڈائجسٹ [193] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری حوالہ



WWW.PAKSOCIETY.COM

”تو ٹھیک ہے پھر میں اسپتال سے سنے کو لے کر می کی طرف چلی جاتی ہوں جب تمہاری عقل ٹھکانے آ جائے تو مجھے لینے آ جانا۔ ایمان نے دھمکی دی۔

”ابے دیکھو! میں نے کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ مجھے آنٹی کی طرف جانے کی دھمکی مت دیا کرو اتنا سادہ ہے میرا ڈر جاتا ہے تمہارے جانے کا سن کر۔“ حاشر نے آنکھیں دکھائیں۔

”تو تم لڑنا چھوڑو میں تمہیں یہ دھمکی دیتی چھوڑ دوں گی۔“ ایمان نے شرط رکھی۔

”یار! محبت میں شرطیں نہیں رکھی جاتیں۔“

”میں تو رکھتی ہوں کہو لڑنا بند کرتے ہو یا میں جاؤں می کی طرف؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”تم جاؤ آنٹی کی طرف۔“

”واٹ.....“ حاشر کے کہنے پر ایمان نے پوری آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

”او کے چلی جاؤں گی اب بات مت کرنا میرے ساتھ۔“ وہ خفا ہوئی۔

”میں فوراً ہی اپنا سامان باندھ کر تمہارے پیچھے وہیں رہنے آ جاؤں گا تمہاری ای ٹک آ کر کہیں گی ایمان! تم تھوڑی ہی دیر کے لئے آتی تھیں وہی ٹھیک تھا تم کیا آئیں حاشر بھی آ گیا تم جا کر اپنے گھر میں رہو۔“ حاشر نے کہا۔

”جی نہیں ماما ایسا کبھی نہیں کہیں گی۔“ وہ مسکرائی۔

”او کے تو تم نے مجھے معاف کر دیا یا نہیں؟“

”کیوں بیٹا کیا خیال ہے تمہارے بابا کو معاف کیا جائے یا نہیں؟“ وہ بیٹے سے پوچھنے لگی جو سو رہا تھا بچہ سو تہ میں جانے کس بات پر مسکرایا تو حاشر ہنس دیا۔

”ہاں بھئی جواب مل گیا آخر بیٹا کس کا ہے۔“ حاشر ہنسا تو ایمان بھی اس کا ہاتھ تھام کر مسکرا دی۔

”کل عید ہم اپنے بیٹے کے ساتھ منائیں گے۔“ ایمان نے کہا۔

”اسپتال میں؟“ حاشر بولا۔

”اسپتال میں کیوں گھر میں.....“ ایمان فوراً ہی بولی۔

”اگر چھٹی ملی تو.....“

”دیکھو! میں نے کہہ دیا ہے میں نے گھر جانا ہے تو بس جانا ہے تم جا کر کہو ڈاکٹر بتول سے چھٹی چاہیے مجھے۔“

”ابھی تو تم مجھ سے وعدہ لے رہی تھیں مجھ سے لڑنا مت اب خود لڑ رہی ہو۔“ حاشر حیران ہوا۔

”تو اپنے گھر جانے کو لڑ رہی ہوں۔“ وہ نزوٹھے لہجے میں بولی۔

”کون سے گھر اپنی ماما کے نا؟“ اب حاشر نے مزہ لینا چاہا۔

”میرے گھر یعنی تمہارے گھر کی بات کر رہی ہوں حاشر! پلیز مذاق مت کرو نا۔“

”او کے یار! عید میں تمہارے بغیر کیسے گزار سکتا ہوں عائشہ نے بات کر لی ہے ان سے رات ہم گھر پر ہوں گے۔“ حاشر نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”اور چاند ساتھ میں دیکھیں گے۔“ وہ بولی۔

”چاند دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے ہمارا چاند ہمارے ساتھ ہے نا۔“ حاشر نے بیٹے کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکراتے ہوئے اسے پیار کرنے لگی اس بار عید کی خوشی دوبالا ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

رواٹ انجسٹ 194 اگست 2016ء

ہلکی ہلکی پھوار ہو رہی تھی میں تھکے تھکے قدموں سے چلتی ہوئی جب گھر پہنچی تو حسب معمول اماں نے پلٹ کر پوچھا تھا۔

”کیا ہوا تمہارے انٹرویو کا.....؟“

”اماں! مجھے جاب مل گئی ہے۔“ میں بے یقینی کی سی صورت میں دیکھنے لگی، اماں بھی مصنوعی ہنسی سے ہنس کر اسے مبارکباد دینے لگیں، البتہ ابو بڑی گرم جوشی سے مجھے شاباش دے رہے تھے میری نظر قریب کھڑے ہوئے راجیل پر پڑی، ابو اسے غور سے دیکھ رہے تھے راجیل رخ پھیر کر اندر چلا گیا تو میں نے چیراں ہو کر ماں کو دیکھا جس کے چہرے پر کوئی خوشی نہ تھی البتہ دادی بہت خوش نظر آ رہی تھیں۔

”سچ آپ! کنٹی تنخواہ ہوگی۔“ ماریہ بڑی سنجیدگی سے بولی تھی۔

”یہی کوئی پچیس ہزار۔“ میں نے محسوس کیا کہ نجانے کیوں اماں اور بہنیں خود راجیل سنجیدہ سے ہو گئے البتہ ابو بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔

”اب جاؤ شام کی چائے دیکھو تم سارا دن کام کرتے کرتے مر گئی ہوں مانا کہ تم افسر لگ جاؤ گی تو مجھے کیا گھر کے اخراجات ہیں قرض اوپر سے چڑھ گیا ہے۔“ اماں کسی سوکھی زمین کی طرح چمک رہی تھیں، ان کی باڈی لینکوتن جتنا ہی تھی۔

میں نے گھبرا کر کندھے سے بیگ اتار کر دادی کے پاس رکھا، دادی فرط محبت سے بولیں۔

”پٹا میں دیکھ لیتی ہوں کوئی بات نہیں تم جا کر آرام کر لو۔“ میں نے گھبرا کر ابو دادی اور اماں کی جانب دیکھا تھا، کتنا فرق تھا سب کے رویوں میں، میں یہ بات جانتی تھی مجھے اماں اور ابو نے ایڈوپ کیا ہے لیکن وہ لوگ یہ بات نہیں جانتے تھے کہ میں اپنی حقیقت جانتی ہوں، میں اس گھر کے لئے ایک ضرورت تھی شروع سے لے کر آج تک میری یہی خواہش رہی کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاؤں

لیکن میں ہمیشہ ناکام رہی، کامیابی میرا مقدر نہ بنی، رشتہ آتا تو اماں کا ایسا سلوک ہوتا کہ لوگ پھر واپس نہ آتے، دادی کہتی تھیں کہ یہ جان کر ایسا کرتی ہے کہ لوگ بھاگ جائیں، تب اماں کہتیں کہ لوگ حقیقت جانتے ہیں اس لئے واپس نہیں آتے، بس اسی جملے نے مجھے اپنی کھوج میں لگا دیا، کہاں کہاں نہ گئی لیکن میری ذات کا سراغ نہ مل سکا اور ہر بار میں بہانہ کرتی آ کر کہ جاب نہیں ملی، لیکن آج ایسا نہیں ہوا حقیقت میں میں نے ایک پاکستانی براڈ کسٹ فرم میں اپلائی کیا اور مجھے جاب مل گئی، میں خود بھی سب لوگوں کی طرح حیرت زدہ تھی، زندگی نے مجھے ایک نئے دور سے روشناس کر دیا تھا، اب ابو کی دوا، دادی کی فزیو تھراپی، گھر کے اخراجات، میری ذمہ داری بنتے چلے گئے، راجیل کچھ نہیں کرتا تھا، سارا دن محلے کے بچوں کے ساتھ آوارہ گردی یا اماں سے پیسے لے کر دوستوں کے ساتھ چائے پینا اس کا محبوب مشغلہ تھا، ابو کی پنشن میں گزارا نہیں ہوتا تھا، محلے کی دکان سے اماں ادھار سامان منگوا لیتیں، جونہی پنشن آتی دکاندار کا قرضہ ادا کر دیا جاتا، اماں دکاندار کا قرضہ دیتے وقت یہی کہتیں بس اس بار دے رہے ہیں اگلی بار راجیل کو جاب مل جائے گی۔

”یہ ٹھٹھو ہے بھی جاب نہیں کرے گا۔“ ابو اس کے دیر تک سونے پر ناراضی کا اظہار کرتے لیکن راجیل کی وہی روٹین ہوتی رات گئے دیر سے آتا اور صبح دوڑھائی، بجے تک سو کر اٹھتا، دادی صدمہ قے داری رہتیں ان کا اکلوتا پوتا جو تھا۔

”اب اس پنشن میں گزارا نہیں ہوتا ہر ایرے غیرے کو گھر میں ڈال رکھا ہے۔“ اماں کا اشارہ میری طرف ہوتا، پھر میں بہانہ کر کے گھر سے نکل جاتی کہ میں جاب کی تلاش میں جا رہی ہوں، تھکی ہارنی جب لوٹ کر آتی تو راجیل میری شکل دیکھ کر منہ چڑھاتا اور اس کے چہرے پر ہنسی پھیل جاتی، لیکن آج ایسا

نہیں ہوا تھا، جاب ملنے کی خوشی کی خبر سن کر وہ اندر چلا گیا اور میں بچن میں آ کر چائے بنانے لگی تھی، جب میں چائے کے کپ ٹرے میں رکھے ہوئے باہر آئی تو ابو لفافوں سے جلیبیاں پلیٹ میں ڈال رہے تھے، سبھی لوگ بے حد مصروف تھے مگر یوں جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو، مفلسی نے وقت سے پہلے میرے ابا کو بوڑھا کر دیا تھا، راجیل نے گھر کی ذمہ داری سے رخ پھیر لیا پھر اچانک گھر کے حالات بدل گئے، میری سیلری کے دن اماں بار بار ہدایت کرتیں۔

”دیکھو جو پر یہ! چیک کو سنبھال کر رکھنا بیگ میں کوئی لپیر اگر بیگ لے گیا تو چیک بھی چلا جائے گا۔“ یوں زندگی کا سفر گزرنے لگا دادی کو میری شادی کی فکر تھی اور جونہی کسی رشتے کی خبر ہوتی تو اماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگتیں اور راجیل بار بار بانیک اٹھائے چکر کاٹ رہا ہوتا۔

☆☆☆☆

”اماں دیکھیں سونے کی جڑیا ہے آپ دادی کی باتوں میں نہ آنا۔“ راجیل کہتا۔

”میں کیا کروں ہر آنے جانے والے کے سامنے ای 25 ہزار تنخواہ کا ذکر لے کر بیٹھ جاتی ہیں لوگ ایک نظر میں ہی گر جاتے ہیں۔“

”اماں! آپ فکر نہ کریں آپ یہ کام کریں کہ لڑکے کو بھی ساتھ بلا لیا کریں اور خوب خاطر داری کریں۔“

”لو بھلا باقی کیا بچا لڑکا بھی دیکھ لے گا تو وہ تو پیچھے ہی لگ جائے گا کون چھوڑتا ہے۔“

”آپ فکر نہ کریں سب مجھ پر چھوڑ دیں بس یہ نسخہ آزما کر دیکھ لیں باقی مجھ پر چھوڑ دیں۔“ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا بڑوں نے کوئی اچھا رشتہ بتایا تو اماں نے ایک ہی سانس میں ان کو کہہ ڈالا۔

”بہن لڑکے کو بھی ساتھ لے آنا ایک ہی بار میں فیصلہ ہو جائے گا۔“ اماں بولیں۔

رداؤ: مجسٹ 197

”آپ کو برا نہیں لگے گا.....؟“

”نہیں، بھئی برا کیوں لگے گا لڑکی بھی تو دیکھے کہ لڑکا کیسا ہے پھر بات آگے بڑھے گی اور میں گھر سے کہیں نکلتی نہیں ہوں۔“

”چلیں ٹھیک ہے ہم نے آئیں گے لڑکے کو۔“

اماں نے شام کے اہتمام کے لئے راجیل سے ناشتے کا سامان منگوا لیا تھا، راجیل صبح سے گنگنائے جا رہا تھا اور ہنس ہنس کر مجھے دیکھے جا رہا تھا، میں شرما کر کمرے کے اندر بیٹھ گئی وہ لوگ شام میں آئے بڑے مناسب اور لڑکا بھی ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ اس بار میری بات بن جائے گی جب وہ لوگ جانے لگے تو راجیل اٹھ کر ان کے ساتھ باہر تک گیا تھا، اللہ جانے کیا بات ہوئی راجیل چپ چپ اندر آیا تھا، اماں نے اشارے سے پوچھا، میں دروازے سے لگی سن رہی تھی، راجیل ابا سے بول رہا تھا۔

”ابا میں ان کے ساتھ اسٹاپ ٹیک گیا تھا لڑکا بالکل اچھا نہیں ہے اتنی میری بے عزتی کر کے گیا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔“ راجیل کہہ رہا تھا ابا کھڑے تھے دھڑ سے بیٹھ گئے میں پردہ چھوڑ کر کیپوٹر پر آ کر بیٹھ گئی تمام رات عجیب سی ٹھن ہوتی رہی اپنی انسلٹ محسوس کر کے میں رات بھر روتی رہی، رات گزر گئی صبح جب میں آفس کے لئے جا رہی تھی اماں میرے لئے چائے لے کر آئی تھیں۔

”ارے وہ لوگ ہمیں خود پسند نہیں آئے وہ کیا انکار کریں گے ہم خود کر دیں گے تم کچھ مت سوچنا وہ بہت لفنگا انسان تھا، راجیل کو بہت ذلیل کر کے گیا تھا ارے بھی نہیں کرنی نہ کرو کوئی زبردستی تھوڑی ہے۔“

”اماں! مجھے دیر ہو رہی ہے چھوڑیں اس بات کو۔“ میں یہ کہہ کر باہر نکل آئی اپنی بے عزتی پر پھر ایک بار آنسو نکل آئے۔

میں آفس جا کر سب کچھ بھول گئی مگر دوسری

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرف سے سدرہ آئی اور پوچھنے لگی۔

”ارے جویریہ کل تو تمہارا رشتہ آنے والا تھا کیا ہوا.....؟“ یہ میری بہت بڑی غلطی تھی کہ میں نے وقت سے پہلے بات کر دی۔

”سدرہ! مجھے دکھ اس بات کا نہیں کہ وہ لوگ انکار کر گئے مگر کیا اتنے گھٹیا لوگ بھی ہوتے ہیں جو میرے بھائی کو شرمندہ کر کے گئے ہیں۔“

”چھوڑو یار! دکھ مت کر لڑکے والے خود کو پتہ نہیں کیا سمجھتے ہیں۔“ سدرہ مجھے تسلی دیتی رہی اور میں اندر سے بہت زیادہ دھکی گئی کہ میری وجہ سے میرے بھائی کو شرمندگی اٹھانی پڑی وادی کو بس میری شادی کی فکر تھی مرنے سے پہلے وہ میرا گھر آباد دیکھنا چاہتی تھیں ہر مہینے کسی نہ کسی رشتے دالی کے ذریعے ڈھونڈ کر کوئی نیا امیدوار بلا لیتیں اماں خاطر میں کرتیں اور جواب بھی نہ آیا میں بہت ڈس ہارٹ ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆

سدرہ میری دل جوئی کرتی وہ میری میسٹ فرینڈ تھی پھر سدرہ نے ایک رشتہ بھیجا منع کرنے کے باوجود وہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے حسب معمول پھر کوئی جواب نہ آیا میں آفس گئی تو سدرہ لیو پر تھی جب وہ واپس آئی تو پہلی ہی ملاقات میں اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

”کیا ہوا جویریہ! وہ لوگ بہت شریف تھے اور تم تو انہیں بے حد پسند آئیں تمہیں کوئی ایسا کرتا ہے جو تمہارے بھائی نے کیا ان کے ساتھ۔“ میں نے حیران ہو کر کولڈ ڈرنک کا ایک سب لیا اور وہیں بیٹھی کی پیٹھی رہ گئی لہجہ ٹائم تھا اور لوگ ارد گرد بیٹھے اس لئے میں کچھ نہ کہہ سکی میرے اندر ایک تجسس کی کیفیت تھی کہ ایسا کیا کہہ دیا راجیل نے۔

”آؤ سدرہ چلو کامن روم میں چل کر بات کرتے ہیں۔“

”چھوڑو یار! کیا بات کر دوں تم لوگوں نے اچھا

سلوک نہیں کیا پتہ ہے وہ میزافرست کزن ہے۔“

”خیر تم چھوڑو اس بات کو تم یہ بتاؤ کہ میرے بھائی نے ان لوگوں کو کیا کہا ہے.....؟“

”تمہارے بھائی نے کیا کچھ نہیں کہا۔“

”اچھا.....“ میں حیرت زدہ ہو کر بولی۔ میرا تجسس اور بڑھ گیا تھا۔

”سدرہ پلیز! بتا دو ناں۔“ میں بے تاب ہو رہی تھی راجیل نے فرمایا کہ ہماری بہن معمولی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اسے رشتے کی کمی ہے پینڈ سم اسمارٹ اور بہت ویل آف ٹیمپلی کا بندہ چاہئے اسے آپ تو

بہت معمولی گاڑی میں آئے ہیں بھول جائیے اور دوبارہ پھر اس بات کا ذکر نہ کرنا راجیل نے بہت انسٹ کی تھی ان کی مین اندر سے کھول اٹھی جب میں گھر آئی اماں میری بہت خاطر کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆

پھر کوئی رشتہ آیا تھا وادی صبح سے ماسی کو لگائے ہوئے صفائی کر داتی پھر رہی تھیں وادی کا اپنا خیال تھا کہ گھر اور ہاتھ روم رشتے دالیاں جھانکتی پھرتی ہیں وادی بھی بیٹری طرف سے مایوس تھیں اور ایک جدوجہد جاری تھی کہ میری شادی ہو جائے پھر ایک دن سدرہ نے مجھے بتایا۔

گھر میں بڑی گرم جوشی تھی پھر کوئی رشتہ دالی رشتہ لے کر آرہی تھی لیکن میں اپنی دھن میں جلدی جلدی شاور لے کر لائف بوائے سے بالوں کو دھو کر

کافی فریش محسوس کر رہی تھی بھیننی بھیننی خوشبو میرے بالوں سے آرہی تھی میز پر اماں ناشتہ لگا رہی تھیں اور میں برش کر کے باہر آرہی تھی۔

”ارے تھوڑی دیر کی تو بات ہے رک جاؤ ناں وہ لوگ نکلنے ہی والے ہیں۔“ راجیل نے داچ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا تو میں ہنس پڑی اور بولی۔

”کہہ دینا کہ ہم لوگ ایسے ویسے نہیں ہیں میری بہن تم سے ہرگز شادی نہیں کرے گی تم لوگ بڑے

معمولی لوگ لگ رہے ہو تم ان لوگوں کو اسٹاپ پر چھوڑنے جاؤ تو میری چند برائیاں ضرور بتانا لیکن آج میں روک نہیں سکتی۔“

”تمہیں خوش فہمی ہے کہ میں منتخب ہو جاؤں گی۔“

”سچ آئی جب سے آپ کو یہ بات پتہ چلی ہے میں بہت شرمندہ ہوں میں تو صرف اس لئے یہ سب کرتا کہ آپ اس گھر سے چلی گئیں تو ابا میرے پیچھے پڑ جائیں گے کہ نوکری کر۔“

”ٹھیک ہے پھر بات کریں گے۔“ میں جلدی سے باہر نکل آئی جہاں سدرہ میرا انتظار کر رہی تھی میں اور سدرہ جلدی جلدی جب وہاں پہنچے تو کئی ماڈلز اپنا انٹرویو پورٹ فولیو دے چکی تھیں جب میں اپنی تصاویر دیکھ کر دے چکی تو ایک شخص جو میرے بہت قریب کھڑا تھا۔

”میم آپ مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دیں۔“ میں نے جب سر اٹھا کر دیکھا تو وہ شخص مجھے ہی دیکھ کر جا رہا تھا۔

”سر! کیوں کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔“ میں ان کو پہچان گئی تھی۔

”ہیس آف کورس..... ہمیشہ آپ اپنے بالوں کو چھپا کر کیوں رکھتی ہیں اتنے خوبصورت بال آپ انہیں لپیٹ کر رکھتی ہیں۔“ وہ سحر زدہ سا بولے۔

”سر! اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے میں ہمیشہ لائف بوائے شیمپو استعمال کرتی ہوں اس لئے میرے

بال آپ کو اٹریکٹ کر رہے ہیں۔“

”آپ سہی کہہ رہی ہیں پوری شخصیت کی عکاسی بال ہی کرتے ہیں اور میری تو فیورٹ ہے یہ خوشبو

مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر چلے گئے میں حیران ہو کر سدرہ سے بولی۔

”کیا ہو گیا ہے سر کو سر کچھ عجیب طرح سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میرے بالوں کے بارے میں سوال

کر رہے تھے۔“

”پتہ نہیں۔“ سدرہ بھی ہنسے جا رہی تھی۔

دوسرے دن آفس میں سر یاسر نے مجھے اپنے روم میں بلایا تھا میں ڈرتے ڈرتے گھبرائی ہوئی گئی کہ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔

”پچھیں جویریہ پلیز۔“ سر یاسر مجھے دیکھ کر مسکرائے میں ان کے سامنے بیٹھی ہوئی بار بار اپنے اسکارف کو ٹھیک کر رہی تھی پھر فیس کر سر یاسر بولے۔

”تم نے اتنے حسین بالوں کو چھپا کر رکھا ہے تمہارے خوبصورت بال پوری شخصیت کی عکاسی کر رہے ہیں ڈیوٹو۔“ ان کی چیئر تھوڑی سی گھومی اور تب میں گھبرا کر بولی۔

”سر! اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سارا کمال لائف بوائے شیمپو کا ہے۔“

”آئی نو، آئی نو۔“ سر یاسر مسکرائے۔

”جویریہ! آپ جانتا چاہیں گی کہ میں کیوں آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا آپ کے بالوں کی بھیننی بھیننی مہک نے مجھے اپنے سحر میں لے لیا تھا اور جب میں نے چونک کر دیکھا تو تم تھیں۔“ میں اس وقت بھی بہت نریس تھی سر یاسر ہنسے جا رہے تھے میں بے حد نرس تھی سر یاسر بولے۔

”جویریہ! میں تمہیں پر پوز کرنا چاہتا ہوں۔“

”کس کو سر! لائف بوائے شیمپو کو۔“

”نو جویریہ! میں تمہیں پر پوز کرنا چاہتا ہوں۔“

میں اس وقت بہت بدحواس ہو رہی تھی۔

”جی سر جی سر۔“ کہتی ہوئی میں کمرے سے نکل آئی لیکن ان کی ہنسی میرے کانوں میں گونج رہی تھی اپنی بدحواسی پر مجھے ہنسی آرہی تھی۔

”لائف بوائے شیمپو“ میں نے بے ساختہ شیمپو کا نام لیا تھا۔

”میری چوائس۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائس کو الٹی پی ڈی ایف
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ایڈفرس لنکس
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
نازل اور عمران سیریز کی مکمل رینج

Click on <http://paksociety.com> to Visit Us

<http://fb.com/paksociety>

<http://twitter.com/paksociety1>

<https://plus.google.com/112999726194960503629>

پاک سوسائٹی کو فیس بک پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو ٹویٹر پر جوائن کریں

پاک سوسائٹی کو گوگل پلس پر جوائن کریں

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس

بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-

Dont miss a singal one of your Favourite Paksociety's Update !

- i. Open Paksociety Page.
- ii. Click Liked.
- iii. Select Get Notifications.
- iv. Select See First.

All Done

Like Liked Message

✓ Get Notifications
Add to Interest Lists...

Unlike

IN YOUR NEWS FEED

✓ See First
See new posts at the top of News Feed

Default
See posts as usual

Unfollow

حسّ نہ رو جھٹ و لاف

مجھے وہ دن یاد آرہے ہیں جب میں نے جوانی کی دلیلیں پر قدم رکھا تھا، یہ دن ہی بڑے خوبصورت ہوتے ہیں ہر چیز ہی بڑی پیاری اور دلفریب سی لگنے لگتی ہے۔ مجھے بھی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنا اچھا لگنے لگا تھا اور کسی کا بس بے وجہ ہی انتظار سارے لگا اور پھر ایک دن ہماری کیبل خراب ہوگئی اور کیبل ٹھیک کرنے کے لئے وہ آیا اس کا نام وقاص تھا وہ کیبل آپریٹر تھا اس نے ہمارے دروازے پر دستک دی میں نے دروازہ کھولا تو وہ شائستگی سے بولا۔

”آپ کی کیبل ٹھیک چل رہی ہے۔۔۔۔۔؟“ اف

کچھ کہانیاں ہمیشہ ادھوری رہنے کے لئے ہی لکھی جاتی ہیں۔ جن کا کوئی اینڈ نہیں ہوتا اور یہ کہانیاں ہی دراصل مکمل کہانیاں ہوتی ہیں اگر کہانی کا اینڈ لکھ دیا جائے تو ساری کہانی ختم ہو جاتی ہے اور میری کہانی اس کا کوئی اینڈ کوئی آخر نہیں۔ کہتے ہیں نا کہ عشق نہ پوچھے ذاتاں تو میری کہانی بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے۔ عشق یہ لفظ کتنا خوبصورت ہے نا اور اس لفظ کا انجام۔ بھیا نک بہت ہی بھیا نک ابھی میں بچن کی صفائی کر کے اپنے کمرے میں آئی ہوں اور اب کاغذ قلم کا سہارا لے کر اپنے دکھ اور درد کو رقم کر رہی ہوں



میرے خدا اتنی خوبصورت بھی کسی کی آواز ہو سکتی ہے میں حیران رہ گئی اور پھر سنبھل کر بولی۔

”جی خراب ہے۔“ میں نے جان بوجھ کر جھوٹ بول دیا تاکہ وہ مزید کوئی بات کرے میرے دل میں شدت سے خواہش جاگی کہ وہ بولتا رہے اور میں چپ چاپ اسے سنتی رہوں یہ خواب خواہش بھی کتنی عجیب اور بے قابو سی ہوتی ہیں نا۔

”او کے۔۔۔۔۔ آپ چیک کر لیں پھر بتائیں مجھے اب ٹھیک ہے۔“ نظر ہمیشہ بھی رہے تو سکون لاتی ہے اور جب اٹھ جائے تب بتا ہی۔

”یہ میرا نمبر آپ رکھ لیں جب کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر لیتا۔“ اور پھر وہ چلا گیا اس کا نمبر یا کر میں خوشی سے پاگل ہو رہی تھی پھر میں نے موقع دیکھ کر ایک دن اسے فون کیا اور پھر ہماری دوستی سے محبت چل نکلی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے بے حد ضروری ہو گئے تھے ایک دن اس نے کہا۔

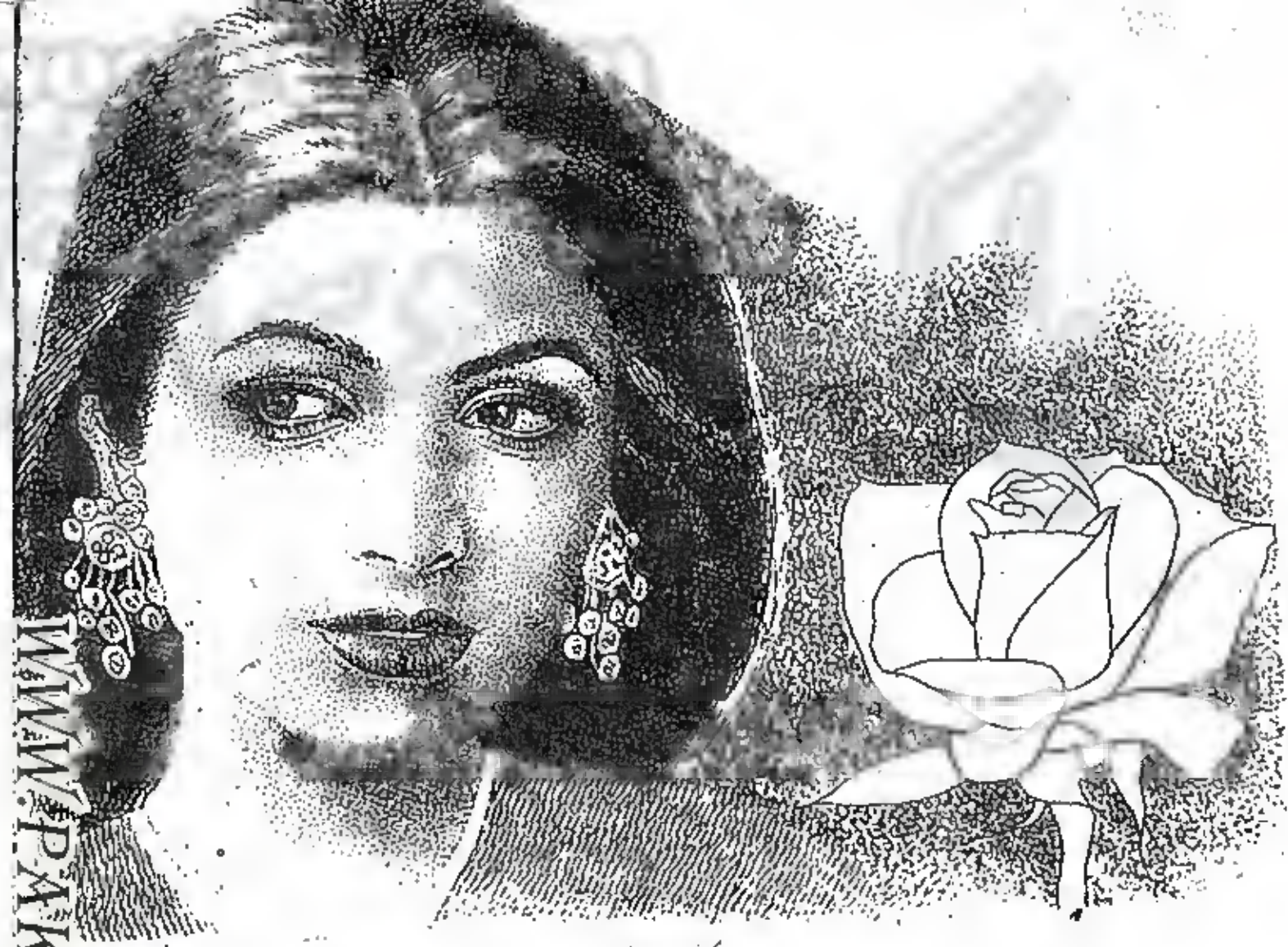
”صابرہ! اپٹ جاؤں تیرے جسم سے روح بن کر جب تجھ سے جدا ہوں تو تیری جان ہی نکل جائے۔“ اسی طرح سے پورے پانچ سال کا عرصہ گزر گیا پھر بلا آخر ایک دن اس نے اپنی امی کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا پردہ نہیں مانتیں ان کا کہنا تھا کہ وہ غیر برادری میں رشتہ نہیں کریں گی پھر وہ اپنی پھپھو کے ساتھ ایک دن میرا رشتہ لے کر آ گیا لیکن یہاں پر بھی میری قسمت نے میرا ساتھ نہ دیا ابونے وقاص کو انکار کر دیا یہ کہہ کر کہ وقاص کا مسلک اوہاں میں تو بتانا بھول گئی کہ وقاص کا مسلک دوسرا تھا جبکہ میں سنی تھی اس دن میں بے حد بے حساب روئی میرے آنسو اور غصہ رکسنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا مجھے آج بھی وہ تمبر کے دن یاد ہیں جب وہ میرا تھا اور میں اس کی وہ دن بھی کیا عجیب تھے جب وہ میرے قریب تھے۔ ابو کے انکار کے بعد میں نے اس سے بات کی اس نے مجھے کہا۔

”میں کیا کر سکتا ہوں نہ تمہارے گھر والے مانتے ہیں نہ ہی میرے گھر والے اب حالات جیسے ہیں ویسے ہی ٹھیک ہیں میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ وقت گزرتا گیا اور پھر ایک دن میرے دل نے کہا۔

”صابرہ! یہ کیسا سفر کر رہی ہو تم جس کی نہ کوئی منزل ہے اور نہ ہی راستہ آخر کب تک میں وقاص سے بات کرتی رہوں گی اور آخر ہمیں ایک دن جدا ہونا ہی ہے آج نہیں تو کل سہی اور پھر جو کل ہوگا وہ کیوں نہ آج ہو جائے۔“ میں نے سوچ کر وقاص کا نمبر بلایا باہر میری منگنی کی رسم کے لئے لوگ جمع ہو رہے تھے اور اندر کمرے میں میں اپنی پہلی محبت کو دفن کر رہی تھی۔ پہلی بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

”آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں غلط ہی میری منزل میرا سفر اور میرے خواب غلط تھے شاید میری شروعات ہی غلط تھی تمہارا اور میرا رشتہ غلط تھا آج میں سوچتی ہوں کہ تم میرے لگتے ہی کیا ہو ایک نامحرم لڑکا ایک نامحرم لڑکی کیسی محبت کیسا عشق یہ تو بڑی ہی مذاق والی بات ہوئی نا اپنی محبت کو مذاق کہنے کو دل میرا بھی رو رہا ہے مگر اس رشتے کو اب ختم ہی تو کرنا ہے نا دیکھو اب میری منگنی ہو رہی ہے اور کچھ ہی دیر میں میں کسی اور کی قرار دے دی جاؤں گی یہ میرا آخری فون ہے اپنا خیال رکھنا اور ہاں مجھے بھول جانا مگر مجھے یہ بات کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے میں جانتی ہوں تم مجھے بھول ہی جاؤ گے آخر کو مرد جو ٹھہرے مرد ہوتے ہی بے وفا ہیں تم بھی تو مرد ہو۔“ میں نے روتے ہوئے فون بند کر دیا اور فون کو دیوار پر دے مارا وہ مجھ سے اکثر کہتا تھا کہ چلو صابرہ بھاگ چلیں اس دنیا سے دور ہم اپنی الگ دنیا بسائیں مگر میں منع کر دیتی تھی کہ جس لڑکی کا ایک قدم رات کی تاریکی میں گھر سے نکلتا ہے تو دوسرا کونٹے پر پڑتا ہے اے کاش ہر لڑکی اس بات کو سمجھ لے۔

☆.....☆.....☆



عائشہ ذوالفقار

سلسلہ وار ناولٹ

اڑ جا رہی قیری باری

اسے دوسرا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ رات کو ہوش آیا۔ ماریہ اور حارث اسے اسپتال لے کر آئے تھے۔
 ”اپنی عمر دیکھو اور کام دیکھو۔“ اسے ہوش میں آنا دیکھ کر حارث بولا۔ ماریہ روتے ہوئے اس کے سر ہانے آئینھی۔
 ”حارث!“ اس نے ہولے سے پکارا۔ ”مجھے اور نہیں لڑنا۔“
 اس کی بات سن کر حارث سن ہو گیا۔
 ”مجھ میں ایک بار اور ہارنے کی سکت نہیں ہے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ حارث اس کے پاس آ کر بیٹھا تھا۔
 ”عمیر نے کچھ کہا ہے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”ٹھیک کہا ہے اس نے، پانچ سال میں تو مار کھا کھا کے جانور بھی سدھر جاتا ہے۔ میں تو پھر انسان ہوں، اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

(آخری قسط)

ہی میں بھی تو ہنسوں گا ناں تم اس سے اپنی زندگی کے بارہ سالوں کا بدلہ نہیں لینا چاہتیں تو بے شک نہ لو لیکن میں اس سے اپنے پیار کی بربادی کا بدلہ لیے بغیر نہیں رہنے والا۔“ حارث نے اس کے گرتے حوصلوں کو سہارا دے کر اسے پھر سے کھڑا کر دیا۔

☆.....☆

وہ اس سے ملنے اکیڈمی نہیں گئی۔ اس کے گھر آئی شمیمہ راؤ اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
”عمیر صاحب! کہاں ہیں؟“ ان کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس نے پوچھ لیا۔ عمیر اس کی آواز سن کر کمرے سے باہر آیا۔ ”میری ماں میں بے شک اس گھر تک آنے کی ہمت نہ ہو لیکن مجھ میں ہے۔“ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے آئی۔

”بڑا شوق ہے ناں آپ کو لڑنے کا تو پھر بہادری کی طرح لڑیں، میری ماں کو دھمکیاں دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ عمیر کو ذرا نہ لگا کراس کے سامنے حائقہ کھڑی ہے۔ اسے لگا اس کے آگے دوسرا عمیر کھڑا ہے۔ اکڑا ہوا، تپا ہوا۔

”جتنی نفرت آپ میری ماں سے کرتے ہیں ناں اس سے زیادہ نفرت میں آپ سے کرتی ہوں۔“ شمیمہ راؤ نے اسے قطعاً نہ روکا، بولنے دیا۔

”کیا خیال ہے آپ کا کہ وہ پرانے والے حالات دوبارہ لوٹ آئیں گے۔ آپ ماما پر ہاتھ اٹھائیں گے اور میں صرف دیکھتی رہوں گی۔ ماما رو میں گی تو میں بھی ساتھ روؤں گی۔ ماما کو تکلیف ہوگی تو میں ہم کے ڈر کے چھب جاؤں گی۔ نہیں سر عمیر راؤ۔ اس بار آپ نے ہاتھ اٹھایا تو اسے میں روکوں گی۔ اب آپ کی وجہ سے میری ماں کو کوئی تکلیف پہنچی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ انگلی اٹھا کر وہ اسے وارن کر گئی تھی۔

☆.....☆

آج پھر شمیمہ راؤ اس سے ملنے آئی تھیں۔ اس کی اندر کو دھنسی آنکھوں اور زردی نائل رنگت دیکھ کر دکھی ہو گئیں۔
”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ وہ انہیں چپ دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

”حائقہ! ایک طرف تم ہو، جسے میں کچھ کہوں تو شاید گناہ گار کہلاؤں اور دوسری طرف میرے وجود کا وہ ٹکڑا ہے جسے رات انجانا کا ایک ہوا ہے۔“ حائقہ تڑپ گئی۔
”عمیر کو؟“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کبھی ہار دیکھی نہیں ہے ناں اس لیے اب برداشت نہیں کر پار ہا۔“ ان کے لہجے میں دکھ تھا۔ حائقہ بول نہ سکی۔
”حائقہ! جس طرح عزت، پیار، شفقت اور محبت جیسے اعمال کا صلہ ضرور ملتا ہے اسی طرح ظلم، جبر، نفرت اور دشمنی جیسے اعمال کا صلہ بھی ضرور ملتا ہے۔ جلد یاد رہے لیکن ملتا ضرور ہے اور بعض اوقات ایسے ملتا ہے کہ وہ انسان توقع نہیں کر سکتا۔ دنیا کی نظروں میں وہ کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن خدا کی نظروں میں وہ بہت کچھ ہوتا ہے۔“ وہ بولتیں چلی گئیں۔

”آج تم سمیت شاید سب یہ ہی سمجھتے ہیں کہ عمیر کو شاید اس کے کیے کی سزا نہیں ملی لیکن میں جانتی ہوں حائقہ کہ اسے کتنی شدید سزا ملی ہے۔ اندر سے ٹوٹ چکا ہے وہ یہ کم ہے کہ آج وہ ایک ایسے بیٹے کا باپ کہلاتا ہے جو اس کا ہے ہی نہیں۔“ حائقہ دم بخود رہ گئی۔ شمیمہ راؤ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
”اپنی مرضی سے شادی نہیں کی تھی اس نے۔ صرف عالیہ کی خاطر کی تھی۔ صنفیہ اس کی نند تھی، گھر سے بھاگ

رداڈا بجسٹ [204] اگست 2016ء

گئی اور جب چند ماہ بعد لوٹی تو Expected تھی۔ گھر والے مرتے کیا نہ کرتے۔ مار پیٹ کے دوبارہ قبول کر لیا۔ تمہیں گئے چار ماہ ہوئے تھے ابھی، عالیہ کے شوہر نے اس پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ عمیر نہ مانا۔ عالیہ کے دو بچے تھے تب، تیسرا ہونے والا تھا۔ اسے پہلی طلاق ہو گئی۔ عمیر کے قدموں میں بیٹھ کر روئی وہ تب کہیں جا کر راضی ہوا۔ صرف اس کا گھر بچانے کے لیے شادی کے بعد کچھ عرصہ کے لیے صنفیہ کو غائب کر دیا اور ارم کی پیدائش کے دو تین سال بعد وہ گزر گئی۔ مجھے اور عمیر کو آج بھی نہیں پتا کہ ارم جائز اولاد ہے بھی یا نہیں۔“ وہ چپ چاپ سستی رہی۔

”نہ سوچو تو شاید یہ سزا کچھ بھی نہیں لیکن اگر سوچو تو شاید اس سے بڑی سزا اور کوئی نہیں۔“ انہوں نے اپنے آنسو صاف کیے۔ حائقہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”جب وہ بادشاہ بنا ہوا تھا تب میں اسے بھی نہیں روک سکی تھی، آج تم ملکہ بنی ہوئی ہو تو میں تمہیں بھی نہیں روک سکتی لیکن یہ بھی سچ ہے کہ تکلیف اسے ہوگی تو مجھے دکھ زیادہ ہوگا۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆.....☆

شاید میں میڈم شمیمہ کے اس ایک رات کے احسان کے بدلے پیچھے ہٹ جاتی لیکن حارث نے مجھے پیچھے نہ آنے دیا۔

”نو حائقہ! مجھے آدھی ادھوری جیت نہیں چاہیے۔ پوری جیت چاہیے، چاہے چند لمحوں کے لیے سہی۔“ اور پھر ماما یہ میرے پیچھے دیوار کی طرح کھڑی ہو گئی۔

”ماما! اتنی جلدی کھیل ختم نہیں کرنا، وہ شخص کم از کم ایک بار تو کہے کہ ہاں میری غلطی ہے، چاہے ہاتھ نہ جوڑے، چاہے ہم لوگوں کے سر پر ہاتھ نہ رکھے لیکن ایک بار جو کچھ کیا ہے اسے غلط تسلیم تو کرے۔“ اور شاید وہ دونوں ہی ٹھیک تھے وقت گزرتا گیا۔ ماما نے ایف ایس کے شاندار سے رزلٹ کے بعد انٹری ٹیسٹ دیا۔ بلڈ کینسر والے آپریشن کو پس پشت ڈال کر میں نے اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن کر دیا۔ ہر سال کی پوزیشنز دی اشار اکیڈمی کے نام ہونے لگیں۔ اچھا وقت بہت جلدی گزرتا ہے۔ میرا بھی بہت جلدی گزرا۔ ماما یہ کے بعد عائشہ اور رمشاد دونوں نے بی ایس ی کیا۔ پھر ایک نے فزکس اور دوسری نے میتھ میں ایم ایس ی میں ایڈمیشن لیا۔ سدرہ کیپیوٹر انجینئرنگ کی طرف نکل گئی۔ ماما یہ کا تھرڈ سمسٹر تھا جب اسامہ نے 9th میں ایڈمیشن لیا۔
”اب اسے ڈاکٹر ضرور بنادیں۔“ عارش نے مسکرائے ہوئے مجھے کہا تھا۔ عمیر ہارتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک آ گئی۔ میرے واپس آنے کے ساتویں سال رائل اکیڈمی میں کل 18 بچے تھے۔

☆.....☆

”عمیر! شمیمہ راؤ کی چوتھی پانچویں آواز پر وہ چونکا۔
”کب سے آوازیں دے رہی ہوں۔ کہاں کم ہو؟“ وہ اس کے سر ہانے بیٹھتے ہوئے بولیں۔
”یہیں ہوں۔ مجھے کہاں کم ہونا ہے۔“ اس نے سران کی گود میں رکھ لیا۔ وہ ہولے ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلانے لگیں۔

”بس کدو عمیر! بہت ہو گیا۔ عمر کا آخری حصہ تو نازل لوگوں کی طرح گزرا لو۔“ وہ بولیں۔
”نازل لوگ کیسے گزارتے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔
”بیوی کے ساتھ، بچوں کے ساتھ، خوش و خرم۔“ وہ بولیں۔

رداڈا بجسٹ [205] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

”کہاں سے لاؤں بیوی؟ کہاں سے لاؤں بچے؟“ انہیں لگا وہ زور پاتا ہے۔

”وی تو بھی اللہ نے، بچے بھی دیئے تھے۔ تم نے خود گنوا دیئے۔“ وہ بولیں۔

”پیار کرتی تھی وہ تم سے، آج بھی جیب میں اس کے سامنے تمہارا نام لیتی ہوں تو نظریں جھکا لیتی ہے۔ اس کی آنکھوں میں نفرت و دور و در تک نہیں ہوتی۔ آج بھی پیار کرتی ہے تم سے۔“ عمیر بولا تو آواز بھیگی ہوئی تھی۔

”پیار کرتی ہے تو بدلہ کیوں لے رہی ہے۔ کیوں ایسے قطرہ قطرہ موت دے رہی ہے مجھے۔“ ثمنینہ راؤ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

”تم نے بھی تو لیا تھا۔ تم نے بھی تو اسے یونہی قطرہ قطرہ موت دی تھی۔ جو تم نے اس کے ساتھ کیا اب وہ تمہارے ساتھ کر رہی ہے، کیا ملا تمہیں عمیر یہ سب کر کے؟ بولو کیا ملا؟“ ثمنینہ راؤ کے الفاظ اس کے لیے نئے نہیں تھے۔ جب اس نے یہی سوال حائقہ سے کیا تھا تب وہ چپ ہو گئی تھی۔ آج وہ خود بھی چپ رہ گیا۔

”کچھ بھی نہیں ایک ذرہ بھی نہیں، اس بارہ سال کی جیت کا کیا فائدہ ہوا عمیر جو چمن بھی گئی۔ آج کیا ہے تمہارے پاس۔ کچھ بھی نہیں۔ نہ بیوی، نہ بچے، کیسے گزارو گے باقی کی لائف۔“ وہ بولتی چلی گئیں۔

”کیا کروں میں؟“ وہ کھل کے رو دیا۔

”بس کرو، خو پر رحم کھاؤ اور ختم کرو سب۔“ وہ بولیں۔ پھر کافی دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے بعد اٹھ گئیں۔ عمیر یونہی لیٹا رہا۔

”تمہیں یوں مناؤں گا کہ پھر دوبارہ ابھر نہیں پاؤ گی۔“ اس کے ذہن کے پردے پر اس کی اپنی آواز لہرائی۔

”کاش تم اتنا اونچا اڑنے کے بعد جہاں گرو وہاں میں کھڑا ہوں۔“ حارث کی آواز آئی وہ ایک دم اٹھ بیٹھا۔

”کل ہی تو آیا تھا حارث اس کی بے بسی دیکھنے اس کی ہار دیکھنے۔“

”ویکھا عمیر! آج تم جہاں گئے ہو وہاں میں کھڑا ہوں۔“ حارث کے الفاظ اسے تیروں کی طرح لگے تھے۔ وہ ہار گیا تھا مگر تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔

”میں کیسے ہار مان لوں؟ کیسے؟“ مایوسی اور شکست کی پانال میں اترتے ہوئے اس نے خواب آور گولیوں کی پوری شیشی حلق میں انڈیل لی۔ صبح جب ثمنینہ راؤ اسے جگانے آئیں تو منہ سمیت اس کا پورا بستر جھاگ سے سفید ہو رہا تھا۔

☆.....☆

پورے دو دن بعد اسے ہوش آیا۔ بقول ڈاکٹر ز کے اس کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر واپس آیا تھا۔ ثمنینہ راؤ سے اس کی کئی کئی انچ اندر کو اتری ہوئی آنکھیں اور پہلی زور و رنگت دیکھنی نہ گئی اس کے گھر آنے کا انتظار کیے بغیر وہ شام کو ہی حائقہ کی طرف چلی آئیں۔

”میں نے تمہیں کہا تھا ناں حائقہ کہ میرے وجود کے ٹکڑے کو دکھ پہنچا تو مجھے تکلیف زیادہ ہو گی۔“ وہ ضبط کے باوجود رو پڑیں۔ حائقہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

”میں کل سے حارث کی اکیڈمی نہیں جاؤں گی۔ اس کے علاوہ آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں تو بتائیں۔“ وہ بولی۔

”اسے تمہارے پڑھانے سے کوئی سروکار نہیں ہے حائقہ۔ اسے تمہاری ذات سے دکھ ہے۔ تمہارا ہونا ہی اس کے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ نا قابل برواشت ہے۔ جب تم نہیں تھیں تو خوش تھا وہ مگر تمہارے آنے کے بعد موت کے منہ میں چلا گیا۔“ حائقہ بول نہ سکی۔

رواڈ انجسٹ [206] اگست 2016ء

”پہلے بھی میں نے ہی تمہیں کہا تھا ناں یہاں سے جانے کے لیے۔ آج بھی میں ہی تمہیں کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے چلی جاؤ، ہمیشہ کے لیے۔ دوبارہ واپس نہ آنے کے لیے پلیز۔“ وہ زار و قطار رو پڑیں۔

”کیونکہ اگر تم یہاں رہیں تو میرا بیٹا اس دنیا میں نہیں رہے گا۔“ اس نے آگے بڑھ کے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ٹھیک ہے، چلی جاؤں گی میں، کوشش کروں گی دوبارہ بھی واپس نہ آؤں۔ کم از کم میری وجہ سے آپ کو یا آپ کے بیٹے کو مزید کوئی دکھ نہ پہنچے۔“ ثمنینہ راؤ مزید کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گئیں۔ شام ہونے تک حائقہ کی طبیعت انتہائی بگڑ گئی۔

☆.....☆

وہ کئی لمحوں کے لیے دم بخود رہ گیا۔ حائقہ سے بھی اسے کسی نارمل رول کی توقع نہیں تھی اور یہ ہی ہوا۔ ماریہ کانون آنے کے بعد جب وہ اسپتال پہنچا تو وہ جارحانہ انداز میں اس پر چڑھ ڈوری۔

”میں نے کہا تھا ناں کہ نہیں لڑنا مجھے۔ کوئی بدلہ نہیں لینا مگر تم نہیں مانے۔ موت کے منہ میں اتار دیا اسے۔“ وہ سارے آپ جناب بھول گئی۔

”اگر بدلہ نہیں لینا تھا تو واپس کیوں آئی تھیں تم۔ جب ایک باریہ شہر چھوڑ ہی دیا تھا تو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیتیں۔ AP بن کے یہاں ہی کیوں آئیں؟“ حارث بولے بغیر نہ رہ سکا۔

”کیونکہ کہیں نہ کہیں تمہارے دل میں بھی بدلہ لینے کی خواہش تھی حائقہ ارشدا! دل سے تم بھی عمیر کو ہرانا چاہتی تھیں۔ اس کے منہ سے ایک بار معافی کا لفظ سنا چاہتی تھیں۔“ حارث بولتا چلا گیا۔

”ہاں چاہتی تھی میں یہ سب۔ بہت خواہش تھی میری کہ عمیر کم از کم ایک بار تو مجھ سے معافی مانگے لیکن اب نہیں ہے، وہ مجھ سے معافی نہیں مانگتا تو بے شک نہ مانگے۔ میری بلا سے کچھ بھی نہ کہے۔ ایک لفظ بھی نہیں۔“

حائقہ کی آواز بلند ہو گئی۔

”لیکن کم از کم میں اس کی موت کا سبب نہیں بنوں گی۔“ حائقہ سے بولنا دو بھر ہو رہا تھا۔ پوری رات وہ خون اگلتی رہی۔ بلڈ کیمر آخری ایجنج پر پہنچ چکا تھا۔ ماریہ اسی رات واپس آ گئی۔ اس کا میڈیکل تقریباً مکمل ہو گیا تھا۔ حائقہ کی حالت دیکھ کر وہ تڑپ گئی، حارث نے بمشکل اسے عمیر کے پاس جانے سے روکا۔ دو دن بعد اس کی فائل رپورٹس آ گئیں۔ بلڈ کیمر نا قابل علاج ہو چکا تھا۔

☆.....☆

کسی کو بتائیے بغیر وہ اس دن اسپتال آ گیا۔ ماریہ اور سدرہ گھر گئی ہوئی تھیں اور چھوٹی دونوں اسکول۔ حائقہ کے پاس صرف اقراء تھی۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اقراء اسے سوپ پلا رہی تھی۔ دونوں ہی اسے پہچان نہ سکیں۔

”کیا بات ہے بیٹے؟“ حائقہ نے ہولے سے پوچھا۔

”آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں میم؟“ وہ بولا تھا۔ حائقہ چونک گئی۔

”پلیز میم! میرے پاپا مجھے واپس کر دیں۔“ اس کی آواز بھر ا گئی۔

”تم ارزم ہوں؟“ اقراء اس کے قریب آتے ہوئے بولی مگر ارزم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

ہولے ہولے چلا ہوا حائقہ کے بستر کے قریب آ گیا۔

”میری ماما بہت پہلے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں تھیں۔ اس کے بعد سے وہی میرے پاپا ہیں اور وہی میری ماما۔ وہ تو پہلے سے ہی بہت ٹوٹے ہوئے ہیں۔ میں نے اکثر انہیں راتوں کو جاگتے دیکھا ہے۔ آپ کی وجہ سے میں

رواڈ انجسٹ [207] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے پہلی بار انہیں روتے دیکھا ہے۔ "ارزوم رو رہا تھا۔
 "بلیز میری ریکورڈنگ ہے آپ سے کہ میرے پاپا پر ترس کھائیں۔ میں ان کے بغیر کیا کروں گا؟" حائقہ
 چپ چاپ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتی اقرار غصے سے اس کے سامنے آئی۔
 "ڈکسن اگر تم اپنے پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتے تو ہم بھی اپنی ماما کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ ہماری ماما بھی ہمارے
 لیے پاپا اور ماما دونوں ہیں۔ تم بھی اپنے پاپا سے کہو ناں کہ ہماری ماما پر ترس کھائیں۔ بس کر دیں اب۔" حائقہ
 اسے روتی رہ گئیں۔

"بڑے مظلوم بن کر آئے ہوناں تم اور تمہارے پاپا جس گھر میں رہتے ہو وہ تمہارا اپنا ہے، ہمارے اور
 ہماری ماما کے پاس تو گھر بھی نہیں ہے۔ تمہارے پاپا بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں لیکن ہماری ماما کو بلڈ کیفر ہے جس کا
 علاج نہیں ہو سکتا تمہارے پاپا اکیلے نہیں ہیں لیکن ہماری ماما اکیلی ہیں۔ تمہارے پاپا ان کی طرح راتوں کو نہیں
 روئے۔ ان کی طرح در بدر نہیں ہوئے انہوں نے ان کی طرح دکھ نہیں اٹھائے۔ آج اگر میری ماما کی وجہ سے
 تمہارے پاپا کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں تو میری ماما بھی صرف تمہارے پاپا کی وجہ سے موت کی چوکھٹ پر
 کھڑی ہیں۔" اقرار کے آنسو بہنا شروع ہو گئے تھے۔

"جاء یہاں سے اور جا کر اپنے پاپا سے پوچھو کہ قصور وار کون ہے؟" اقرار نے اسے باہر کی طرف دھکیلا۔
 دروازے کے قریب جا کر ارزوم رکا۔
 "وہ تمہارے بھی پاپا ہیں۔" کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اقرار دم بخود کھڑی رہ گئی۔ حائقہ یکدم بے ہوش ہوئی تھی۔

☆.....☆
 "مجھے ذرا سا بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر کمزور ہو۔" حارث کی آواز سن کر اس نے یکدم آنکھیں کھو
 لیں۔ وہ ایک لفافہ اس کے سامنے پھینکتے ہوئے خود سائیڈ صوفے پر بیٹھ گیا۔ عمیر نے لفافہ کھولا اندر سے Get
 well soon کا کارڈ نکلا۔ عمیر سسک گیا۔

"کیا کرنے آئے ہو یہاں؟" وہ بھڑک کے بولا۔
 "تم پر ترس کھانے آیا ہوں۔" حارث مسکرایا۔
 "آئی سو تمہارے مرنے سے مجھے کوئی خوشی نہیں ہوتی۔" حارث آگے کو ہو کر بولا۔
 "حائقہ کل سے میری اکڑی نہیں آئے گی۔" عمیر نے ایکدم اسے دیکھا۔
 "مجھ پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" حارث کو ایک دم غصہ آیا۔
 "ری جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ موت تو بڑوں بڑوں کو سدھار دیتی ہے تم نہ جانے کس مٹی کے بنے ہو۔"
 عمیر چپ رہا۔

"اور دوسری بات مجھے تم پر ترس کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں اس پر ترس کھا رہا ہوں جو اس وقت
 اسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہی ہے۔" حارث کی آواز پر وہ چونکا۔
 "تمہاری خاطر مجھ سے لڑی ہے وہ، صاف کہہ دیا ہے اس نے مجھے کہ آئندہ تمہیں کوئی دکھ نہیں دے گی۔
 حارث کھڑا ہو گیا۔

"عمیر! مجھے تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے مگر میرا اصول ہے کہ مجھ کو زبان جہاں کسی کے دل میں تمہیں
 جھکانے کی خواہش نہ ہو اور تمہارے دل سے یہ خواہش بھی نہیں جائے گی۔" وہ کہہ کر چند لمحوں تک کھڑا

رداؤ انجسٹ 208 اگست 2016ء

اسے دیکھتا رہا۔ عمیر نے بڑے ضبط کے ساتھ اپنے آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔ حارث جیسے ہی دروازے
 کے قریب پہنچا آنسو گر پڑے۔ باہر جاتے جاتے حارث مڑنے لگا مگر اس سے پہلے ہی عمیر بولا۔
 "اسے ان چند لمحوں کے بڑے بین کو اب پیچھے مڑ کر گھٹیا پن میں نہ بدلو۔" قح ہو جاؤ۔" مگر حارث کو جو
 دیکھنا تھا وہ عمیر کی آواز سے ہی ظاہر تھا مسکراہٹ دبا تا وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆
 "ماما! جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، اب تو دواؤں کی بو سے الرجک ہونے لگی ہے۔" سدرہ اس کے سر ہانے
 آ کر بیٹھی آج اس کی طبیعت ذرا بہتر تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"بیٹے میری بات سنو۔" اس نے سب کو اپنے پاس بلایا۔
 "اللہ پاک کا یہ بھی کرم بہت ہے کہ میں اتنا عرصہ تم لوگوں کے ساتھ رہ لی۔ اب اگر مزید تمہارا ساتھ نہ
 دے سکی تو رونا نہیں ہے۔" ماریہ نے اسے روکنا چاہا مگر اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔
 "دوسروں پر بھی انحصار نہیں کرنا، دوسرے اس دنیا میں اپنا کام کرنے آئے ہیں۔ ہمارا نہیں ہمیں اپنا ہر کام
 خود کرنا ہوتا ہے۔ جیسے اب تیک زندگی گزار رہی ہے۔ مضبوط بن کر آگے بھی ویسے ہی گزارنا۔" اس کی سانس اکھڑی۔
 "میری بہت خواہش تھی کہ ماریہ کو ڈاکٹر بننے دیکھ سکوں۔ دیکھ لیا۔ سدرہ جیسے ہی فارغ ہو تم اسپتال ٹرینیشن
 کے لیے چلی جانا۔ اپنی زندگی خود بنانا۔ میرا کام مرستہ دکھانا تھا جو میں نے دکھا دیا۔ اب ہر ڈر سے بے پروا ہو کر
 اس رستے پر چلنا۔ خود کو اتنا مضبوط بنانا کہ کوئی تمہیں توڑ نہ سکے۔ اقرار میری گڑیا ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔"
 اقرار روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

کسی کے گھر جا کر نہیں رہنا، نہ حارث کے نہ عارش کے۔ کوئی ہمیشہ کے لیے ہمارا سہارا نہیں بنتا۔" بولتے
 بولتے وہ پھر بے ہوش ہو گئی۔ رات کو عارش اور حارث بمشکل اسے عارش کے گھر لے کر آئے۔ ماں باپ پتھر
 تھوڑی نہ ہوتے ہیں جو پھل نہ سکیں۔ اس کی حالت دیکھ کر ہی انہوں نے معاف کر دیا۔ شاید اب اسے جانا ہی تھا۔

☆.....☆
 تقریباً دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ جب وہ ہولے سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا۔ وہ بستر پر لیٹی
 ہوئی تھی۔ شاید ہلکی ہلکی نیند میں تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وہی اجڑا ہوا چہرہ۔ دیران
 آنکھیں۔ زرد رنگت..... نہ جانے وہ اب تک کیسے زندہ تھی۔ وہ ہولے سے اس کے پاس بیٹھا۔ بھولی تو بھی
 بھی نہیں تھی وہ۔ اس رات بھی نہیں جب اسے ٹریننگ کے اختتام پر آخری بار دیکھ کر آیا تھا۔ اس رات بھی نہیں
 جب اسے در بدر کر دیا تھا اور اس کے بعد گزرنے والی کسی رات بھی نہیں، کسی رات بھی..... قطرہ قطرہ ہو کر اس
 کے اندر اتری تھی وہ ذرا ذرہ ہو کر اس کے بازوؤں میں بکھیری تھی۔ ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اندر ٹوٹ گئی تھی۔
 لمحہ لمحہ اسے یاد آئی تھی۔ وہ اس کے ساتھ گزارے 24 دن نہیں بھول پایا تھا تو پانچ سال کیسے بھول جاتا۔ شدید
 نفرت ہونے کے باوجود وہ اسے کافی تھی۔ اس کے علاوہ بھی کسی اور کا نہ سوچا۔ اس کے ہوتے ہوئے بھی کوئی
 کی محسوس نہ کی اور اس کے جانے کے بعد بھی اس کی جگہ کسی اور کو نہ دے سکا۔ بیوی کے نام پر اب بھی اس کے
 لیے ایک ہی نام تھا۔ حائقہ ارشد، اس نے ہولے سے اپنا چہرہ حائقہ کے چہرے پر رکھا۔ حائقہ نے یکدم
 آنکھیں کھول دیں وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ ہولے ہولے حائقہ کے لب کاٹنے لگے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا
 تھا۔ اس کی سانسوں کا شور سنتے سنتے حائقہ کا ضبط جواب دے گیا مگر اس سے پہلے کہ اس کے آنسو نکلنے عمیر کی

رداؤ انجسٹ 209 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھیں برس گئیں۔ کافی دیر وہ اپنے آنسوؤں سے حلقہ کا چہرہ بھگوتا رہا۔
 ”ویسے تو بڑے دعوے کرتی ہو مجھ سے محبت کرنے کے لیکن میری ایک ذرا سی بات نہیں جان سکیں تم۔“ وہ اس پر جھکے ہوئے ہی بولا تھا۔

”بار بار تم سے کہا کہ مجھ سے اونچا مت اڑو۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے مگر تم نہیں مانیں پرکاٹ دیئے تمہارے جلاوطن کر دیا۔ سوچا شاید اب تمہیں میری بات سمجھ آ جائے مگر تم..... نہ جانے کس مٹی کی بنی ہو جو میری بات سمجھ نہیں آرہی تمہیں۔ مجھ سے اتنا ہی پیار تھا تو واپس کیوں آئیں؟“ عمیر بھگی ہوئی آواز میں بولتا چلا گیا۔
 ”کیونکہ تم نے پیار سے نہیں کہا۔“ حلقہ بولی تو آواز کانپ رہی تھی۔ عمیر بول نہ سکا۔ حلقہ نے ہنسنے لگا ہاتھوں سے آنکھیں صاف کیں۔ عمیر کا چہرہ ذرا واضح ہوا تھا۔ وہ ہولے ہولے بولنا شروع ہوئی۔

”عمیر! جب تم مجھ سے پہلی بار ملے تھے تب صرف ایک بار پیار سے کہتے کہ میرے رستے میں مت آؤ۔ میں اپنا ہر رستہ بدل لیتی۔ جب تمہیں پتا چل گیا تھا کہ میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں تو ایک بار ہاتھ تھام کر کہتے کہ میرے آگے انگلی مت اٹھاؤ۔ خدا کی قسم عمیر میں اپنی انگلیاں ہی کاٹ دیتی۔ تمہیں میرا حارث کی اکیڈمی میں پڑھانا اچھا نہیں لگتا تھا تو صرف ایک دفعہ چہرہ تھام کے کہہ دیتے کہ اس کی اکیڈمی میں نہ پڑھاؤ۔ پھر حارث سر کے بل بھی چل کر آتا تو میں اس کی بات نہ مانتی۔ شادی کر لی تھی ناں مجھ سے۔ تو اس رات مجھے اپنے اندر پھنپا کے ایک بار کہتے کہ پڑھانا چھوڑ دو، میں اسی لئے چھوڑ دیتی عمیر۔ گلے سے لگا کر صرف ایک بار کہہ دیتے کہ مجھ سے اونچا مت اڑو۔ میں اپنے پر ہی کاٹ دیتی۔ جس رات طلاق دے کر پرایا کیا تھا اس رات ایک بار کندھے سے لگا کر کہتے کہ کہیں دور چلی جاؤ۔ خدا کی قسم عمیر میں پاتال کی گہرائیوں میں اتر جاتی اس رات آخری بار آغوش میں لے کر صرف ایک بار کہتے کہ اب کبھی واپس نہ آنا۔ میں وہیں کہیں مرجاتی لیکن واپس نہ آتی۔“ حلقہ کا پورا وجود کانپنے لگا تھا۔ عمیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر ہولے سے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور اس کا چہرہ اپنے سینے سے ٹکایا۔ دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گرد باندھ دیئے اور اپنا چہرہ اس کے سر پر رکھا۔

”حلقہ پلنیز یہاں سے چلی جاؤ۔ ہمیشہ کے لیے۔“ اس نے حلقہ کے کانوں میں سرگوشی کی۔
 ”اور کبھی واپس نہ آنا۔“ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ بولا۔ حلقہ نے ہولے سے اپنے بازو اس کی گردن کے گرد پروئے آنسو خود بخود دائرے چلے آ رہے تھے۔

”کسی لمحے مجھ سے پیار ہوا؟“ اس نے پوچھا۔
 ”شاید ہر لمحہ۔“ عمیر کا حصار اس کے گرد تنگ ہوا تھا۔
 ”مجھے یاد کرو گے؟“ اس نے پھر پوچھا۔
 ”تم کبھی بھولو گی ہی نہیں۔“ اس نے عمیر کی گردن کے گرد ہالہ مضبوط کیا۔
 ”مار یہ کو اسپتال رزیشن کروانا۔“ وہ بولی۔ عمیر نے ”ہوں“ کہا تھا۔
 ”سدرہ کو انجینئر بننے دینا۔“ اس نے پھر ”ہوں“ کہا۔
 ”اقراء میری گڑیا ہے۔ میری گڑیا.....“ حلقہ کی سانسیں ٹوٹنے لگیں۔ عمیر نے اس کے ڈھیلے پڑتے وجود کو اور مضبوطی سے مقید کیا۔ حلقہ کی آنکھیں بند ہوئیں۔
 ”کیا چاہتے ہیں ہم لائف سے۔“
 زیادہ پہنچ نہیں

رداؤ انجسٹ [210] اگست 2016ء

21 تک کے منے منے دکھ سکھ بانٹنے کے لیے ایک اچھا سادہ دست،
 28 تک کی زندگی کے سونے جیسے پل دونوں ہاتھوں سے لٹانے کے لیے 5 فگرز (ہندسوں) والی سیلری۔
 50 تک کی سیڑھیاں طے کرنے کے لیے ایک باؤنا جیون ساتھی۔
 اور مرنے تک سکون سے چننے کے لیے پیار کرنے والے بچے۔
 اور یہ سب ہم لائف سے قرض نہیں مانگتے۔ یہ سب ہمارا حق ہوتا ہے۔
 میرا بھی حق تھا۔

حارث جیسا دوست۔

حارث جیسا سہارا۔

عمیر جیسا جیون ساتھی۔

ماریہ جیسی، سدرہ جیسی، اقراء جیسی بیٹیاں۔

ایک سے بڑھ کر ایک ذہن اسٹوڈنٹ میرا حق تھے۔

5 فگرز والی سیلری میرا حق تھی۔

ڈگری کالج کی Ap فزکس کی سیٹ زندگی کے 12 سالوں کے لیے صرف میری تھی۔

اور جب یہ سب مل جاتا ہے پھر اس دنیا میں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔

جیسے میرا نہیں رہا تھا۔

☆.....☆

کئی گھنٹے ہو گئے تھے اسے حلقہ کو لے کر یونہی بیٹھے ہوئے۔ آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ شمیمہ راؤ نے اسے ہنسنے دیا۔ حلقہ کی تدفین تک اس کی آنکھیں خشک نہ ہوئیں۔

یہ تھا اس کا پیار۔

اس کے ایک بار کہنے پر دنیا ہی چھوڑ گئی تھی۔

ہمیشہ کے لیے۔

حلقہ کو دفنا کر وہ سیدھا اس کے گھر آیا تھا۔ ماریہ اسے دیکھتے ہی اندر چلی گئی۔

”چلو بیٹے گھر چلیں۔“ اس نے ہولے سے اقراء کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ماما کہہ کر گئی ہیں کسی کے ساتھ نہیں جانا۔“ اقراء نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”لیکن یہ تو نہیں کہہ کر گئیں ناں کہ اپنے باپ کے ساتھ بھی نہیں جانا۔“ وہ بولا۔ ماریہ تیر کی طرح اندر سے نکل کے آئی۔

”کون سا باپ۔ وہ جس نے اپنی پوری زندگی میں ہم لوگوں کے بارے میں ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں سوچا۔“ اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

”جیسے ہم لوگوں کو اس طوفانی رات میں گھر سے نکالتے ہوئے ذرا رحم نہیں آیا۔ جس نے ایک بار بھی پلٹ کے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ ہم زندہ بھی ہیں یا مر گئیں۔ ارے آپ کو تو ہمارے نام بھی نہیں آتے ہوں گے۔“ ماریہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ سدرہ نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر چپ کر دیا۔
 ”آپ جائیں یہاں سے۔ اپنی ماں جیسا حوصلہ ہے ہم سب میں۔ اکیلے رہ لیں گے۔“ رمشا اسے کہتے

رداؤ انجسٹ [211] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئے دروازے کی طرف آئی تھی۔ وہ چند لمحوں بعد چپ چاپ باہر نکل گیا۔ عارش نے انہیں کئی بار اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ شمیمہ خود کئی بار آئیں۔ حارث نے بھی اپنے ساتھ چلنے پر بہت زور لگایا مگر ماریہ نہیں مانی۔
 ”میں اور میری بہنیں اکیلے رہ لیں گی۔“ اس کا ایک ہی جواب ہوتا اور عمیر..... حائقہ کو گئے 20 دن ہو گئے تھے اور وہ ان 20 دنوں میں 48 دفعہ آیا۔ 48 دفعہ صبح و شام ہر روز..... ماریہ نے اسے ہر بار خالی ہاتھ لوٹایا۔ لیکن وہ بھی عمیر راؤ تھا۔ ضد کی اعلیٰ مثال۔
 سو وہ 49 ویں دفعہ پھر آ گیا۔

☆.....☆

”عمیر کی بات کیوں نہیں مان رہی ہو۔“ اس دن حارث حائقہ کے گھر آیا تھا۔ ماریہ کو سامنے بٹھا کر پوچھ ہی لیا۔
 ”یہ آپ پوچھ رہے ہیں؟“ ماریہ ایک دم حیرانی سے بولی۔
 ”ہاں میں پوچھ رہا ہوں ماریہ وہ اگر تمہارا باپ نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ بھی نصیحت کرتا کہ مرنا پڑے تو مر جانا لیکن اس کی بات مت ماننا۔ مگر وہ تمہارا باپ ہے۔ شاید زندگی میں پہلی بار ڈھنگ کی بات کر رہا ہے۔ مان لو۔“ حارث نے اسے سمجھایا۔

”اتنی جلدی کیسے معاف کر دوں انہیں؟“ ماریہ روتی تھی۔
 ”تمہاری ماں سے زیادہ برا سلوک تو نہیں کیا یاں اس نے تمہارے ساتھ۔ سب سے زیادہ مجرم تو وہ تمہاری ماں کا تھا۔ جب اس نے معاف کر دیا تو تم کون ہوئی ہو اسے سزا دینے والی۔“ ماریہ چپ رہی۔
 ”بس کرو اب زندگی میں شاید پہلی بار اتنا نام ہوا ہے وہ۔ پہلی بار سیدھے رستے کی طرف آیا ہے۔ یوں مت دھتکارو۔“ حارث اپنے سامنے بیٹھی اقراء کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
 ”تو کیا بھول جاؤں سب کچھ؟“ ماریہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔
 ”ہاں کیونکہ جس پر جیتی وہ بھی بھول گئی تھی۔“ حارث کی بات جیسے ہی ختم ہوئی دروازہ کھٹکا۔ اقراء نے دروازہ کھولا۔ حارث کو دیکھ کے عمیر کے قدم دروازے کے قریب ہی رک گئے۔
 ”گھر چلو۔“ ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے اس نے ماریہ سے کہا تھا۔
 ”کیوں؟“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹیاں اکیلی رہیں۔“ وہ بولا۔
 ”پندرہ سال بھی آپ کی یہ بیٹیاں اکیلی ہی رہی ہیں۔ تب تو خیال نہیں آیا۔“ عمیر چند لمحوں بعد بولا۔
 ”ریکونسیٹ ہے میری تم سے کہ پندرہ سال جو کچھ ہوا بھول جاؤ۔ پلیز۔“ ماریہ ایک دم اس کے سامنے آئی۔
 ”کیوں! آپ کے نزدیک یہ اتنا ہی آسان ہے کیا؟“ اس کی آواز بلند ہو گئی۔
 ”پتا نہیں آسان ہے یا نہیں لیکن تمہاری ماں بھی بھول گئی تھی۔“ حارث چپ چاپ دونوں کو دیکھتا رہا۔
 ”وہ میری ماں تھی جو بھول گئی۔ آپ کے معافی مانگے بنا ہی آپ کو معاف کر گئی۔ میں اتنی اعلیٰ ظرف نہیں ہوں۔“ عمیر ہولے سے آگے کو آیا تھا۔ ایک نظر حارث کو دیکھا پھر آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ دونوں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔
 ”بیٹے مجھے معاف کر دو، اپنے وجود کے ساتھ کڑوں کے بغیر نہیں رہ سکتا اب میں۔“ ضبط کرتے کرتے بھی وہ رو پڑا۔ حارث دنگ بیٹھا رہ گیا۔ اقراء اسے یوں روتے دیکھ کے خود بھی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔
 ”ناریہ! تمہارے وجود میں میرا خون ہے بیٹے پلیز۔“ وہ بولا۔ ماریہ پھٹل نہ سکی۔ حارث کھڑا ہو گیا۔ عمیر

رداؤ انجسٹ [212] اگست 2016ء

کافی دیر کھڑا رہا پھر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں خشک کرتا ہوا دروازے کی طرف مڑا۔
 ”میں کل پھر آؤں گا۔“ وہ جاتے ہوئے بولا تھا۔ ماریہ کچھ نہ بولی اور اس سے پہلے کہ وہ دروازہ پار کرتا اقراء نے بھاگ کے پیچھے سے دونوں بازو اس کے گرد باندھ کے اسے روکا تھا عمیر یکدم رک گیا۔
 ”میں جاؤں گی آپ کے ساتھ پاپا۔“ وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔
 ”اقراء! ماما نے کہا تھا کہ کسی کے ساتھ نہیں جانا۔“ ماریہ بولی۔
 ”لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ پاپا کے ساتھ بھی مت جانا۔“
 اقراء یونہی روتے ہوئے بولی تھی۔ عمیر نے نیچے بیٹھتے ہوئے اسے دونوں بازوؤں میں بھرا۔ بے تحاشا رو دیا۔ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے ساری اس کے پاس آئیں ماریہ تنہا کھڑی رہ گئی۔
 ”ماریہ چلو بیٹے۔“ عمیر کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔
 ”آنے والے وقتوں میں میں اور میری بہنیں جیسے مرضی زندگی گزاریں۔ آپ نہیں ٹوکیں گے۔“ ماریہ مضبوط لہجے میں بولی۔

”نہیں ٹوکیں گا۔“ وہ فوراً بولا۔
 ”مجھے اسپیشلائزیشن کرنے باہر جانے دیں گے۔“ ماریہ کی دوسری شرط۔
 ”جانے دوں گا۔“ وہ پھر فوراً سے بولا۔
 ”عائشہ اور رمشا جب تک چاہیں گی دی اسٹرا کیڈمی میں پڑھائیں گی۔ آپ کبھی نہیں روکیں گے۔“ حارث کو لگا کہ شاید اب کے عمیر ہاں نہ کہے۔ یا شاید دیر سے کہے مگر وہ ماریہ کی بات مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔
 ”نہیں روکیں گا۔“ حارث کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
 ”کبھی ہم سے اونچی آواز میں بات نہیں کریں گے۔“ ماریہ بولتی چلی گئی۔ نہیں کروں گا۔“ وہ مادتا جا گیا۔
 ”کبھی ہم میں سے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔“ ماریہ کے آنسو لٹکے تھے۔
 ”نہیں اٹھاؤں گا۔“ حارث سے ہنسی روکنا دو بھر ہو گیا۔ اسے لگا ماریہ نہیں بول رہی۔ دوسرا عمر راؤ بول رہا ہے۔
 ”اقراء ہم سب کی گڑیا ہے اس کا ہمیشہ خیال رکھیں گے۔“ ماریہ ہلکے ہلکے کر رو دی۔
 ”رکھوں گا۔“ عمیر کی شاید بس ہو گئی تھی ماریہ کی اگلی بات سے پہلے ہی بول پڑا۔
 ”بیٹے آپ مجھے کوئی بھی مار دو گی تو کچھ نہیں کہوں گا۔“ اس کی آواز اونچی ہو گئی۔ ماریہ بھاگ کے اس کے گلے لگی تھی۔ حارث کی ہنسی بے قابو ہو گئی ماریہ کو خود سے لگاتے ہوئے اس نے حارث کی طرف دیکھا۔
 ”تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“ ماریہ اس کی بات سن کر ایک دم بولی۔
 ”اور آپ سر حارث سے لڑائی ختم کر دیں گے۔“ عمیر اس بار اس کی بات کے جواب میں ہاں نہ کہہ سکا۔
 اب ہر بات ماننے والی تھوڑی ناں ہوتی ہے۔ اس نے ماریہ کو سینے سے لگائے ہوئے دوبارہ حارث کی طرف دیکھا۔
 ”گیٹ لاسٹ۔“ حارث اس کے چہرے سے ہی اس کی بات سمجھ گیا بھی مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ ماریہ نے دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گرد باندھ دیئے۔
 ”ماما! بالکل ٹھیک کہتی تھیں۔ لائف سے بس اتنا ہی مانگو جتنا آپ کا حق ہے۔ زیادہ مانگو گے تو لائف ناراض ہو جائے گی۔“

☆ ختم شد ☆

رداؤ انجسٹ [213] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

فریبا

وہ بچ پر بیٹھا ہر طرف سے الجھنوں کا شکار تھا۔
اس کے دماغ میں بس سوال ہی سوال گھوم رہے تھے۔
”آخر کون ہے یہ لڑکی؟ اور یہ اس حالت میں



WWW.PAKSOCIETY.COM

کیوں تھی؟“ وہ اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا، جو کئی گھنٹوں پہلے اسے دہن کے روپ میں شدید زخمی اور بے ہوشی کی حالت میں ملی تھی۔ اب ڈاکٹر کے باہر آنے پر وہ کھڑا ہوا اور انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
”پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ Butt.....“ ڈاکٹر نے گہری سانس لی۔
”کیا ہوا ڈاکٹر صاحب؟ آپ مجھے کھل کر بنائیں۔“ ہادی کو فکر ہونے لگی۔
”دیکھئے منسٹر ہادی! وہ لڑکی اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہے۔“ ڈاکٹر کے بتانے پر وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔
”کیا.....؟ لیکن اب میں کیا کروں۔ اسے کہاں لے کر جاؤں۔ اب تو یہ اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں بتا سکتی۔“ وہ اور مشکل میں پھنس گیا۔
”آپ اللہ سے دعا کیجیے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ کچھ دنوں میں ہم انہیں ڈسپارچ کر دیں گے۔ پھر آپ انہیں لے کر جاسکتے ہیں۔“ ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلا گیا۔
☆.....☆
”تیرا دماغ گھوم گیا ہے کیا؟ اتنے اچھے رشتے



گئیں اور زمین من کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

☆.....☆

چاروں طرف اجنبی چہرے، ذہن بالکل خالی، ایک عایشیانہ کمرہ جس میں بیڈ پر بیٹھی وہ خود سے انجان تھی۔ اس کے سر پر ابھی بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جب کہ ثریا (نوکرانی) نے اسے سارے واقعے سے باخبر کروا دیا تھا۔ بیڈ کے سائیڈ میں کھڑے دو معصوم اور پیارے سے بچے جو کب سے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

”یہ کون ہیں؟“ اس نے جواب کی طلب میں ثریا کی طرف دیکھا تھا کہ بھی باہر سے آتے ہادی نے فوراً کہا۔

”یہ میرے بچے ہیں۔“ ہادی کو دیکھ کر دونوں دوڑے دوڑے ہادی کے پاس گئے اور اس سے لپٹ گئے۔

”پاپا..... پاپا ہم انہیں کس نام سے بلائیں۔“ صائم اور زویا نے جھٹ پٹ سوال کر ڈالا۔

”ہوں..... تو چلو یہ کام بھی کر لیتے ہیں۔ آپ دونوں انہیں آپنی بلائیں گے جب کہ ان کا اصل نام ہوگا، ہوں.....“ ہادی نے سوچنے والے انداز میں چھت کی طرف دیکھا۔

”ندا.....!“ ثریا جھٹ گویا ہوئی۔ ثریا کے اس نام لینے پر ہادی نے حیرانگی سے ثریا کی طرف دیکھا۔

”لیکن..... ثریا یہ نام تو.....“ ہادی کی نظروں میں کچھ تھا جو ثریا نے نظر انداز کر دیا۔

”ہاں یہ نام تو بہت اچھا ہے، انہیں پسند آئے گا۔“ ثریا نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے کیا پتا، میں تو کچھ بھی نہیں جانتی، نہ اپنا نام نہ مقام۔ میں تو گویا ابھی پیدا ہوئی ہوں۔ جس کا نام بھی ابھی رکھا جا رہا ہے۔“ وہ نگاہیں ایک ہی جگہ

سے تو کیسے انکار کر سکتی ہے؟ ناشاء اللہ سے لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ خوش شکل ہے۔ اپنا ذاتی کاروبار ہے۔ بنگلہ گاڑی اور کیا چاہیے تجھے۔“ صغریٰ بیگم نے تو آج اس کو منانے کی ٹھان لی تھی۔

”پھپھو مجھے اور کچھ مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ لوگ لڑکے کا بیگ گراؤنڈ چیک کریں۔ میں یوں اپنی زندگی کے فیصلے بند آنکھوں سے نہیں لے سکتی۔“ زمین بھی اپنی بات پر قائم تھی۔ ”دیکھ بیٹی! جو قسمت میں لکھا ہوا ہو اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔“ صغریٰ بیگم کا لہجہ نرم ہوا تھا۔

”اگر اسی طرح رشتوں میں کیڑے نکالتی رہے گی تو تیری شادی کی عمر بھی نکل جائے گی۔ اب تو خیر سے ہمارا بڑی ہو چکی ہے۔ تیرے بعد اس کے بارے میں بھی تو کچھ سوچنا ہے۔“ صغریٰ بیگم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

”نہیں پھپھو! ہمارا بھی چھوٹی ہے ابھی وہ پڑھائی کر رہی ہے۔ ابھی تو ایسا سوچیے گا بھی مت۔“ زمین کو برا لگا تو ہنسنے لگی۔

”تو ٹھیک ہے۔ بیٹھی رہو ساری زندگی باپ کے سر پر بن ماں کی بیٹیوں کے لیے ایسے رشتے نہیں آیا کرتے۔ کب تک تمہارا بوڑھا باپ تم لوگوں کے لیے کما تارے گا۔ عاصم بھی تو ابھی بارہ سال کا ہے۔ وہ بھی تو بہنوں کو کیا کہیں کھلا سکتا۔“ صغریٰ بیگم بنا سوچے سمجھے بولتی گئیں۔ زمین کے دل کو پھپھو کی باتوں سے کافی ٹھیس پہنچی تھی۔

”مگر ان کی باتیں کڑوی ہی سہی مگر ساری سچ ہیں۔“ زمین نے سوچا اور پھر پھپھو سے کہنے لگی۔

”پھپھو! ابو سے کہہ دیجیے کہ میں نے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے۔“

”ہائے میری بچی، اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ میں جا کے یہ خوش خبری تیرے ابو کو دے آئی ہوں۔“ صغریٰ بیگم زمین کو دعا میں دیتی ہوئی کمرے سے نکل

ٹھہرائے بوسے جا رہی تھی اس کی آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

”ثریا میں نہیں جانتی کہ میں کیا کروں؟ کب تک میں اس کنڈیشن میں رہوں گی؟ میں جیوں یا مروں؟ میں کس سے پوچھوں کہ میں کون ہوں؟“ اب وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔ سفید موتی اس کے رخساروں سے ٹپکتے ہوئے اس کے گریبان پر گر رہے تھے۔

ثریا، ندا کو گلے سے لگا کر کہنے لگی۔ ”نہیں بیٹی! ایسا نہیں کہتے ہم سب تمہارے اپنے ہیں، اچھا چپ ہو جاؤ دیکھو بچے بھی سہم گئے ہیں۔“ ہادی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے اسے سلی دے یا ایسے ہی کھڑا رہے۔

”ہادی بیٹا! بچوں کو لے جاؤ، انہیں نیند آ رہی ہو گی۔“ ثریا کہنے لگیں۔

”جی.....!“ ہادی بچوں کو لے کر باہر نکل گیا۔ ندا نے رونا تو بند کر دیا تھا لیکن سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔

☆.....☆

زمین کے گھر میں خوب ہلہ گلا تھا۔ گھر کے تمام افراد کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ پر نہ جانے اس کے دل میں کچھ ڈر سا تھا جس کی وجہ سے اس پر رونق دن میں بھی اداس سی تھی۔ پھپھو، ہمارا سب ہی تیار یوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ راجیل کے گھر والوں نے جہیز لینے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے پھپھو دن رات ان کی اچھائیاں بیان کرنے میں مصروف تھیں۔

”ایسا..... ارے یہ کیا؟ آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ مہمان بھی آنا شروع ہو گئے ہیں۔“ ہادی بولی مگر زمین کو خاموش یا کر وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھایا، زمین کی آنکھوں میں سرخی پھیلی ہوئی تھی۔

”اچھا.....!“ انداز میں معنی خیزی تھی۔ ”تو میڈم رو رہی تھیں۔“

”ہاں ظاہری بات ہے میں ہوں ہی اتنی اچھی جو مجھے چھوڑ کے جائے گا روئے گا تو ضرور۔“ ہمارا شرارت سے بولی۔

”چپ کر نالائق۔ تیرے لیے کون رو رہا ہے۔ میں تو خوش ہوں تجھ سے جان جو چھوٹے گی۔“ زمین ہمارا کو جڑانے کے لیے بولی۔

زرو جوڑے میں پھولوں والی جیولری اس پر بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ سفید پر مسرت چہرہ سب کی نگاہوں کا مرکز بنا ہوا تھا ریمیں ختم ہونے کے بعد زمین کی دوستوں نے اس کے ہاتھوں میں مہندی لگائی، رات گئے مہندی کا فنکشن ختم ہوا تو وہ بھی ریلیکس ہونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ صبح بارات کا فنکشن بھی بھرپور گہما گہما والا تھا۔ وہ بلڈ ریڈ لیپنگ میں غضب ڈھا رہی تھی جب کہ بلیک تھری پیس سوٹ میں راجیل بھی سب کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ رخصتی کے وقت زمین رو کے اور سب گورلا کے پیادیں سدھا رہی۔

☆.....☆

ندا کی حالت اب کافی بہتر ہو چکی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت صائم اور زویا کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ تینوں کا کافی اچھے دوست بن چکے تھے۔ جس سے ہادی بہت خوش تھا۔ ہادی کی بیوی ایک کارا ایکسیڈنٹ میں اپنی جان ہار بیٹھی تھی۔ ندا کو اس بات کا پتا تھا مگر وہ اس بات سے انجان تھی کہ ہادی کی بیوی کا نام ندا تھا۔ شاید ثریا نے یہ نام سوچ سمجھ کر رکھا تھا۔

”ندا۔“ بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھی۔ جب ہادی آفس سے آیا۔ ”ارے واہ تم سب تو دوست بن گئے ہو۔“ ندا نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی۔ ”جی پاپا!“ زویا بولی۔

رواڈا بجسٹ [217] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

رواڈا بجسٹ [216] اگست 2016ء

”ہلے ہمیں مہیا پڑھایا کرتی تھیں۔ اب وہ نہیں ہیں تو ہمیں ان کی جگہ ندا آتی مل گئی ہیں۔ ہم ان کے ساتھ بہت خوش ہیں۔“ زویا معصومیت سے بولی۔

”بابا! یہ ہمیں چھوڑ کر تو نہیں جائیں گی ناں؟“ صائم کی طرف سے غیر متوقع سوال تھا۔

”مم..... مجھے کیا پتا۔“ ہادی ہکلاتے ہوئے بولا۔

”چلو ہم کھانا کھاتے ہیں پھر آکس کریم کھانے کے لیے جائیں گے۔“

”واو! آکس کریم، آپنی بھی ہمارے ساتھ جائیں گی۔“ زویا خوش ہو کر بولی۔

”نن..... نہیں میں نہیں جاسکتی۔“ ندانے صاف انکار کر دیا۔

”ندا! اگر بچے ضد کر رہے ہیں تو چلی جاؤ ناں۔“

ہادی کے بولنے پر ثریا نے ہادی کو دیکھا جو کچھ شرمندہ ہونے لگا تھا۔

”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں تمہیں ان کے ساتھ ضرور جانا چاہیے۔ اب تم ان کی دوست جو بن گئی ہو۔“ ثریا کے انداز میں شوخی تھی۔

☆.....☆

وقت تھا کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ زمین کی شادی کو ہوئے ڈھائی مہینے گزر چکے تھے۔ اور اس دوران اس کے گھر والوں نے زمین کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ ان کا رابطہ بس راحیل سے ہی تھا جو کبھی میٹنگ کا بہانہ کر دیتا تو کبھی کسی اور جگہ مصروف ہونے کا کہہ دیتا۔

زمین کے ابو کو اس کی فکر کھائے جا رہی تھی مگر اب تھوڑی تسلی ہو گئی تھی جب راحیل نے کہا ہم آج آرہے ہیں، ہمارے خوب انتظام کر رکھا تھا۔ چکن بریانی، تورمہ، کھیر اور طرح طرح کے پکوان جو زمین کو پسند تھے تیار کیے تھے اور خود بھی تیار ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

”ٹھک..... ٹھک..... ٹھک۔“ دروازے پر دستک ہوتے ہی عاصم دوڑا دوڑا دروازے کی طرف گیا اور دروازہ کھولا تو راحیل اندر آیا اس کے چہرے پر کچھ افسردگی نظر آرہی تھی۔ سب کی نظریں گیٹ کی طرف تھیں کہ اب زمین بھی اندر آئے گی۔

”عاصم گیٹ بند کر دو اور کوئی نہیں ہے۔“ راحیل کے بولتے ہی سب حیران ہو گئے۔

”مگر زمین.....“ زمین کے ابو بولے۔

”اس سے پہلے کہ آپ کچھ پوچھیں میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔“ راحیل کے چہرے کی افسردگی سب کو بے قرار کر رہی تھی۔

”دراصل بات کچھ ایسی ہے کہ.....“ وہ بولتے بولتے رکا۔

”جلدی بولو میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔“ زمین کے ابو بولے۔

”ہماری شادی کے چند دن بعد ہی رات کو میرے گھر میں کچھ لوگ داخل ہوئے جن کے پاس بہت سارا اسلحہ تھا۔ انہوں نے مجھ پر حملہ کیا اور کہنے لگے کہ ان پیپرز پر سائن کر دو، میں نے سوچا کہ چور ہوں گے اور یہ پیپرز کسی کمپنی کے ہوں گے۔ ان سب نے پستلز میرے ماتھے پر رکھے تھے۔ زمین نے بھی مجھ سے بہت ضد کی کہ میں سائن کر دوں، میں نے جلدی جلدی سائن کر دیے مگر.....“ وہ بولتے بولتے رکا۔

”مگر کیا؟“ اس بار پچھو بولیں۔

”مگر وہ پیپرز میرے اور زمین کے طلاق کے تھے، زمین کسی اور سے پیار کرتی تھی اور وہ آدمی بھی اسی نے بلائے تھے۔

راحیل کا یہ کہنا تھا کہ زمین کے والد کی طرف سے ایک زوردار پتھر راحیل کے منہ پر نشان چھوڑ گیا۔

”تمہیں ذرا شرم نہیں آئی میری بیٹی کے بارے میں ایسی بکواس کرتے۔“ شکیل صاحب (زمین کے والد) کا خون کھول رہا تھا۔

”میں جانتا تھا کہ آپ سب میرا یقین نہیں کریں

گے اس لیے میں نے اب تک یہ بات آپ سب سے چھپائی۔ میں نے سوچا تھا کہ پہلے زمین کو ڈھونڈوں گا اس کے بعد آپ کو بتاؤں گا لیکن وہ نہیں ملی۔ اب میں کیا کروں؟ میری بھی تو عزت خراب ہو گئی نا، میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا، میں نے تو سوچا تھا شادی کر کے خوشی کی زندگی بسر کروں گا مگر میں کیا جانتا تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔“ وہ سر پکڑ کر صوفے پر ڈھ گیا۔

”مجھے لگتا ہے کہ یہ سچ کہہ رہا ہے۔“ پچھونے بھی حصہ لیا۔

”زمین تو پہلے ہی اس شادی کے حق میں نہیں تھی، بھائی صاحب آپ کی بیٹی نے آپ کی عزت خاک میں ملا دی اور راحیل بے چارہ بھی پھنس گیا۔“

”اگر ایسی ہی بات ہے تو آج سے میری ایک ہی بیٹی ہے اور وہ ہے ہما۔ زمین میرے لیے مر چکی ہے۔“ شکیل صاحب کی آنکھیں غصے سے انگارے بڑھ رہی تھیں۔

”میں اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔“ شکیل صاحب دوبارہ بول پڑے۔ سب کی نظریں ان پر ٹھہر گئیں۔

”بیٹے! میں تمہاری شادی اپنی بیٹی ہما سے کرانا چاہتا ہوں لیکن مجھے ایک مہینے کا وقت چاہیے کیونکہ میں اپنی بیٹی کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔“ ہما کا دل تو جل رہا تھا مگر ہونٹوں نے چپ سادھ لی تھی۔

☆.....☆

وہ ٹیرس پر کھڑا چائے کا گلاس ہونٹوں سے لگاتا اور ٹھنڈی ہوا کے مزے لوٹتا رہا۔

”شاید تمہاری ہی کمی تھی جو اب پوری ہو چکی ہے۔ ابھی تو ہمارے درمیان کچھ فاصلے ہیں جو جلدی ہی سمٹ جائیں گے اور ہماری ادھوری کہانی پوری ہو جائے گی۔“ سوچتے سوچتے اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ میں اس سے پیار کرتا ہوں۔“ وہ خود سے سوال کرنے لگا۔

”ہوں..... سوچ ہادی..... کچھ تو سوچ، ہاں یہ آئیڈیا بیسٹ رہے گا۔ ویسے بھی کل ہی تو فرحان کی شادی ہے۔ آئی نو وہ میرا ساتھ ضرور دے گا، اسے ابھی ہی کال کر دیتا ہوں اور ساری تفصیل سے آگاہ کرتا ہوں۔“ اس نے اپنا فون اٹھایا اور اپنے فریڈ فرحان کو کال کرنے لگا۔ صبح وہ ناشتہ کے لیے آیا تو بھی اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔ چہرے پر ہنسی بکھری ہوئی تھی اور کیوں نا ہوتا خوش فرحان نے ہاں جو کر دی تھی اور دونوں کی پلاننگ پہلے ہی سے تیار تھی۔

”اچھا بچوں ناشتہ کر لو پھر ہم سب شاپنگ کے لیے چلتے ہیں۔ تم لوگوں کو یاد ہے نا کہ آج شام ہمیں فرحان انگل کی شادی اٹینڈ کرنی ہے۔“

”لیس پاپا!“ صائم اور زویا خوشی سے بولے۔

کچھ دیر بعد وہ چاروں شاپنگ مال میں موجود تھے۔ ندا تو نہیں آنا چاہتی تھی لیکن بچوں نے ضد کی تو وہ بھی آگئی۔ بوتیک میں وہ لوگ گھوم رہے تھے کہ ہادی کی نظر وائٹ کڑھائی والے پریل سوٹ پر پڑی جو نہایت خوب صورت اور کافی مہنگا تھا۔ ہادی کو وہ اچھا لگا تو اس نے ندا کے لیے خرید لیا۔

خریداری کے بعد اب ٹائم آیا شادی اٹینڈ کرنے کا بچوں کو ندا نے پہلے ہی سے تیار کر دیا تھا۔ ہادی اور ندا اپنے اپنے روم میں تیار ہو رہے تھے۔ بچے ہال میں بیٹھے تھے جب ہادی تیار ہو کر بیچے آیا۔

”بچوں ماما کہاں ہے؟“ یہ کہتے ہی اس نے اپنی زبان کو دانٹوں تلے دبایا۔

”مم..... میرا مطلب ہے کہ ندا کہاں ہے؟“

تب ہی اس کی نظر سیڑھیوں پر پڑی جہاں سے وہ نمودار ہوئی۔ پریل کٹر کا لباس میچنگ آئی لینس اور لپ اسٹک لگے اور کانوں میں وائٹ سیٹ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔ ہادی کی نظریں تھیں کہ

اس پرانک گئی تھیں۔
 ”اب نظریں تو ہٹالیں اسے برا لگ جائے گا۔“
 ثریا بولی تو وہ جھینپ گیا۔
 ”ہاں تو میں کسی سے کم تھوڑی نا ہوں، آئی ایم ویری گڈ لوکینگ۔“ اس کی بات میں کوئی مبالغہ نہیں تھا بلکہ سوٹ میں ملبوس ہادی نے ندا کے دل میں بھی ہلچل مچائی لیکن وہ نظر انداز کر گئی۔
 کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ لان پہنچے تو فرحان ان کے استقبال کے لیے ان کے پاس پہنچا اور ان کے پلان کے مطابق شروع ہو گیا۔
 ”ارے واہ یار! تو نے شادی اور مجھے خبر تک نہیں کی۔“
 ”مم..... میری بات تو سن۔“ ہادی نے بھی ایکٹنگ میں حصہ لیا۔
 ”تیری بات کیوں سنوں، مجھے بولنے دے، خیر مجھے نہیں بلایا تو کیا ہوا لیکن میں نے بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تجھے اتنی اچھی بیوی ملے گی۔ سچ میں یار تیری فیملی تو ابھی کمپلیٹ ہوئی ہے۔“ وہ بولتا ہی گیا۔
 ”میں ان کی وائف نہیں ہوں۔“ وہ بولتے ہی لان کے ایک کونے میں آنسو بہانے چلی گئی تو ہادی بھی اس کے پیچھے پہنچ گیا۔
 ”سوری..... میں جانتا ہوں تمہیں بہت برا لگا ہے۔“ ہادی بولا۔
 ”تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے تو اب معافی مانگنے کی ایکٹنگ کیوں کر ہے ہو۔ جب وہ بول رہا تھا تو میں نے آپ کو اس کی طرف ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا اگر تمہارے دل میں میرے لیے کچھ فیلنگ تھیں تو تم مجھے بتاتے، یوں میرا تماشا تو نہیں بناتے۔“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔
 ”سوری ندا! مجھ سے غلطی ہو گئی مگر میں تم سے واقعی میں بہت پیار کرتا ہوں۔“ وہ اب بالکل سیریس تھا۔
 ”تو پھر انتظار کرو، جب میرے ماضی کے

بارے میں کچھ بتا چلے گا تو پھر میں کوئی فیصلہ لے سکوں گی۔“ وہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی۔
 ☆.....☆
 اس کے دل میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو رہی تھی۔ آج وہ بھی مایوں بیٹھنے والی تھی۔ ہما کو بس اپنی بہن کی یاد آرہی تھی۔
 ”آخر ایسا نے ایسا کیوں کیا؟ اگر وہ کسی اور سے پیار کرتی تھی تو اس نے پہلے کیوں نہیں بتایا سب کو۔“ وہ سوچتے سوچتے رو پڑی۔
 ”اگر ایسا ایسا نہ کرتی تو میں آج پڑھائی کر رہی ہوتی۔“ وہ بیٹھی اپنے مایوں کے جوڑے کو دیکھ رہی تھی کہ کچھ پھوٹا گئیں۔
 ”ارے تو کیوں رو رہی ہے؟ تیری بہن نے بھی تو یہی کیا تھا۔ کیا ہوا پھر؟ نتیجہ تو تم نے خود ہی دیکھ لیا اب تیرے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں، خدا را تو اپنے باپ کی عزت کی لاج رکھنا۔“ ہمیشہ کی طرح تلخ لہجہ تھا ان کا۔ ہما بس چلتا تو انہیں کھری کھری سناتی وہ صرف چپ رہی۔
 ☆.....☆
 ”ٹرن..... ٹرن.....“ موبائل پر پیپ ہوتے ہی ہادی نے فون اٹھایا۔ اسکرین پر گھر کا نمبر تھا۔ ہادی نے فون کان سے لگایا۔
 ”ہیلو!“ دوسری طرف ثریا تھی جو کافی گھبرائی ہوئی تھی۔
 ”ہادی صاحب! وہ ندا میڈم میٹر ہیوں سے گر گئی ہیں۔ وہ کافی زخم ہو چکی ہیں انہیں بے ہوشی کی حالت میں اسپتال لے گئے ہیں آپ جلدی اسپتال پہنچیں۔“ ہادی کے سر پر جیسے کسی نے بم پھینک دیا ہو لیکن اس نے خود کو سنبھالا اور گاڑی اسپتال کی طرف موڑ دی۔
 پوری رات وہ بے ہوش رہی۔ پھر صبح جب اسے ہوش آیا تو ڈاکٹر نے آ کے ہادی کو خوشخبری دی اور سب

سے بڑی خبر یہ تھی کہ اس نے اپنی یادداشت پھر سے پالی تھی۔ ہادی تو خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ ہادی جب اس کے پاس گیا تو اس کی زبان پر ایک ہی لفظ تھا۔
 ”مجھے گھر جانا ہے۔“ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔ پلیز ہادی۔“
 ہادی کے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا سوائے اس کی بات ماننے کے۔
 ☆.....☆
 زخمی حالت میں وہ اپنے گھر پہنچی ہادی بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ یہ دیکھ کر تو اس کے ہوش ہی اڑ گئے کہ اس کی بہن ہما کی شادی اور وہ بھی راجیل کے ساتھ، کبھی لوگ زمین کو دیکھ کر حیران تھے اور کبھی اس کی طرف متوجہ تھے۔
 ”کمینے۔“ زمین نے راجیل کا گریبان پکڑ لیا۔
 ”تو نے پہلے میری زندگی برباد کی۔ اب میری بہن کی زندگی برباد کرنے چلا ہے۔“
 اتنے میں شکیل صاحب آ گئے اور راجیل کو چھڑایا۔
 ”چلی جا یہاں سے..... میری عزت تو تو نے اچھال دی، اب کیا لینے آئی ہے؟“ شکیل صاحب زمین پر برسے۔
 ”اچھا..... تو یہ کہانی سنائی ہے اس نے آپ سب کو۔ ابویہ ایک فراڈ یا انسان ہے، یہ ہما کے ساتھ بھی وہی کرنا چاہتا ہے جو اس نے میرے ساتھ کیا، آپ سب کو میری بات سننی ہوگی اور اس پر یقین بھی کرنا ہو گا۔ شادی کے تیسرے دن ہی اس نے مجھے طلاق دے دی تھی۔ زور زبردستی سے میرے سائن لیے۔ مجھے طلاق اس نے اس لیے دی کہ یہ مجھے کسی کو بیچ چکا تھا اور صرف مجھے ہی نہیں مجھ جیسی کئی لڑکیوں کے ساتھ یہ ایسا کر چکا ہے۔ میں نے اس کی بہت منتیں کیں لیکن اس نے میری ایک نہ سنی، پہلے اس نے مجھے دہن کی طرح تیار ہونے کو کہا اور پھر ایک گاڑی

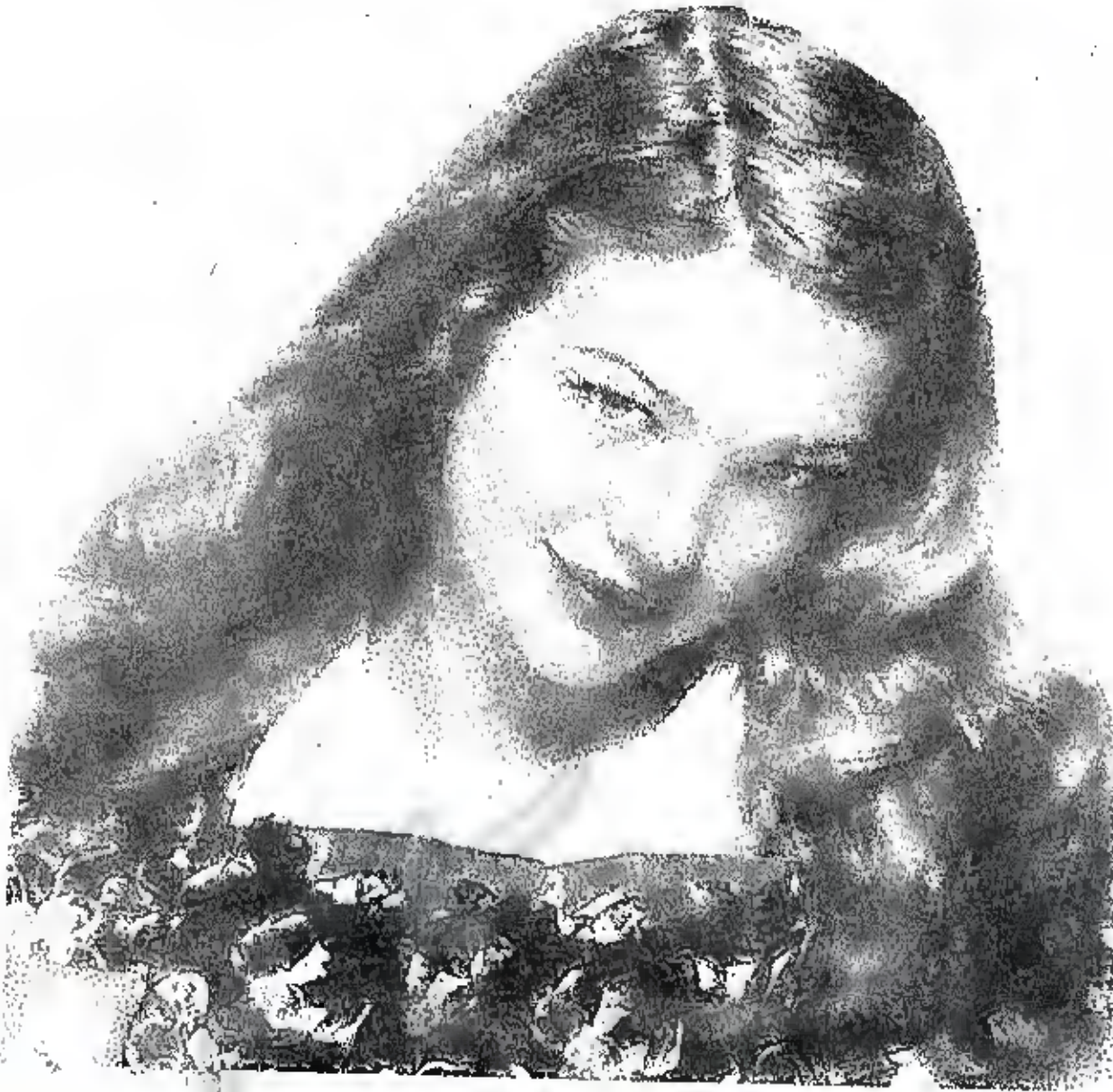
مجھے لینے آئی جس میں یہ اور اس کے ساتھی مجھے زبردستی لے گئے۔“ زمین کی آواز بھیک چکی تھی۔
 ”وہ تو قسمت میرے ساتھ تھی جو راستے میں گاڑی کے پیچھے پولیس وین لگ گئی۔ انہوں نے گاڑی سنانا جگہ موڑ دی لیکن پولیس ان کے پیچھے ہی تھی۔ پھر انہوں نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے مجھے چلتی گاڑی سے پھینک دیا اور میرا سر ایک پتھر کے ساتھ ٹکرانے سے میری یادداشت چلی گئی اور یہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔“
 ہادی کا خون کھول رہا تھا لیکن اس نے زمین کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا۔ زمین کی باتوں میں بھی خوب غصہ تھا۔
 ”ہادی! جو وہاں اپنی فیکٹری کے لیے زمین دیکھنے کے لیے آئے تھے۔“ زمین نے ہادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے اپنے گھر لے گئے میری یادداشت جا چکی تھی۔ وہاں بہت پیار کرنے والے لوگ تھے جو میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ کل میں میٹر ہیوں سے گری جس کی وجہ سے میرے سر پر چوٹ آئی اور میری یادداشت آ گئی۔ میں آپ سب سے کہتی ہوں کہ اپنی بہن، بیٹیوں کے رشتے کروانے سے پہلے لڑکے کا بیک گراؤنڈ ضرور چیک کریں، تاکہ آپ کی بچیاں بھی میری طرح دھوکہ نہ کھائیں۔“
 باہر پولیس کی وین آ گئی تھی جسے ہادی نے بلوایا تھا۔ پولیس کو بھی راجیل کی تلاش تھی پولیس راجیل کو لے گئی۔ زمین کے گھر والے ہادی کے بہت شکر گزار تھے اور زمین سے بہت شرمندہ ہما کی زندگی برباد ہونے سے بچ گئی اور ہادی زمین کو رشتہ لے کر آنے کا کہہ کر گھر لوٹ گیا کہ اسے جلد سے جلد اپنے گھر واپس لانا تھا۔

زفر کی روئے بھائی نو

”فارا، ایسے یہاں کیوں بیٹھی ہو؟“
سارا اس کے برابر دھم سے بیٹھی قدرے حیرت سے بولی تھی۔
”دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہی ہوں۔“

اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا، جبکہ سارا کے خاک بھی پلے نہ بڑا تھا اور اسی وقت ان دونوں کو ڈھونڈتی زارا وہیں چلی آئی تھی۔
”آپ دونوں یہاں اکیلے کیوں بیٹھی ہیں؟“
یقیناً میرے خلاف کوئی سازش کر رہی ہوں گی۔“
زارا نے ان کے برابر کھٹکتے ہوئے قدرے مشکوک نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا کہ جب سے اس کی منگنی فارا کے اکلوتے پندسم بھائی سے ہوئی تھی، جب سے ہی وہ ان دونوں کو شک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی

تھی کہ اسے لگتا تھا کہ یہ دونوں نندیں مل کر کوئی گند نہ کر دیں کہ علی شیر میں تو اس کی جان بند تھی، کتنی دعاؤں سے اسے پانے کی پہلی منزل طے کی تھی (منگنی جو ہو گئی تھی) کہ آخری منزل شادی تھی، مگر جس کے کوئی امکان نہ تھے کہ گھر کا سب سے بڑا پوتا واداسے خفا ہو کر شہر بدر ہو گیا تھا اور سب سے پہلے شادی بھی اس کی ہوئی تھی، پہلے جسے شادی کی جلدی تھی علی گل کی واپسی کی دعا صبح و شام اٹھتے بیٹھتے کر رہا تھا۔



WWW.PAKSOCIETY.COM



”ہم تمہارے خلاف سازش کیوں کریں گے؟“
سارا نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ کھسکیا
گی۔

”مجھے بلائے بنایاں جمع ہو گئیں تو.....“
”کہا اس نے گرد میں جانتی ہوں یہ شک کا کیزا
کہاں تمہارے ذہن میں کلبلا رہا ہے، مگر اپنی سوچوں
حرکتوں سے باز آ جاؤ ورنہ ہم سچی سچی والی ڈراڈی
مندیں بن جائیں گی۔“

اس نے دنیا کی بے ثباتی پر غور ترک کرتے ہوئے
اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا، جس کا منہ لٹک گیا تھا، سارا
کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

”فارار نے ٹھیک کہا، غضب خدا کا تمہارے ساتھ
ساتھ نفلیں پڑھیں دعائیں مانگیں، دادا ابو کے کمرے
کے باہر کھڑے ہو کر جاسوسی کی اور تو اور شیر بھیا کی
کچھاڑ میں کود پڑے ان کے کمرے کی تلاشی لی کہ کسی
حسینہ کی تصویر چھپائے تو نہیں پھر رہے وہ اتنا کچھ ہم
نے تمہارے لئے کیا اور تم ہم پر ہی شک کر رہی ہو۔“

سارا جوش خطابت میں ادھر ادھر کا ہوش بھی بھول
بیٹھی تھی اور جنہیں ہوش تھا وہ علی شیر کو دیکھ کر کھڑی
ہو گئی تھیں، زارا کی رنگت لال ہو گئی تھی، وہ اس دشمن
جان سے نظر چرائے کھڑی تھی کہ منگنی کے بعد سے وہ
اس کے سامنے پڑی لال پیلی ہو جاتی تھی، سارا کی
نظر جیسے ہی کالے بوٹوں پر پڑی اس نے نگاہ اٹھائی
اور علی شیر کو دیکھ کر اس کی ٹہنی گم ہو گئی۔

”تم کس کی اجازت سے میرے کمرے میں
سو کالڈ کسی حسینہ کی تصویر ڈھونڈنے لگی تھیں؟“
اس کے تیور دیکھ کر یک دم سارا کی ہنسی چھوٹ گئی
ان دونوں نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہو
اور علی شیر کو سچی سچی کا غصہ آ گیا۔ مگر وہ ظاہر بھی نہ
کر پایا تھا کہ وہ معصومیت سے بول رہی تھی۔

”بھیا! زارا کی اجازت ہے۔“
وہ اپنی ہی شرارت پر متبسم تھی اور اس کی آنکھیں

باہر آنے لگی تھیں، جبکہ علی شیر نے بے ساختہ المٹی
مُسکراہٹ کو کمال ہوشیاری سے چھپا لیا تھا۔

”زارا اجازت دینے والی کون ہوتی ہے؟“
اس نے بے یقین کھڑی زارا کو دیکھ کر مصنوعی غصہ
کا اظہار کیا تھا۔

”آپ کی منگیترا اور مستقبل قریب میں اس نے ہی
تو آپ کے کمرے کی مالکن بننا ہے۔“
فارار نے عقلمندی سے انٹری دی تھی۔

”شٹ اپ اور خبردار جو تم نے یا سارا نے آئندہ
کسی بھی فضول لڑکی کے کہنے پر میری جاسوسی کی۔“
اس نے بہن کو ڈپٹا تھا، اس کو مسکراتے دیکھ کر وہ
دونوں بھی مسکرا دی تھیں۔

”وہ تو شکر تھا کہ ساری حسیناؤں کی تصویریں
میں نے بریف کیس میں رکھی تھیں، ورنہ تو تم لوگوں
نے تو دیکھنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“

اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور وہ ایک
گھوری اس پر ڈالتا نکلتا چلا گیا تھا، وہ بھیگی پلکوں سے
جب تک وہ نظر آتا رہا تھا اس کے ہاتھ میں موجود
بریف کیس کو دیکھتی رہی تھی اور اس کا نظر آنا بند ہوتے
ہی جو ردنا شروع ہوئی، وہ دونوں اپنی شرارت بھول کر
پریشان ہو گئی تھیں۔

”زارا، پلیز! ایسے نہ رو ہم سب تو مذاق کر رہے
تھے۔“

فارار اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔
”نہیں فارا! اتنا سنگین مذاق نہیں ہوتا، علی شیر کو مجھ
سے کوئی دلچسپی نہیں ہے انہوں نے صرف دادا ابو کے
لئے مجھ سے منگنی کر لی، لیکن میں یہ منگنی ختم کر دوں
گی۔“

زارا ایک جذباتی لڑکی تھی اور اس کا جذباتیت میں
لیا فیصلہ ان دونوں کے قدموں تلے سے زمین کھسک
گئی تھی، جبکہ وہ دوڑتی ہوئی اندر پہنچی تھی شام کا وقت
تھا لاؤنچ میں سب ہی موجود تھے کہ ان کے ہاں شام

کی چائے شروع سے سب ساتھ بیٹے تھے، اس کی
دھواں دھارا انٹری سب کو ہی پریشان کر گئی تھی اور جو
اس نے کہا ان سب کے حیرت سے منہ کھل گئے
تھے۔

”دادا ابو! میں نے علی شیر سے شادی نہیں کرنی
ہے، آپ یہ منگنی ختم کر دیں۔“

علی شیر نے ایک نظر روٹی ہوئی زارا کو دیکھ کر ان
دونوں کے ہوا بیاں اڑاتے چہرے کی جانب دیکھا
تھا اور لب بھینچ لئے تھے۔

”یہ کیا کہو اس ہے زارا؟“

زارا کی ممانہایت نا پسندیدگی سے کہہ اٹھی تھیں،
مگر وہ اب کے کچھ نہ بولی اور دوڑ کر دادی تک گئی اور
گھٹنوں پر سر رکھ کر ان کے قدموں کے پاس ہی
کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ اچھا خاصا خوشگوار ماحول کشیدہ
ہو گیا تھا وہ تو بڑے جارحی تھی، علی خان نے ان
دونوں سے کہا تھا کہ وہ سب کچھ بتا دیں اور ان سے
پہلے ہی علی شیر بول اٹھا اور ساری تفصیل بتا ڈالی،
تفصیل ایسی تھی کہ سب ہی سکون سے مسکرائے
تھے۔

”کب عقل آئے گی اس لڑکی کو؟ مذاق تک نہیں
سمجھتی۔“

دادی ماں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے کہا تھا۔

”دادی ای! یہ مذاق نہیں ہے علی شیر نے خود کہا
ہے آپ کو پھر بھی نہیں یقین تو آپ ان کا بریف کیس
چیک کر لیں۔“

وہ سوں سوں کرتے ہوئے بولی تھی۔

”چلو برو خور دار اپنا بریف کیس چیک کر دو۔“
علی شیر باپ کے مسکرا کر کہنے پر گڑ بڑا گیا تھا۔

”بابا جانی! آپ سب بھی کس کی باتوں میں
آ رہے ہیں۔“

وہ رورو کر گلابی ہو جانے والی زارا کو دیکھ کر جان
چھڑانے والے انداز میں بولا تھا۔

”دیکھا دادی ای! اس میں لڑکیوں کی تصاویر ہیں
جیسی تو یہ ایسے کہہ رہے ہیں۔“

وہ دادی کی طرف مڑ کر ردنا شروع ہو چکی تھی دادا
ابو نے بھی وہی بات دہرائی تو اسے نہ چار اپنا بریف
کیس سائیڈ سے اٹھا کر دادا کی طرف بڑھانا پڑا اور
علی خان نے فارار سے کہا کہ وہ زارا کو دے دے کہ
بریف کیس کھول کر تلاشی دہی لے گی، پہلے تو وہ
انکاری ہوئی مگر دادی کے کہنے پر کانپتے ہاتھوں سے
کھولنے لگی، اس کے ہاتھوں کی لرزش دیکھ کر وہ سب
ہی مسکرا رہے تھے، اس نے فائلز باہر نکالی تھیں اور
دھک سے رہ گئی تھی کہ سارے پیپر ز باہر آنے کے
بعد اب اسے ایک تصویر صاف رکھی نظر آ رہی تھی،
اس کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو گرے تھے اس نے
نظر اٹھا کر ان سب کو ہی شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھا
تھا، جیسے تصویر کے نکلنے میں ان سب کا ہاتھ ہو، آخری
نگاہ سنجیدہ بیٹھے اس پنڈت سے شخص پڑا لی تھی، جو اس
کی پہلی محبت دل کا قرار تھا، اس کی نگاہوں میں انکے
موتی اور شکوے ویسے ہی دیکھ کر اس کے دل کو کچھ ہوا
تھا، کہ وہ بے وقوف سی جذباتی لڑکی اسے بے حد عزیز
تھی، اسی لئے تو اس نے دادا سے کہہ کر اسے اپنے
نام کر دیا تھا۔ اس نے الٹی پڑی تصویر اٹھائی، مگر
سیدھا کر کے دیکھنے کی اس کی ہمت نہ ہوئی تو پشت
اپنی طرف رکھ کر فرٹ سے سب کے سامنے لہرا دی،
جس پر نگاہ پڑتے ہی دبی دبی ہنسی کمرے میں پھیل
سی چلائی اور سب بڑوں کی معنی خیز نگاہیں خود پر جمی
محسوس کرتے ہوئے علی شیر بری طرح جھینپ گیا
تھا۔

”اب تو آپ سب کو یقین آیا ناں کہ میں غلط
نہیں کہہ رہی تھی، علی شیر کے بریف کیس میں لڑکی کی
تصویر ہے۔“

وہ اب اور شدتوں سے رو رہی تھی۔

”آگیا یقین مگر تم بھی یقین کرو، ایک نظر تصویر کو

دیکھتے تو لو۔“

علی شیر کی مامی شہزادہ سے بولی تھیں۔

”آپ تو علی شیر کا ہی ساتھ دیں گی ناں کہ یہ آپ کے بیٹے ہیں، مگر آپ تو مجھے بھی بچپن سے کہتی ہیں کہ میں آپ کی بیٹی ہوں، میرے ساتھ آپ دشمنی کیوں نکال رہی ہیں؟ آپ سے چچی امی اب بات نہیں کروں گی اور یہ تصویر تو میں نے دیکھی ہی نہیں ہے۔“ وہ تصویر دور اچھالتی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ سب کی نظریں محسوس کر کے وہ جانے کو کھڑا ہوا تھا کہ علی خان نے اسے پیٹھ جانے کا اشارہ کر دیا اور مسکراتے ہوئے نیا فیصلہ صادر کر دیا کہ اگلے مہینے کی گیارہ کو علی شیر اور زارا کا نکاح ہوگا اور ساتھ ہی فارا اور علی گل کی شادی ہوگی۔ وہ مسرور سا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا، اس کا سب نے ریکارڈ لگایا ہوا تھا، جبکہ اس نے رو رو کر حشر کیا ہوا تھا کہ سب جانتے ہوئے بھی وہ سب اس کی شادی علی شیر سے کیسے کر سکتے تھے۔ مگر اس کی تسلی کر دئے بناء گھر میں شادی اور نکاح کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ علی خان کے دو بیٹے علی نواز اور علی وارث تھے اور ایک بیٹی نور بیگم تھی، علی نور کے دو بچے علی گل اور زارا تھے، جبکہ علی وارث کے دو بچے علی شیر اور فارا تھے۔ جبکہ نور بیگم کی ایک ہی بیٹی سارا تھی۔ علی گل نے ایم بی اے کیا تھا مزاج کا تیز تھا اس لئے اکثر گھروالوں سے ناراض ہو کر لاہور اپنی اکلوتی پھپھو کے ہاں چلا جاتا تھا۔ علی شیر بھی بی اے کرنے کے بعد باپ دادا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا، فارا اور سارا ہم عمر تھیں دونوں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹر کیا تھا، جبکہ گھر بھر کی سب سے چھوٹی زارا نے محض انٹرمیڈیٹ کیا تھا، ایکسٹرا ایموشنل اور بے وقوف سی زارا، علی شیر کے دل میں بیستی تھی اور کب علی شیر اس کی محبت بنا دے جان نہیں سکی تھی، مگر سب جان گئے تھے کہ سارا اور فارا مل کر اسے بے وقوف بناتی رہتی تھیں اور وہ ان کی باتوں میں آ کر

کبھی علی شیر کے لئے چائینیز بنار ہی ہوتی اور کبھی کافی اور جو سز اور یوں ان دونوں کے بھی مزے ہو جاتے تھے کہ سارا شروع سے ہی نانا کے گھر زیادہ رہتی تھی اور ماسٹرز کے بعد سے تو اس کا مستقل قیام ”فٹلی ولار“ میں تھا۔ سارا کی منگنی اس کے تایا کے بیٹے سے ہو گئی تھی اور اسی سال شادی متوقع تھی، سب کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے بھائی کو کال ملائی تھی اور دادا سے خفا علی گل بہن کے رونے کی تاب نہ لاتے ہوئے اگلے سات گھنٹوں میں کراچی واپس آ گیا تھا، جبکہ اسے زارا کی کہی کسی بات پر یقین نہ تھا کہ وہ تو خود اپنے کزن اپنے یار علی شیر کے دل کے رازوں کا امین تھا اور اسی لئے سیدھا اس کے کمرے میں پہنچا تھا اور اس نے ہنستے ہوئے ساری تفصیل کیا بتائی علی گل بھی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

”خوش قسمت ہے تو کہ تجھے اتنی پیاری معصوم سی لڑکی جیون ساتھی کے روپ میں مل رہی ہے، جو من کی سچی ہے جس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں۔“ وہ نری سے بولا تھا کہ اسے اپنی بہن بہت عزیز تھی کہ وہ بھی ہی اتنی پیاری و سیدھی کہ کسی کو بھی اس پر پیار آ جائے، ایسے ہی تو اس میں آمنہ خان اور علی خان کی جان بند نہ تھی۔

”اوہو۔۔۔۔۔ ٹھیک کہا تو نے مگر زارا بہت بے وقوف ہے پارا دادا ابو اور تاتیا ابو وغیرہ نے میرا کتنا مذاق بنایا ہے۔“

اس نے ہمدرد پا کر منہ بنالیا تھا۔

”ہاں تجھے کیا ضرورت تھی کہ تو نے زارا سے وہ بکواس کی اور بریف کیس میں اس کی تصویر رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟“

وہ اسے چھیڑ رہا تھا اور وہ کھسیا ہٹ مٹانے کو ہنس دیا تھا۔

”مریضہ خطرے سے باہر ہیں، آپ لوگ جاہیں

2

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو مل سکتے ہیں۔“

ڈاکٹر کے چند الفاظ ان سب میں خوشی و اطمینان کی لہر دوڑا گئے تھے اور وہ سب اسی خوشی و اطمینان کے ساتھ پرائیویٹ روم کی طرف بڑھ رہے تھے، مگر رک جانا پڑا تھا کہ سب سے آگے کھڑے علی شیر نے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے اور وہ ہر بات کو ان سنا کر تالپے لپے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا تھا۔

”وہ دکھ و غصہ کی سی کیفیت میں ہے، اس لئے اسے جانے دو۔“

علی خان نے باہر کی طرف بڑھتے بیٹے کو روکا تھا۔

”وہ زارا سے بہت محبت کرتا ہے، زارا کی بے وقوفی اور اسے بڑے قدم نے اسے ڈسٹرب کر دیا ہے، اسے کچھ وقت دینا ہوگا۔“

دادا جان نہایت نری سے بولے تھے۔ آج علی گل کی فارا سے اور علی شیر کی زارا سے شادی تھی کہ بات تو نکاح کی ہوئی تھی، مگر علی شیر نے دادا ابو کو حسرتی کے لئے بھی منالیا تھا، مگر ان سب کو ہی امید نہ تھی کہ زارا اپنی بات کا اثر نہ ہوتے دیکھ کر ان سب سے اتنی بدگمان ہو جائے گی، کہ خود کشی جیسے فعل کو انجام دینے سے بھی نہ ڈرے گی، مگر وہ سب ڈر گئے تھے کہ ان سب کی اس میں جان بند تھی، تیج سے اٹھا کر ہاسپٹل لانے اور بھاگ دوڑ کرنے تک سب سے زیادہ سولی پر جان اسی کی لٹکی ہوئی تھی اسے کھونے کا خوف قطرہ قطرہ اس کے وجود میں گرنا اس کا لہو پانی کرتا جا رہا تھا اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہو رہا تھا، اور اس کی جانب سے تسلی پا کر گمروہ ٹھہرا نہ تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ اگر زارا کے سامنے گیا تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جائیں گے اس لئے وہ ایک جھٹک اس کی دیکھنے کی آرزو لئے ہی ہاسپٹل سے نکل آیا تھا کہ اطمینان ملا تھا تو اس کی بے وقوفی کا خیال اس کے وجود میں اشتعال کی لہریں نئی دوڑانے لگا تھا۔ ان سب نے زارا سے کچھ نہ کہا تھا، اس کی حالت محض سنبھلی تھی وہ مکمل

صحت یاب نہ ہوئی تھی، اس لئے سب اس کی دل جوئی میں لگے تھے اور وہ تین دن بعد ہاسپٹل سے گھر آ گئی تھی اور ان تین دنوں میں علی شیر ایک دفعہ بھی ہاسپٹل نہیں گیا تھا وہ گھر آئی ہی کہ اپنے کمرے میں جاتی کہ آمنہ خان نے اسے یاد دلایا تھا کہ اس کا کمرہ بدل گیا ہے اس گھر میں اس کی حیثیت بدل گئی ہے۔ اس نے دادی کو شکوہ کناں لگا ہوں سے دیکھا تھا۔

”آ نکھیں کھول کر حقیقت کو دیکھنا اور پرکھنا سیکھو زارا، کہ جو تم دیکھتی اور سمجھتی رہیں اس میں زرا سچائی نہ تھی۔“

زارا کی ممانہایت ناراضی سے بولی تھیں۔

”حقیقت تو آپ سب کے سامنے تھی ماما، لیکن آپ سب نے حقیقت سے بہت خوبصورتی سے نظر چرائی اور سب کچھ جانتے بوجھتے میری علی شیر سے شادی کر دی جبکہ شیر کو مجھ سے شادی ہی نہیں کرنی تھی، میں ان کی محبت نہیں ہوں۔ میں آپ سب کے لئے اتنی ہی ناقابل برداشت ہوں تو کیوں بچایا مجھے، مرنے دیا ہوتا۔“

وہ سنسنے لگی تھی۔ ”حد ہوتی ہے بدگمانی کی بھی زارا۔“

ممانے ناگواری سے اسے دیکھا اور اسی وقت ان کی نگاہ ضبط سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ کھڑے علی شیر پر پڑی تھی اس کے چہرے نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ گفتگو سن چکا ہے اور ان سب کے کچھ بھی سمجھنے سے پہلے علی شیر آگے بڑھا اور عین زارا کے سامنے آن رکھا۔

”ابھی بھی کچھ کب بگڑا ہے ایک کوشش ناکام تھی دوبارہ کر کے دیکھ لو شاید کہ سیاہ ہو جاؤ۔“ اس کا لہجہ نہایت سرد تھا۔

”ہاں، آپ تو چاہتے ہی بیٹی ہیں ناں کہ میں مرجاؤں، تاکہ آپ اس بریف کیس والی لڑکی کو لے آئیں۔“

رداؤ انجسٹ 227 اگست 2016ء

رداؤ انجسٹ 226 اگست 2016ء

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



وہ سرخ آنکھوں میں نادانی و شکوے سیٹے اس کو دیکھنے لگی تھی۔

”دادی ماں، سمجھالیں اسے، کہ اگر اب اس نے کوئی بکواس کی یا پھر کوئی احمقانہ حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں خود اسے جان سے مار دوں گا۔“

اس کی آنکھوں میں آنسو اسے بے بس کر گئے تھے اور وہ جھنجھلا کر دادی کی طرف گھوما تھا اس کے بے بس سے انداز میں چھلکتی زارا کے لئے محبت اور پردہ ان کے لبوں پر آنسو دہی مسکان کھلا گئی تھی۔

”تمہاری بیوی سے چاہے جو سلوک کرو ہم کون ہوتے ہیں درمیان میں کچھ بولنے والے۔“

وہ صوفے سے اٹھ گئی تھیں سب ہی ان کا اشارہ سمجھ گئے تھے اور آگے پیچھے لاؤنچ سے نکلنے لگے تھے وہ بھی آگے بڑھی، یہ تھی کہ وہ اس کی کلائی تھام گیا تھا اور وہ اسے چھڑانے میں ناکام ہوئی اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی تھی اور اس نے کمرے میں لا کر اس کی کلائی آزاد کر دی تھی۔

”دل میں تو آرہی ہے کہ مار مار کر تمہاری عقل ٹھکانے لگا دوں مگر کیا کروں کہ اپنے دل سے مجبور ہوں ایک سے بڑھ کر ایک حسین لڑکیوں میں سے دل جس پر آیا نہ صورت ڈھنگ کی اور نہ ہی عقل دباغ میں لگتا ہے بھوسا بھرا ہے۔“

وہ اس کو روٹے دیکھ کر نان اسٹاپ شروع ہوا تھا اور الماری کی طرف بڑھ گیا تھا اس میں سے کچھ چیزیں نکالی تھیں۔

”رونا بند کر دو اور آنکھیں کھول کر عقل سے سب دیکھ اور سمجھ لو۔“ سارا سامان بیڈ پر ڈالتا اسے بیڈ تک لایا تھا۔

”یہ وہ گفٹ ہیں جو تم نے مجھے میری مختلف کامیابیوں اور خوشی کے موقع پر دیئے تھے۔“

وہ بیڈ پر بکھرے ٹیڈی بئرز، شیش، نائی وغیرہ کو دیکھ کر پہچان گئی تھی اور اب اسے سوالیہ نگاہوں سے

دیکھ رہی تھی۔

”یہ میری ڈائری ہے جس میں اس لڑکی کے بارے میں لکھا ہے جس سے میں نے بے پناہ محبت کی ہے اور یہ رہی وہ تصویر جس نے مجھے سب بدگمان کر دیا تھا۔“

اس نے تصویر کا رخ اس کے سامنے کیا تو اس کی حیرت سے پوری آنکھیں کھل گئیں۔

”یہ تو میری تصویر ہے۔“

وہ ہکلائی تھی وہ مسکرا دیا تھا۔

”نہیں یہ اس لڑکی کی تصویر ہے جس سے میں نے بے تحاشہ محبت کی اور جسے میرے گھر والوں نے مل کر میرا بنادیا۔“ وہ اس کی بے یقینی کو انجوائے کرتا کہہ رہا تھا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ وہ شش و پنج میں گھرتی بے یقینی دنا بھی سے بولی تھی۔

”اس دن تم نے میرے چھوٹے سے مذاق کو اتنا سیریس لیا کہ سب گھر والوں کو بھی رو رو کر بتا دیا اور بریف کیس سے جب تصویر نکالی خود دیکھنے کی زحمت نہ کی اور باقی گھر والوں کو دکھادی جب تصویر تمہاری تھی تو گھر والے تمہارے دادیلے پر کیسے کان دھرتے؟ میری خواہش و خوشی کے مطابق تم سے شادی کر دی۔“

وہ اب اس کی بے وقوفی کا مذاق بنا رہا تھا ذرا سا غور کرنے پر ہر بات اس پر منکشف ہو گئی تھی کہ اب سمجھ آیا تھا کہ گھر کا کوئی بھی فرد اس کی کیوں نہیں سن رہا تھا یہاں تک کہ علی گل نے بھی علی شیر کی ہی حمایت کی تھی۔

”آپ سب لوگوں نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔“

وہ رو رہی تھی۔

”بے وقوف کو کوئی بے وقوف نہیں بنا سکتا۔“

اس کے سامنے رکا تھا آنسو پونچھنے کو ہاتھ بڑھایا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

”شٹ اپ آپ سب نے مل کر مجھے دھوکا دیا، میں کتنی تکلیف میں تھی مگر کسی نے بھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی، میری حالت ہے آپ سب حظ اٹھاتے رہے۔“ وہ بدک کر فاصلے پر ہوئی شدتوں سے رو رہی تھی۔

”ہر بات تمہارے سامنے تھی تم ہی دیکھنے، سمجھنے کو تیار نہ تھیں، عقل ہوتی تو سوچتیں ناں کہ کسی لڑکی کی تصویر دیکھ کر سب میری شادی تم سے کیسے کر سکتے تھے کہ تانی ای اور تانی ابو کی تم سوچتی بنی تو تمہیں نہیں کہ کسی بھی لڑکے سے تمہاری شادی کر کے اپنی جان چھڑاتے۔“ مسکرا کر بولا تھا۔

”کچھ بھی ہے آپ کا ساتھ دے کر سب نے میرے ساتھ تو سونیوں والا ہی سلوک کیا ہے ناں، اگر اس رات مجھے کچھ ہو جاتا تو؟“ وہ سوں سوں کرتی اپنے خوشی کے اقدام کی جانب اشارہ کر گئی تھی۔ ”او ہوں، تمہارے اس قدم نے ہم سب کو ہی ہلا دیا تھا، تمہاری بے وقوفی سے واقف تھے مگر اندازہ نہ تھا تم اتنا انتہائی قدم اٹھا لو گی کہ ہم سب تو محض تمہیں ستا رہے تھے، میں چاہتا تھا کہ تم سچ اور جھوٹ کو خود سے پہچانو، میرے مذاق کو سمجھو، میری آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ لو، مگر تم مجھ سے ہی نہیں تمام گھر والوں سے انتخابدگمان ہوئیں کہ خود کشی کی کوشش تک کر ڈالی۔“ وہ اداس ہو گیا تھا۔ ”میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں علی شیر، مگر کبھی آپ نے یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہی نہیں کہ آپ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں، آپ کی محبت میں جو بے وقوفیاں کیوں اس پر آپ مجھے ڈانٹتے رہے آپ کی ہر ڈانٹ مجھے احساس دلاتی رہی کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں اور میں یہ آپ کا مذاق سمجھ نہ سکی مگر کسی نے بھی میری غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہ کی۔“ وہ اس کے کندھے سے لگی بری طرح سسکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”ریلی سوری، ہم سب تو تمہیں ستا رہے تھے مگر

دروازہ معیار

تلاش میں نظریں گھما نیں تو وہ ندارد بھی میں نے
کیبنٹ کھول کھول کر دیکھے مگر کہیں نظر نہیں آئی۔
”ای! روح افزا کی بوتل کہاں ہے.....؟“ میں

نے یکن سے ہی پکار لگائی۔
”فرق میں ہوگی بیٹا دیکھو لو فریج وہیں رکھتی
ہے۔“ امی نے بتاتے ہوئے بھابی کا نام لیا میں نے
اچھا کہہ کر فرق کا دروازہ کھولا۔

”آہ آم!“ فرق کے اندر نظر ڈالتے ہی آموں
پر نظر پڑی تو میں نے دو بڑے بڑے آم نکال لئے
اتنے دنوں سے عامر سے کہہ رہی تھی کہ آم آگئے ہیں
کسی دن آفس سے واپسی پر لیتے ہوئے آئیں مگر
انہیں یاد ہی نہیں رہتا تھا انہیں آموں سے کچھ خاص
شغف نہیں تھا اگر کسی دن کھا بھی لیتے تو کھانے کے
بعد اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر ٹالکم پاؤڈر کو اچھی طرح
ہاتھوں پر چہرے اور گردن پر لگاتے اس حرکت پر میں
ان کا اچھا خاصا ریکارڈ لگایا کرتی تھی مگر وہ مجبور تھے
انہیں شدید چھینٹا ہٹ کا احساس ہوتا تھا کم کھاتے تھے
مگر میرے لئے ضرور لے آتے تھے مگر اس بار ابھی
تک نہیں لایائے تھے سو ان آموں کو دیکھ کر میرا لپٹانا
بالکل بجاتا تھا شربت بنانے کے ساتھ ساتھ میں نے
آموں کی قاشیں بھی کاٹ لیں دو آموں نے پوری
پلیٹ کو بھر دیا تھا اچانک کھلکے پر میں نے سر اٹھا کر
دیکھا تو فریج بھابی یکن کے دروازے پر کھڑی تھیں۔
”تم کب آئیں.....؟“ انہوں نے آموں

عجیب اجاڑ اور پیزار سے دن تھے گرمیوں کی
دوپہر میں چلتے سورج کا آگ برسانا کچھ عجیب
نہیں لائٹ جانے کے بعد ایسا لگنے لگتا جیسے قدرتی
ہوا بھی بند ہوگئی ہو گھر کے اندر ایک جس کا عالم تھا
ایسے میں میرے دل میں جانے کیا سہانی کہا ہی کے
گھر کے لئے نکل کھڑی ہوئی شوہر نامدار آفس گئے
ہوئے تھے اور بچے اسکول کی طرف سے پکنک پر
گئے ہوئے تھے میں نے عامر (شوہر) کو فون پر ہی
کے گھر جانے کا بتایا اور کہا کہ واپسی پر مجھے وہاں
سے پک کر لیں۔

”اف..... آج کتنی گرمی ہے۔“ دروازہ کھلتے ہی
میں نے امی سے کہا اور ان کے ساتھ چلتی ہوئی
ڈرائنگ روم میں آگئی اے سی کی ٹھنڈک میں کچھ
سکون ملا۔

”آپ لوگوں کی طرف لائٹ کی ٹائمنگ الگ
ہے ہماری طرف تو ٹائمنگ ایسی ہے کہ لگتا ہے دن بھر
لائٹ ہی نہیں رہتی۔“ میں نے منہ بناتے ہوئے کہا تو
ای مسکرا دیں۔

”تم بیٹھو میں تمہارے لئے شربت بنا کر لاتی
ہوں۔“ امی نے مجھ سے کہا تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ
کر روک لیا۔

”آپ بیٹھیں یہاں میں خود بنا لیتی ہوں میرا اپنا
گھر ہے۔“ میں نے ان سے کہا اور شربت بنانے کے
لئے یکن میں آگئی جینی گھول کر روح افزا کی بوتل کی



سے بھری پلیٹ اور شربت سے بھرے جگ کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

”بس ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی“۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی آئیں نا ہمارے ساتھ“۔ میں نے انہیں بھی اپنے ساتھ آنے کی پیشکش کی۔

”نہیں تم کھاؤ“۔ ان کا لہجہ کافی عجیب سا تھا۔

انہیں کیا ہوا میں یہ سوچتے ہوئے چکن سے باہر نکل آئی۔

”اوہ..... گلاس تو رہ ہی گیا“۔ پلیٹ اور جگ نیبل پر رکھتے ہوئے مجھے دھیان آیا۔

”میں لے کر آتی ہوں“۔ امی نے مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”آپ بیٹھیں میں خود لے کر آتی ہوں“۔ میں نے انہیں کندھوں سے تھام کر دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

”ایسا لگتا ہے بھی کچھ کھایا“۔ پیما ہی نہ ہو غضب خدا کا پلیٹ یوں بھری ہوئی تھی جیسے آج سے پہلے آم دیکھے ہی نہ ہوں اور یہ روح افزا کی بوتل اتنی ساری انڈیل دی جیسے پتہ ہی نہ ہو شربت کیسے بنتا ہے اپنے گھر تو ایسے بنائی ہے جیسے بوتل سال بھر چلائی ہو اور یہاں..... میں چکن کے دروازے پر پہنچی تو بھابی کی آواز بڑا ہٹوں کی صورت میری سماعتوں میں زہر گھول گئی میں سن سی ہو کر وہیں کھڑی رہ گئی۔ یہ وہی بھابی تھیں جو اس کی آمد پر پھولے نہیں سناں تھیں اور کھانے پینے کے سامان سے میز پر بھر دیا کرتی تھیں، تصویر کا دوسرا رخ بہت بھیاںک شکل میں سامنے تھا مانا کہ روح افزا میں نے تھوڑا زیادہ ڈال دیا تھا اور آم بھی کچھ زیادہ تھے مگر یہ سب اگر بھابی کرتیں تو بھی کچھ مختلف نہ ہوتا بلکہ شاید ان چیزوں میں ایک دو آٹم کا اضافہ ہی ہوتا اور شربت وہ خود بھی اس کے لئے ایسا ہی بناتی تھیں یہ کہتے ہوئے

کہ مجھے پتہ ہے تمہیں زیادہ روح افزا والا شربت پسند ہے مگر اس وقت یہ سب اس انداز میں سننا میرے لئے خاصا غیر متوقع تھا میں وہیں سے واپس پلٹ گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ امی نے میرے خالی ہاتھوں کو دیکھا تو پوچھا۔

”وہ میں.....“ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا میں جلدی جلدی چہرا گھما کر پلکیں جھپکنے لگی۔

اپنے تئیں میں ان سے اپنی آنکھوں کی نمی چھپانے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ماں تھیں فوراً بھانپ گئیں۔

”کچھ بتاؤ گی.....؟“ امی کے پوچھنے پر میں سوچ میں پڑ گئی کہ آیا انہیں بتاؤں یا نہیں تو کہ وہ ایک سمجھدار اور معاملہ فہم خاتون تھیں مگر اولاد کے معاملے میں ماں کچھ جذباتی ہو جاتی ہے۔

”وریشہ بیٹا! جو بھی بات ہے مجھے بتاؤ“۔

امی نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر دوبارہ سے پوچھا تو میں نے روتے ہوئے سارا قصہ ان کے گوش گزار کر دیا۔

”امی! بھابی ایسی تو نہیں تھیں پھر آج انہیں کیا ہو گیا“۔ میں نے رنجیدہ لہجے میں کہا امی میری بات سن کر تھوڑی دیر میرے چہرے کو دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئیں مجھے بہت افسوس ہوا کہ شاید آج میری وجہ سے بھابی اور امی کے حالات کشیدہ ہونے والے تھے مجھے بہت عجیب لگ رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی اب امی اور بھابی کے پیچھے چلانے کی آوازیں آئیں کہ تب لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھوڑی دیر بعد جب امی دوبارہ ڈرائنگ روم میں آئیں تو ان کے ہاتھ میں کالج کا گلاس تھا۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں اور شربت کا گلاس بھر کر میری جانب بڑھایا۔

”بیٹو.....“ میں گلاس کو پرے کرنے لگی تو انہوں

نے زبردستی میرے ہاتھوں میں تھما دیا۔

میں شاکی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی تو انہوں نے میرا گلاس والا ہاتھ پکڑ کر زبردستی میرے لبوں سے لگایا میں نے چند گھونٹ بھر کر گلاس واپس میز پر رکھ دیا۔

”ایک بات بتاؤ دریشہ بیٹے“۔ امی نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنا شروع کیا۔

”جب تمہاری نندیں آئیں ہیں تب تم کیا کرتی ہو“۔ میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی کہ آخر میری نندوں کا یہاں کیا ذکر مگر امی کی سوال کرتی نگاہوں پر نظر پڑی تو کہا۔

”میں اچھی طرح سے ان کی خاطر تواضع کرتی ہوں تا کہ انہیں یا عامر کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو“۔ میں نے ناچھی کے انداز میں ان کے چہرے کو دیکھا۔

”ہم“۔ امی نے ہنکارا بھرا اور کہنے لگیں۔

”اور جب وہ لوگ واپس جاتی ہیں تو تم اپنی خوشی سے تحفے تحائف بھی دیتی دلاتی ہو جبکہ میں نے دیکھا ہے کہ عامر ان سب کو فضولیات میں شمار کرتا ہے“۔

”بی بی امی! لیکن آپ تو جانتی ہیں ان مردوں کو کیا پتہ دنیا داری کا یہ سب تو کاروبار زندگی ہے اب انہیں خالی ہاتھ تو نہیں بھیجا جاسکتا نا انہیں بھی اپنے سسرال میں منہ دکھانا ہوتا ہے اور ظاہر ہے عامر ان کے اکلوتے بھائی ہیں تو ہمیں ہی سب کرنا ہے آخر کو بھائی بہنوں کا مان ہوتے ہیں“۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اس لمحے مجھے اپنے اندر کافی فخر و غرور کا احساس ہو رہا تھا کہ میں اپنی نندوں کا کتنا مان رکھتی ہوں۔

”ہم.....“ امی نے ر سوچ انداز میں ہنکارا بھرا اور کچھ توقف کے بعد کہنے لگیں۔

”لیکن یاد ہے پچھلی بار جب تمہاری نند آ کر گئی

تھی تو تم نے میرے پاس آ کر کیا کہا تھا.....؟“

ای نے میرے چہرے کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو میں سوچ میں گم ہو گئی مجھے سب اچھی طرح سے یاد تھا پچھلی بار جب صالحہ آپلی آئیں تو انہوں نے ساری شاپنگ عامر کے ساتھ جا کر اکیلے اپنی پسند سے کی تھی اور میں نے اس بات پر کافی ناک بھوں بھی چڑھائی تھی اور امی کے پاس آ کر بھی شکایت کی تھی۔

”عامر کی بہنیں تو سمجھتی ہیں کہ پیسے پیڑ پر لگتے ہیں“۔ جبکہ انہوں نے کوئی خاص خریداری نہیں کی تھی وہ خود سے لیتی تو کچھ چیزیں زیادہ اور مہنگی ہی خریدتی آخر کو اپنے نام کی فکر جو رہتی تھی میں بری طرح شرمندہ ہو گئی امی نے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”تو دریشہ بیٹا! بات یہ ہے کہ انسان اپنی راجدھانی میں کسی کی ذرا سی بھی دخل اندازی برداشت نہیں کرتا“۔ امی کہہ رہی تھیں اور میں شرمندگی سے سوچ رہی تھی کہ واقعی ہم انسانوں کے قول و فعل میں کتنا تضاد ہوتا ہے کیا تھا جو صالحہ آپلی نے اپنی مرضی و خوشی سے شاپنگ کر لی تھی کتنا مان تھا انہیں مجھ پر کہ مجھے ذرا بھی برا نہیں لگے گا اور جو کام میں اپنی خوشی سے کرتی تھی اگر وہی کام انہوں نے اپنی مرضی سے کر لیا تو اس میں بھی کیا برائی تھی آخر کو وہ چیزیں استعمال بھی تو انہیں ہی کرنی تھیں امی کی بات نے میرے اندر سوچ کا ایک نیا دروازہ کر دیا تھا اور اب بھابی بھی مجھے اپنی جگہ غلط نہیں لگ رہی تھیں اور امی کے پیچھے آئی فریج بھابی دروازے کی اوٹ میں شرمندہ سی کھڑی تھیں امی کی باتوں سے انہیں بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا وہ ندامت میں گھری دروازے سے ہی واپس پلٹ گئی تھیں انہیں اپنی نند کی خاطر تواضع کا اہتمام بھی تو کرنا تھا۔

☆.....☆.....☆

روانی ڈائری

اسماء جمشید کی ڈائری سے
ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی نظم

بائشہ سجاد کی ڈائری سے
نقاش کاظمی کا کلام

یہ جبرسن کے فلک پر ہے عیاں عید کا چاند
دل کی شاخ پر کئی ورد کے تارے چمکے
ہم نے دیکھا تو اُفق پر تھا سمندر کا سکوت
ہاں تیرے ساتھ جو گزرے وہ نظارے چمکے
پھر نئی صبح کی آمد کا خیال آتے ہی
ہر گدے میں اسٹگوں کے شرارے چمکے
دھڑکنوں نے یہ خبر دی ہے کہ دونوں جانب
دور ہی دور سے آنکھوں کے کنارے چمکے
وہ جو شاعر تیرا بیمار بھی دلگیر بھی ہے
عید کے دن تیری قسمت کے سہارے چمکے

سیمانا صر کی ڈائری سے
وصی شاہ کی نظم

میں ہوں تیرا خیال ہے اور چاند رات ہے
دل درد سے بڑھال ہے اور چاند رات ہے
آنکھوں میں چھہ کی ہیں تیری یادوں کی کرچیاں
کاندھوں پر غم کی مثال ہے اور چاند رات ہے
دل توڑ کے خموش نظاروں کا کیا ملا
شبِ غم کا یہ سوال ہے اور چاند رات ہے
پھر تیلیاں سی اڑنے لگیں وحشتِ خواب میں
پھر خواہش وصال ہے اور چاند رات ہے
چھلکا سا پڑ رہا ہے وحشی وحشتوں کا رنگ
ہر چیز پہ زوال ہے اور چاند رات ہے

عید امید ہے
ایک گھر میں تو خوشیوں کا سامان ہے
ایک گھر میں مگر دکھ کا طوفان ہے
عید حیران ہے
عید ہیرا نہیں عید موتی نہیں
عید ہنسی نہیں عید روتی نہیں
ایک آگن کہیں کوئی ایسا بھی ہے
جس میں شہزادی صدیوں سے سوتی نہیں
شہزادے کی جب دید ہوتی نہیں
عید کے دن بھی بھر عید ہوتی نہیں

کرن ناز کی ڈائری سے
زبیر جمال کی نظم

سوچتی ہوں میں آج بھی اکثر
آؤں کیسے میں تیرے پاس اڑ کر
تیری یادیں رلائی رہتی ہیں
شور مجھ میں بجائی رہتی ہیں
دل بھی زخمی ہے آنکھ جل کھل ہے
جسم کیا روح میری گھائل ہے
چاند بھی ماں اداس لگتا ہے
پہلے جیسا کہاں چمکتا ہے
سارا منظر بدل گیا ہے ماں
دل پہ خنجر سا چل گیا ہے ماں
بعد تیرے نہ پھر خوشی آئی
کب لبوں پہ میرے ہنسی آئی
دل میرا اب یہاں نہیں لگتا
کوئی موسم ہو اب نہیں چچا
ماں تجھے ڈھونڈوں کہاں.....؟

شبانہ زبیر کی ڈائری سے
پروین شاکر کی نظم

مجھے مت بتانا
مجھے مت بتانا
کہ تم نے مجھے چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا
تو کیوں
اور کس وجہ سے
ابھی تو تمہارے پھر نے کا دکھ بھی نہیں کم ہوا
ابھی تو میں
باتوں کے وعدوں کے شہرِ طلسمات میں
آنکھ پر خوش گمانی کی پٹی لئے
تم کو پیڑوں کے پیچھے

درختوں کے جھنڈ
اور دیواروں کی پشت پر ڈھونڈنے میں
مگن ہوں
کہیں پر تمہاری صدا اور کہیں پر
تمہاری مہک
مجھ پر ہنسنے میں مصروف ہے
ابھی تک تمہاری ہنسی پہ نبرد آزما ہوں
اور اس جنگ میں
میرا ہتھیار
اپنی وفار بھروسہ ہے اور کچھ نہیں
اسے کند کرنے کی کوشش نہ کرنا
مجھے مت بتانا

رابعا افضل خان کی ڈائری سے
اعتبار ساجد کی غزل

کبھی جب زندگی میں ہو تمہیں احساسِ تنہائی
تو کچھ اچھی کتابوں اچھے لوگوں کی
رفاقت میں
کسی جلوت کی خلوت میں
بس اپنے دل کو بہلانا
اور اس کو اتنا سمجھانا
کہ اب ان فاصلوں کو پاٹنا مشکل ہے
جاناں
اگر یہ فاصلے مٹ بھی گئے تو
اجنبی بن کر کہیں ملنے سے کیا فائدہ
تمہیں شامِ جدائی اس لئے سمجھا رہا ہوں
میں
کہ جان من!
دکھی ہو کر کبھی فریاد مت کرنا
مجھے تم بھی یاد مت کرنا

انشعار

درختاں ضیاء..... کراچی
ہر شخص اپنے چاند سے تھا مجھ کو گفتگو
میں چاند ڈھونڈتا رہا اور غید ہو گئی
فرزانہ شوکت..... کراچی
کیا کسی ڈوبی کشتی کو بچایا ہم نے
یا فقط شور مچایا لب دریا ہم نے
آئیے آج گریباں میں جھانکیں اپنے
کتنا پایا ہے گلستان سے دیا کیا ہم نے
ماورا بشارت چیمہ..... وزیر آباد
لگتا ہے فسانہ محبت کا یوں اختتام ہوگا ماورا
تشنہ لب بے چین روح بے قرار دل آداس آنکھیں
سحر مبین..... فیصل آباد
وہ مجسم سحر ہیں
ہم گھائل نہ ہوتے تو کیا کرتے

مصباح مسکان رؤف..... جہلم
کوئی کسی سے دور کوئی کسی کے قریب ہوتا ہے
کوئی یاس رہ کر بھی دور کوئی دور رہ کے بھی قریب ہوتا ہے
چاہے کرو ہزار جتن کسی کو اپنا بنانے کے لیے
ملتا ہے ہر کسی کو وہ جو اس کا نصیب ہوتا ہے
فرزانہ داؤد..... کراچی
بس اک شخص ضد ہے میرے دل کی
نہ اس جیسا چاہئے نہ اس کے سوا

رواڈ انجسٹ [236] اگست 2016ء

مدیحہ عرفان..... لاہور
زبان کا دور دور ہوئے گردلوں میں گھر نہ ہوا
ہتھیلیوں پہ لکھے نام ہم سفر نہ ہوئے
عجب طریقہ ہے تجھ کو بھولنے کا
ہم تیری یاد سے اک پل بھی بے خبر نہ ہوئے
ارشاد صدیقی..... راولپنڈی
کوئی ملا ہی نہیں جس کو وفا دیتے
ہر اک نے دھوکہ دیا کس کس کو سزا دیتے
یہ ہمارا صبر تھا کہ خاموش رہے
ورنہ داستان سناتے تو محفل کو رلا دیتے
ارشاد..... فیصل آباد
بے حس ہیں یہاں لوگ بھلا سوچ کے کرنا
اس دور میں لوگوں سے وفا سوچ کے کرنا
اک بار جو روٹھے تو مناتم نہ سکو گے
ہم جیسے وفا واروں کو خفا سوچ کے کرنا
سیماسیم..... راولپنڈی
مکتب عشق کے آداب سے تم واقف نہیں وصی
صرف پالینا عشق نہیں فنا ہونا بھی عشق ہے
زہرہ حبیب..... کراچی
ارے سنو! اتنے بھی پیارے نہیں ہو تم
بس میری چاہت نے تمہیں سرچڑھا رکھا ہے

عارفہ..... لاہور
میری طلب تھا ایک شخص وہ جو ملا نہیں تو پھر
باتھ دعا سے یوں گرا کہ بھول گیا سوال بھی
نسیم..... اسلام آباد
بہت اداس ہے کوئی شخص تیرے جانے سے
ہو سکے تو لوٹ آ کسی بہانے سے
تو لاکھ خفا سہی مگر ایک بار تو دیکھ
کوئی ٹوٹ گیا ہے کس قدر تیرے جانے سے
ثاقب..... فیصل آباد
ہم ہی تھے تباہ ہونے کے لئے
اس کا ملنا تو ایک بہانہ تھا

نورینہ..... کراچی
تیز بارش میں کبھی سرد ہواؤں میں رہا
اک تیرا ذکر تھا جو میری صداؤں میں رہا
کتنے لوگوں سے میرے گہرے مراسم ہیں مگر
تیرا چہرہ ہی فقط میری دعاؤں میں رہا
عاصمہ..... اوکاڑہ
دائم آباد رہے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے کوئی ہم سا ہوگا
شازیہ..... کراچی
وجہ بتانے کی ضرورت ہی نہ رہتی
ہم لہجہ بدلتے گئے وہ اجنبی ہو گئے
افشاں..... لاہور
وہ میری ہر بات سے اختلاف رکھتا تھا
چھپ چھپ کے وہ میرا طواف کرتا تھا
کہیں کوئی اور میرے قریب نہ ہو جائے
اس لئے وہ سب کو میرے خلاف رکھتا تھا

ثوبیہ یاسر..... لاڑکانہ
جو ہم سے بخت ہمارے بدل نہیں سکتے
مدار خود تو ستارے بدل نہیں سکتے
ذرا ذرا بھی جو بدلیں بہت غنیمت ہے
جو آپ سارے کے سارے بدل نہیں سکتے
عظمت..... فیصل آباد
اس بے حسی کی دنیا میں دو سوال میرے بھی
کس طرح سے جیا جائے کس کے لئے جیا جائے
رافعہ حبیب..... راولپنڈی
خوشبو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں لیکن
پچھڑیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
ماہین..... کراچی
دشمنی تو خیر ہر صورت ہوتی ہے گناہ
اک متعین حد سے آگے دشمنی بھی جرم ہے
ہم وفائیں کر کے رکھتے ہیں وفاؤں کی امید
دوستی میں اس قدر سوداگری بھی جرم ہے
نور بانو..... کوئٹہ
کیسی کچے رنگ کی طرح شاید
اترنے لگے ہیں سب کے دلوں سے ہم
صباح..... ہارون آباد
تیرے جانے کے بعد کون روکتا ہمیں
جی بھر کے خود کو برباد کیا ہم نے
☆☆.....☆☆

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

ماں

نسل انسانی کا سب سے شیریں سب سے حسین اور سب سے حسین لفظ ”ماں“ ہے اور سب سے لطیف اور شیریں ترین کلمہ ”مادر من“ یا امی ”یا میری ماں“ ہے۔

ماں کا لفظ امید اور محبت کا مرکب ہے دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والا شیریں و شفیق لفظ ”ماں“ سبھی کچھ ہے۔

غم کے اندھیروں میں امید کی کرن در د بھرے لمحوں میں تسکین کا مرہم شب افلاس میں شعاع امید

ماں محبت رحم اور شفقت اور غم کا مٹنے کا منبع ہے جو ماں سے محروم ہے وہ ہر مسرت سے محروم ہے یہ ایک مقدس روح ہے جو ہمیشہ شفقت و محبت کا پھول برساتی رہتی ہے فطرت کی ہر شے ماں کی ہستی کا اظہار کرتی ہے ماں کا لفظ ہمارے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے اور غم و نشاط کے لمحوں میں یہ اس طرح ہمارے ہونٹوں سے پھوٹ نکلتا ہے جس طرح پھول کے سینے سے مہیک پھوٹ کے شفاف اور سجالی فضا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔

الہام دافکار۔ خلیل جبران
شاملہ ملک۔ کراچی

اس ماہ کی خوبصورت بات

کوشش کیجئے جن کے ساتھ عمر گزارنے کا سودا طے کرنا ہو ان سے دل ملیں نہ ملیں ذہن ضرور ملتے ہوں۔

دھنک ناز۔ کراچی
الوداع ماہ رمضان اور میٹھی عید

چلا جاتا ہے ہر پل تو غم نہ کر یہی اصول قدرت ہے مسکان
دربارہ خوشیاں یہ نصیب ہوں چلو مل کے ہاتھ اٹھائیں دعا کے لئے

ایمنہ رؤف۔ جہلم
اس ماہ ملکوں کی کہاوٹیں

☆ اجنبی خواہ کتنی بڑی آنکھیں کیوں نہ رکھتا ہو اسے وہ کچھ نظر نہیں آتا جسے گاؤں والے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ (چینی کہادت)

☆ اپنی جھونپڑی میں کبھی اتنا اندھیرا نہیں ہوتا جتنا غیر جگہوں پر۔

(برطانوی کہادت)

☆ کپڑے کو کاٹنے سے پہلے سات بار ناپو کیونکہ اسے کاٹنے کا موقع صرف ایک بار ہی ملتا ہے۔

(ردی کہادت)

☆ شیر کی وحشت اور بربریت دور سے نظر آتی ہے مگر انسان کی وحشت دکھائی نہیں دیتی۔ (امریکی کہادت)

☆ لکڑی کا ٹکڑا دس برس تک بھی پالی میں رہے مگر میچ نہیں بن سکتا۔

(افریقی کہادت)

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ عاشق کی روداد.....!

جنوری میں سرسری ملاقات ہم نے کی
فروری میں اس سے کچھ بات ہم نے کی
مارچ میں اشارے سے پیغام دیا اس نے
اپریل میں آنکھوں سے سلام کیا اس نے
مئی میں وہ آکر آنکھوں میں بس گئی
جون میں آکر وہ دل میں اتر گئی
جولائی میں کھائی ہم نے جینے مرنے کی قسمیں
اگست میں توڑ دیں ہم نے زمانے کی رسمیں
ستمبر میں اچانک اس نے ملاقاتیں کم کر دیں
اکتوبر میں اس نے باتیں بند کر دیں
نومبر میں اس کی شادی کا کارڈ آیا
دسمبر میں اسے بہن کہہ کر دل کو بہلایا
ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کا قطعہ

پڑھ کے ادروں کی جنگ میں یاردا
اپنا حلیسہ بگاڑ بیٹھے ہیں
کل جہاں کھیلتی تھیں سب خوشیاں
ہم وہ گھر ہی اجاڑ بیٹھے ہیں
راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان
اس ماہ کے اقوال

☆ عمر بھی ضمیر اور جوتے کی مانند ہے ان کی

موجودگی کا احساس اس دقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ تکلیف نہ دینے لگیں۔

☆ محبت اعتبار کے بغیر کچھ بھی نہیں جبکہ اعتبار محبت کے بغیر بھی بہت قیمتی ہوتا ہے۔

☆ انسان جس کیفیت اور عقیدے میں جان دے گا اسی میں اٹھایا جائے گا دعا کریں کہ دقت رخصت کلمہ نصیب ہو۔

☆ شاخ پر بیٹھا پرندہ شاخ کی کمزوری یا اس کے جھولنے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو شاخ پر نہیں اپنے پردوں پر اعتماد ہوتا ہے۔

☆ جب ناخن بڑے ہو جاتے ہیں تو ناخن ہی کاٹے جاتے ہیں انگلیاں نہیں بالکل اسی طرح جب رشتے داروں میں رنجش پیدا ہوتی ہے تو رنجش ختم کرنی چاہئے نہ کہ رشتے۔

صدف منیر۔ سرگودھا

اس ماہ کی نظم

سارا شہر بلکتا ہے
پھر بھی کیسا سکتہ ہے
ہر کوئی تصویر نما
در خلاء میں تکتا ہے
گلیوں میں بارود کی بو
یا پھر خون مہکتا ہے
سب کے بازو رخ بستہ
سب کا جسم دکھتا ہے
ایک سفر دہے جس میں
پاؤں نہیں دل ٹھکتا ہے
تیرا پھڑنا جان غزل
شعر غزل کا قطع ہے

شاعر۔ فراز احمد

انتخاب۔ عانیہ نیازی۔ ربوہ

روداد مجسٹ [239] اگست 2016ء

روداد مجسٹ [238] اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوشبو

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
”صدقے نے کبھی مال نہیں گھٹایا اور غنودہ درگزر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے اور جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے ضرور اونچا کرتا ہے“

(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
”ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے۔“
”اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (بہترین) بدلہ عطا فرما۔“

دوسرا کہتا ہے۔ ”اے اللہ! روک کر رکھنے والے کے حصے میں ہلاکت کر۔“

(بخاری مسلم)

قابل غور

☆ ہلکی پھلکی بات ہلکے پھلکے کھانے کی طرح جلدی ہضم ہو جاتی ہے۔
☆ جھنجھلاہٹ کا سب سے موثر علاج ایک

دوست ہوتا ہے جس پر چیخنے چلانے کے بعد آپ اس کی گود میں سر رکھ کر ڈھیر سارا رو سکیں۔
☆ خاموشی ایک ایسا پردہ ہے جس کے پیچھے لیاقت بھی ہو سکتی ہے اور حماقت بھی۔
☆ دنیا کے کام ختم نہیں ہوتے مگر انسان ختم ہو جاتا ہے۔

☆ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ محبت اپنی کتابوں سے ہے کیونکہ انہوں نے اس وقت میرا ساتھ دیا جب میرے ایسوں نے مجھے ٹھکرا دیا۔
☆ تعجب ہے اس پر جو یہ جانتا ہے کہ دنیا فنا کی جگہ ہے پھر بھی اس سے محبت کرتا ہے۔
☆ زندگی گزارنا مشکل ضرور ہے لیکن اپنے رب سے تعلق جوڑنے والے ناکام نہیں ہوتے ہیں۔
☆ اگر نیک نای کا خیال ہے تو اچھے لوگوں سے مراسم رکھو۔

☆ لوگ دوست کو چھوڑ دیتے ہیں بحث کو نہیں چھوڑتے۔

☆ زبان وہ بات کہہ ہی نہیں سکتی جو سلوک سے بیان ہوتا ہے۔

☆ بے بس کی آنکھ سے ٹپکنے والا آنسو کتنی ہی عبادتوں پر فوقیت لے جاتا ہے۔

صبحا سحر۔ ہارون آباد

باتوں سے خوشبو آئے

☆ زندگی اک سراب ہے جس کے پیچھے ہم بھاگتے ہیں

اور موت حقیقت ہے جسے ہم فراموش کئے ہوئے ہیں

☆ پادیس ہمارے دماغ کی ہارڈ ڈسک پر محفوظ ہوتی ہیں جو ہمارے کلک کرنے پر ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو جاتی ہیں۔

☆ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو طاقت خود بخود آ جاتی ہے۔

☆ بے انصافی کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہو جانا ہی بہادری ہے۔

☆ جو محبتوں کی قدر نہیں کرتے وہ ہمیشہ نفرتوں کا نشانہ بنتے ہیں۔

☆ انسان کا راز جب تک اس کے دل میں رہتا ہے وہ سلامت رہتا ہے۔

☆ یقین کرنے کے بعد کسی بھی ثبوت کی گنجائش نہیں رہتی۔

☆ دیوار کا پتھر کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو وہ اپنی قیمت رکھتا ہے۔

☆ فرزانہ شوکت۔ کراچی

☆ زندگی کیا ہے.....؟

کنول یا پھر آگ بادل یا پھر برسات چاند یا پھر رات۔ خواب یا پھر بربادی زندگی کچھ بھی نہ ہو کر سب کچھ ہے تیری ہنسی زندگی ہے تیری خوشی

زندگی ہے۔ تیری نیند زندگی ہے تیرے خواب زندگی ہیں مگر تب تک۔

جب تک تیرا دل زندہ ہے۔
شاء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

کرن کرن روشنی

☆ کسی نے برف سے پوچھا کہ تم اتنی ٹھنڈی کیوں ہو

برف نے کہا میرا ماضی بھی پانی اور مستقبل بھی پانی تو گرمی کس بات کی۔

☆ ویسے ہی انسان کا ماضی بھی مٹی اور مستقبل بھی مٹی تو غرور کس بات پر کرتا ہے سوچنا ضرور۔

☆ انسان کی گفتگو سے اس کا وزن کیا جاتا ہے اور اس کے کردار سے اس کی قیمت لگائی جاتی ہے۔

☆ خوبصورت ہونا اہم نہیں بلکہ اہم ہونا خوبصورتی ہے۔

☆ انسان کی خوبصورتی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جس سے محبت ہو جائے وہ خوبصورت لگنے لگتا ہے۔

☆ اہم بے قریشی۔ ڈی جی خان

☆ میاں بیوی

شوہر میں تنگ آ گیا ہوں!
تم ہمیشہ میرا گھر میری کار میرا میرا کرتی رہتی ہو کبھی ہمارا بھی کہا کرو!

اب الماری میں کیا ڈھونڈ رہی ہو.....؟
بیوی چپک کر بولی۔

”ہمارا دوپٹہ۔“

ریمانا نور رضوان۔ کراچی

☆ دکھ!

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فراز ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مرجائے گا بعض اوقات دکھ بھی کتنے بے رحم ثابت

فری پیر کہنا

ہم نے بھی اپنے گھر کی راہ لی
وہ بھی کسی اور کا مقدر بن چلے
تقدیر سے تو کوئی لڑ نہیں سکتا
ہم بھی قسمت سے سمجھوتہ کر چلے
میں تو تجھے چاہ کر بھی نہ بھلا سکی
اس طرح وہ میرے دل میں بس چلے
ہم تو خدا سے تجھے ہی مانگا کرتے
دعا بھی ہم ایک کسم کر چلے
تسلی موڑ پر اگر کبھی وہ ٹکرائے تجھے
تو دعا کر ہم تجھے بھلا چلے
صغریٰ کوڑا۔ ادا کاڑہ

اچھا لگتا ہے

پہروں تمہارے بارے میں
سوچنا اچھا لگتا ہے
درد دیوار سے تیرے چہرے کو
کھوجنا اچھا لگتا ہے
ہونٹوں پہ مسکان چھپائے
پلکوں کو جھپکنا اچھا لگتا ہے
تیرے بالوں کو
سہلانا اچھا لگتا ہے
پلکوں کی گھٹی باڑھ کو
ہونٹوں سے چھوٹنا اچھا لگتا ہے
انتظار کی گھڑیاں شمار کرنا

مدینے

ہے کب سے یہ آرزو میری
کہ شام و سحر مدینے میں گزرے
ہو جائیں سنت کی بھجور میرا رزاق
ہے آب زم زم کا پانی ہی میری پیاس
ہے کب سے یہ خواب میرا
کہ شام و سحر مدینے میں گزرے
ہو جائے رسول اللہ ﷺ کی زیارت میرا مقدر
ہے مدینے کی مٹی ہی میری درود یوار
ہے کب سے یہ عبادت میری
کہ شام و سحر مدینے میں گزرے
ہو جائے مجھ سے راضی میرا رب
ہے ماں کی گود سے لحد تک میری روح
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مدیحہ اعجاز

نظم

اے چاند اب کسی اور اُفق پر چکا کر
اے چاند اب کسی اور اُفق پر چکا کر
وہ تو ہمیں چھوڑ کر ہمیشہ واپس چلے
بن گئے وہ تو کسی اور کے
ہم بھی کسی اور راہوں پر چلے
جس طوطے میں اپنی جان تھی
وہ تو کسی اور دیس کو اڑ چلے

لیکن مٹھی سے ادھر کا حصہ کاٹ دیا۔

دھنک ناز۔ کراچی

کمرہ امتحان

امتحان دے کر آنے والے طالب علم سے
اس کے دوست نے پوچھا۔
”بہت ادا لگ رہے ہو کیا پرچہ اچھا نہیں ہوا۔“
”پیر مشکل آنے کا اتنا دکھ نہیں ہوتا میرے
دوست! جتنا کمرہ امتحان میں سب سے آگے
بیٹھنے پر ہوتا ہے۔“
شمالہ ملک۔ کراچی

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک شخص پہاڑی راستے پر جا رہا تھا راستے
میں اس کی ملاقات ایک چرواہے سے ہو گئی اس
نے چرواہے سے کہا۔
”اگر میں تمہاری بھیڑوں کی صحیح تعداد
بتا دوں تو کیا دو گے؟“

”ایک بھیڑ“۔ چرواہے نے کہا۔
”ٹھیک ہے“۔ اس شخص نے جواب دیا۔
”تمہاری بھیڑوں کی تعداد دو سو ستاسی ہے۔“
تعداد درست تھی چرواہا حیران ہو گیا۔ اس
شخص نے ایک بھیڑ اٹھا کر اپنے کندھوں پر لاد لی
جب وہ جانے لگا تو چرواہے نے کہا۔
”اگر میں یہ بتا دوں کہ تم کون ہو تو کیا تم
میری چیز مجھے واپس کر دو گے؟“

”ٹھیک ہے“۔ اس شخص نے رضامندی ظاہر کر دی۔
”تم ایک بیورو کریٹ ہو“۔ چرواہے نے کہا۔
جواب درست تھا۔ بیورو کریٹ نے حیرت سے پوچھا۔
”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“

”بتاتا ہوں“۔ چرواہے نے کہا۔
”پہلے میرا کتا اپنے کندھوں سے نیچے اتار دو۔“
رابعہ مشیر۔ سرگودھا

ہوتے ہیں۔ نہ جاننے کے باوجود ہنستے کھیلتے
انسان کے من میں بڑی شان سے براجمان
ہو کر اسے اندر سے بالکل کھوکھلا کر جاتے
ہیں۔ پتا نہیں یہ دکھ انسانوں کا پیچھا کب
چھوڑیں گے؟ اس کے باوجود ہم ان خوشیوں
کے پیچھے زیادہ بھاگتے ہیں جو بھی ہمارے
ہاتھ نہیں آتیں اور صرف چند لمحوں پر محیط
ہوتی ہیں۔ آخر کار جب ہم تھک کر چور چور
ہو جاتے ہیں تب یہ دکھ ہی آگے بڑھ کر
انسان کو تھام لیتے ہیں باوجود اس کہ کہ ہم
انسان چاہے جتنے بھی بیزار کیوں نہ ہوں مگر
یہ دکھ ہمیں کبھی اکیلا نہیں ہونے دیتے زندگی
کی آخری سانس تک ساتھ بھاتے ہیں۔

الین۔ امتیاز۔ کراچی

بے مثال

ایک بار ہشام بن الکلسی نے جو مشہور قاضی
گزرے ہیں کہا۔
”میں نے حفظ بھی ایسا کیا کہ کسی نے نہ کیا
ہوگا اور مجھ سے بھول بھی ایسی ہوئی کہ کسی سے نہ
ہوئی ہوگی۔ میرے چچا ایسے تھے کہ وہ مجھے حفظ
قرآن کی اجازت نہ دیتے تھے بلکہ مصرعے مروجہ
علوم میں قابلیت بہم پہنچاؤں پس میں کچھ دنوں
کے لئے اپنی خالہ کے ہاں گیا اور وہاں ایک مکان
میں یہ قسم کھا کر داخل ہوا کہ جب تک پورا قرآن
حفظ نہ کر لوں گا باہر نہیں آؤں گا تو میں نے تیس
دن میں پورا قرآن حفظ کر لیا۔

اور بھول کا واقعہ یہ ہے کہ پچھلے سال میں نے
آئینے میں اپنی شکل دیکھی داڑھی بڑھ گئی تھی اس
لئے میں نے اسے مٹھی میں لے لیا تاکہ مٹھی سے
باہر بڑھے ہوئے بالوں کو نیچے سے کاٹ دوں

پاگلوں کی طرح تجھے پیار کرنا
اچھا لگتا ہے
تیرا مسکرانا میرا روٹھنا
تیرا منانا
تیری سانسوں سے میری سانسوں کو
مہکانا اچھا لگتا ہے
تیرا میری آنکھوں پہ
ہاتھ رکھنا
میرے نخرے اٹھانا
اور تیری بانہوں میں
اپنا چہرہ چھپانا
اچھا لگتا ہے

شہلاگل سحر صالح

نظم

بھلانے کا ارادہ
ہر بار کی طرح
اس بار بھی کھل تھا
مگر
اس بار
دل کے ہمیشہ کے
واویلوں کے ساتھ
یہ دھڑکا بھی آن لگا کہ
بھلا کر
جی تو لیں گے.....؟

سحر مبین

نظم

تم نے جو نسبت جڑی
چاہت تم سے
اپنی ہی بڑھی

کر
تہا نہیں تہائی میں بھی
اس شے میں آئے عکس
تیرا نظر
جس چیز پہ نظر پڑی

عصمت آراء

نظم

سورج کی گری
چاند کی چاندنی
تاروں کی چپک
فضاؤں میں گی
تیرے بغیر بھی ہے
ہر موسم
نہیں ہے کسی
چیز کی کمی

زروہ و صہبان

غزل

اب خود سے مقابلہ کرنے کا سوچا ہے
یہاں اپنے آپ کو آئینہ دکھانے کا سوچا ہے
اب محبت محتاج ہے دھن کی صورت کی
سیرت کا جنازہ اٹھانے کا سوچا ہے
کئی دل ٹوٹ گئے اس درد میں
اس درد کو اب آزمانے کا سوچا ہے
ماتم کناں ہیں غم کی ماری آٹھیں
جب سے ہر خواب جلائے کا سوچا ہے
کیا فائدہ ان بدلتی لکیروں کا زبیر
میں نے اپنے ہاتھ کٹانے کا سوچا ہے
یہ ہنستا ہے مجھ پہ رقیب کی طرح
چاند کو نشانہ بنانے کا سوچا ہے

رداذا نجست 244 اگست 2016ء

یہ میری دیوانگی کا پاگل پن ہے ساتھی
اس کی تکلیفوں کو نظر لگانے کا سوچا ہے
زبیر پنہار

غزل

آنکھ سے آنسو نمایاں نہیں ہوتے
تیری بے وفائی سے پریشاں نہیں ہوتے
تم سلامت رہو پھولوں کی طرح
گزرے ہوئے لمحے مہرباں نہیں ہوتے
تیری دید میں کئی زخم ملے ہیں
کسی کی طرح ہم حیراں نہیں ہوتے
بدلی ہے آسمان نے نگاہ ہم سے
اپنی سوچوں میں ہم جواں نہیں ہوتے
بھر ہوئی تو ہمیں نیند آنے لگی
فاصلے وفا کے درمیاں نہیں ہوتے
کسی کا سایہ بھی ہمیں فریب دے گیا جاوید
تیری ذات سے ہم بدگماں نہیں ہوتے

محمد اسلم جاوید

نظم

مانا وہ ستم گر ہے خاموش رہو تم
غیروں سے اسے پیار ہے خاموش رہو تم
یہ وقت کچھ ایسا ہے کہ بہتر ہے خموشی
پابندی گفتار ہے خاموش رہو تم
بدلا سا نظر آتا ہے کچھ نظم گلستاں
ہر پھول یہاں خار ہے خاموش رہو تم
ساز دل پر درد کو چھڑو نہ خدا را!!!
ٹوٹا ہوا ہر تار ہے خاموش رہو تم
ان سے نہ کرو ان کے ستم کی بھی شکایت
ان کا بھی یہی اصرار ہے خاموش رہو تم
سننے تھے بھی شوق سے جو غم کے فسانے

اب ان بھی انہیں بار ہے خاموش رہو تم
اک روز عیاں راز یہ ہو جائے گا امتیاز
وہ کتنا وفادار ہے خاموش رہو تم
ایس امتیاز احمد

غزل

یہ نہ کہنا کہ ذات کالی تھی
بس یہ کہنا کہ ڈھلنے والی تھی
کون تھا ساتھ میرے ماضی میں
میں تھا اور میری خستہ حالی تھی
وہ بھی سو نہ سکا تھا ساری شب
اس کی آنکھوں میں شب کی لالی تھی
نیم مروہ تھا کوئی کمرے میں
ایک شیشی دوا سے خالی تھی
درد کی شاخ غم زدہ میں نے
اپنے دل کے لہو سے پالی تھی
لوگ سیراب تھے بظاہر تو
دل کے موسم میں خشک سالی تھی
ٹال دی ہے سروں کے بدلے میں
وہ قیامت جو آنے والی تھی
جانے اس کو پتہ چلا کیسے
شمع تو دور سے بجھالی تھی
جس نے دیکھا تھا اک نظر مجھ کو
میری تصویر تک بنالی تھی
غم تمہیں جان سے گیا ساجد
اسے اک آبرو بچانی تھی

سید ساجد

رداذا نجست 245 اگست 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

سنزیر

اجیرن ہو جاتی ہے شوہر اچھا ہو تو عورت سسرال میں ہونے والی تمام خانہ جنگی جیت لیتی ہے عید سروے پڑھ کر بہت مزہ آیا، ردا کی ڈائری کی سب سے بہترین تحریر روشنی فیصل کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی غزل لگی اشعار سبھی کے اچھے تھے مگر بہترین شعر رابعہ منیر کا لگا۔ ”ذرا پھر سے کہنا“ میں سبھی نے بہت اچھا لکھا مگر بہترین تحریر سید ساجد صاحب کی لگی۔ ”سندیے“ کی تو کیا بات ہے یہ ہم تمام دوستوں کی آدھی ملاقات ہے۔ صبا ڈیئر میرا سندیہ پسند کرنے کے لئے شکریہ محبت ہے تمہاری ہمیشہ خوش رہو۔ ابھی ڈائجسٹ مکمل نہیں پڑھا اس لئے مکمل تبصرے سے قاصر ہوں انشاء اللہ اگلے مہینے مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی، تک تمناؤں کے ساتھ اجازت دیجئے۔ اللہ حافظ۔

افشاں علی کراچی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے دوش پر محبتوں و چاہتوں اور دعاؤں کی خوشبو لئے افشاں علی ردا کی محفل میں حاضر خدمت ہے ہماری پیاری دل عزیز و محترم ہستی صالحہ اپنا پیاری سی آواز کی مالک نورین ملک اور ردا کے خوبصورت گلہ سے کو سجانے والی تمام رائٹرز و قارئین کو دل کی انتہا گہرائیوں اور دعاؤں کی خوشبو کے سنگ افشاں علی کا سلام قبول ہو اس سال جتنی افراتفری کے سنگ چاند رات و عید آئی اتنی ہی افراتفری کے سنگ ردا پڑھا گیا وچہ رہی مصروفیات کبھی میزبانی اور کبھی مہمان نوازی اسی میں دو ہفتے

درخشاں ضیاء کراچی
السلام علیکم صالحہ آپ امید کرتی ہوں آپ اور ردا کا تمام اسٹاف حیرت سے ہوں گے اور سب کی عید بہت اچھی گزری ہوگی اللہ کے کرم سے میری عید بھی خوشیوں سے بھری تھی سوچا تھا عید سے پہلے خط لکھ کر آپ کو اور سال کروں گی مگر ہائے رے قسمت مجھے ردا آج یعنی 14 جولائی کو ملائے ملتے ہی پڑھنے بیٹھ گئی مکمل تبصرہ تو نہیں کر پاؤں گی مگر کافی حد تک کوشش کروں گی اپنی نظمیں دیکھ کر دلی خوشی ہوئی سندیہ اور دوستوں کے نام پیغام میں جس طرح تمام سہیلیوں نے مجھے یاد رکھا ان کی محبتوں کی ہمیشہ مشکور رہوں گی افشاں اتنا مغرور انداز عید مبارک کہنے کا دل ہی جیت لیا تم نے تو۔ واقعی تمہاری کمی بہت محسوس ہوئی صالحہ آپ کی لکھی نظم ”نسرین کے دکھ پر“ آکھیں نم کر گئی اللہ پاک مرحومین کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ فریدہ فریدہ آپ کا افسانہ میرا چاند بہت ہی لا جواب رہا عورت گھر کا نظام سنبھالتی اور مرد باہر کا کام سنبھالتے ہی اچھے لگتے ہیں قرۃ العین سکندر کا افسانہ ”مونا کی عیدی“ مختصر مگر پراثر افسانہ تھا آج کل لڑکیوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے اپنی بڑائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں اور تو اور سہیلیاں بھی اب آپس میں ایک دوسرے سے موازنہ کرنے لگی ہیں اللہ ہدایت دے سب کو سعدیہ اقبال کا افسانہ ”بیٹھی عید کا عہد“ بہت اچھا لگا اگر شوہر برا ہو تو سسرال میں زندگی

پھٹنے کا اس سے کوئی ملال نہیں رہا
وہ گزرا وقت تھا اب کوئی خیال نہیں رہا
لیک کہ انھیں سب رب کی بارگاہ میں
ایسی اذان دے وہ بلال نہیں رہا
بدلتے لہجے اور ٹوٹتے رشتے دیکھ کر
ان آنکھوں میں کوئی سوال نہیں رہا
آنکھیں جھک جائیں عزت و تکریم میں
حجاب و حیا کا اب وہ جمال نہیں رہا
اکٹھے ہو کر دھول چٹاتے تھے دشمن کو
یک جہتی کا وہ انداز نی الحال نہیں رہا
درخشاں ضیاء

لب پر مسکان لاتے کیوں ہو؟
ہم کو روز ستاتے کیوں ہو
ہنس ہنس کے غیروں سے مل کر
دل پر تیر چلاتے کیوں ہو؟
ہم سے کرتے بات ہو کم کم
پھر بھی ہم کو بھاتے کیوں ہو؟
کہہ دو صاف نہیں آؤں گا!
دعدوں سے بہلاتے کیوں ہو؟
کردو نا اظہار محبت
شاہین سے کتراتے کیوں ہو؟
سدرہ شاہین

چھوٹے چھوٹے سپنے ہیں
چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں
پلکوں کے سائے تلے
لاکھوں ہیں ارماں پلے
ہزپل چاہتا ہے دل یہی
مل جائیں روز کچھ خوشیاں نئی
غموں کی فصیل کا ہوا اختتام
خوشیوں کی سبیل کا ہوا اہتمام
کھلیں چمن دل میں محبت کے پھول
گلے شکوے اور ناراضیاں سب جائیں بھول
ہر سو بکھرے مسکراہٹ کی ایسی ہر مسکان
مٹ جائیں دلوں کی کدورتوں کے بھی نشان
مصباح مسکان رؤف
غزل

کے اپنا سمجھوں کسے میں پرایا
یہ دنیا ہے بھائی یہاں سب ہے مایا
یہ اپنے ہی ڈسنے کو بیٹھے ہیں زاہی
جن اپنوں کی خاطر ہے سب کچھ گنویا
دعاؤں میں مانگی تھی جن کی بھلائیاں
ان ہی نے دیئے دکھ انہی نے زلایا
یوں دیکھوں تو سارے ہی محسن ہیں میرے
انہی کے احسانوں نے مجھ کو دبایا
زمانے کی سختی کے کر کے حوالے
پلٹ کر نہ لی خبر بہت ہی ستایا
زاہدہ زاہی

گزر گئے انہی مصروفیات کے پیش نظر ردا بھی مکمل نہ پڑھ پائی یہی وجہ ہے تاخیر سے سندیسہ لکھنے کا بھی۔ سب سے پہلے تو ردا اسٹاف صالحہ اپنا اور عید نمبر میں شامل تمام رٹائرڈ کو بہت بہت شکریں کہ انہوں نے اتنا خوبصورت سجا سجاایا عید نمبر ہمیں بطور عیدی تحفہ دیا، عید کی مناسبت سے سجا خوب صورت سا سرورق بہت پسند آیا اس ماہ بھی تحاریر ایک سے بڑھ کر ایک رہیں۔ مکمل ناول و ناولٹ اور کئی افسانوں نے چار چاند لگا دیئے پھر چاہے ”خوشبوؤں جیسا پیار“ سے تاباں ہے چاند رات یا ”عید کی خوشیاں اور جن“ ہو یا پھر زرد موسم سے نکلتی پیتیاں بہت ہی عمدہ تحاریر رہیں ثناء کنول کے قلم میں بھی بہت خوبصورت نکھار آ گیا ہے چھپ گیا چاند دھندلے میں صالحہ اپنا کے قلم سے لکھے الفاظ تو ہوتے ہی ہیں خاص ہر لفظ میں پیغام درد کو چھپاتی ہر پل مسکراتی غم میں بھی عید کی خوشیاں سنائی اس لڑکی کی کہانی ہمیں پھر سے آبدیدہ کر گئی ”میرا چاند“ فریدہ فرید نے بھرپور تحریر بھی مختلف و انوکھی گیتی آراء نے بھی اچھا لکھا واقعی ہمارا آج جو ہے جیسا ہے اسے بھرپور انجوائے کریں بجائے اس کے کہ وہ گزرا کل بن جائے باقی تمام افسانے بھی اچھے تھے قمرش شہک کی آمد اور سباس گل کی شرکت پسند آئی عید سروے میں سب کے جوابات پڑھ کر بہت اچھا لگا مستقل سلسلے بھی اچھے تھے صالحہ محمود کی نظم نسرین کے دکھ پر اف !! درد بیان کرتی آنسو چھلکا گئی سندیسے کی رونق سب قارئین کی شرکت سے دو بالا سی ہو جاتی ہے یونہی سندیسے کی محفل میں رونق لگائے رکھنا دوستوں کے نام پیغام کا تو اب شدت سے انتظار رہتا ہے آخر اتنی پیاری پیاری سکھیاں ہمیں یاد جو رکھتی ہیں فریدہ فرید تو بازی لے گئیں بہت خوبصورت و انوکھا انداز درختاں ضیاء یاد آوری کے لئے شکریہ ثناء کنول میری پیاری سی سکھی دعاؤں کے لئے بہت شکریہ۔ میری بھی دعا

اور بجن شازیہ مصطفیٰ کا ناول بھی بہت اچھا لگا، تاباں ہے چاند رات، جیا قریشی نے بھی کیا خوب لفظوں کا جادو بکھیرا، اب آتے ہیں افسانوں کی طرف، سب سے پہلے محترم صالحہ آپ کا افسانہ چھپ گیا، چاند دھندلکے میں پڑھ کر ایک مرتبہ پھر سے اسے چھین کر لیا، انوکھی عید، سہاس گل کی تحریر سچ میں انوکھی تھی، میرا چاند فریدہ فرید، تحریر کمال تھی، عید نام ہے خوشی کا نظیر، فاطمہ نے بھی بہت خوب لکھا، مونہ کی عیدی، قرۃ العین، سکندر کا افسانہ بھی اچھا لگا، جو بچے ہیں سنگ سمیٹ، لو، کیتی آراء، جی کے قلم نے بھی اپنا خوب جادو بکھیرا، عید اب ملن کو آئی ہے، ماریہ یاسر کی تحریر بھی دل کو خوب بھائی لائف بوائے، شیوہورینہ، سعد کی تحریر بھی اچھی تھی، عید محبت کے سائے تلے، شہلا گل، سحر کی تحریر اپنے نام کی طرح زبردست لگی، عید سنگ ساون، مہرین کنول نے بھی خوب لکھا، عید شیشی کا عید، سندھیا، اقبال کی تحریر بھی اچھی رہی، عید ملن رابعہ کی تحریر بھی اچھی تھی، دریچہ، محبت، نوب نے بھی بہت اچھا لکھا، عید سروے میں تمام رائٹرز کے کٹھے بیٹھے سوال و جواب پڑھ کر بہت مزہ آیا، عید سروے بہت ہی دلچسپ رہا، روا کی ڈائری سے روشنی، فیصل کی ڈائری سے امجد اسلام امجد کی غزل بہت پسند آئی، اشعار سب ہی اچھے تھے، اس ماہ میں اس ماہ زندگی کیسی لگتی ہے، ایس امتیاز احمد نے بہت اچھا لکھا، خوشبو کا ہر لفظ ہی اپنی خوشبو آپ ہے، ذرا پھر سے کہنا میں سب ہی کا کلام بہت اچھا لگا، سب ہی نے بہت خوب لکھا، سندھیے کی محفل میں سب ہی نے خوب رونق لگائی، ہوئی تھی، پھر وہ درختاں ضیاء ہو یا پھر افشاں سیدہ مون بخاری، صبا، عبدالغنی، کیتی آراء، مصباح مسکان، سب ہی نے بہت خوب تبصرے کئے، فریدہ فرید کی کمی سندھیے کی محفل میں شدت سے محسوس ہوئی، سو میٹ سی و درختاں یہ آپ کا پیار ہے، محبت ہے جو مجھے بہت عزیز ہے، آپ کو میرا افسانہ اینڈ سندھیہ پسند آیا اس کے

لے شکریہ کیونکہ سی افشاں علی میری تحریر کی پسندیدگی کے لئے جزاک اللہ پیاری سی سسکی فریدہ فرید آپ نے جس منفرد و پیارے انداز میں عیدوش کی پڑھ کر ہمارا دل خوش ہو گیا، آپ کا عیدوش کرنے کا انداز دل چھو لینے والا تھا، ڈیر صبا عبد اللہ میری تحریر آپ کو پسند آئی ہے مجھے بہت اچھا لگا ہے اینڈ تمہاری ٹریٹ نے دل کو باغ باغ کر دیا بہت یونیک ٹریٹ دی تم نے مجھے اور ایسی ٹریٹ مجھے دیتی رہنا کیونکہ مجھے بہت پسند آئی ہے تمہاری ٹریٹ شہلا گل سحر 8 جون آپ کا برتھ ڈے تھا تاخیر سے سچ بٹ پپی برتھ ڈے افشاں علی حروف بھیجی سے عیدوش کرنے کا انداز ہمیں بہت پسند آیا آپ کا آخر میں میری جانب سے میری پیاری سی صالحہ آپ کی نورین ملک اینڈ تمام ردا فرینڈ کو بہت عید مبارک اللہ تعالیٰ ردا کو بہت ترقی دے اس کے ساتھ ہی اپنی بہن رابعہ افضل خان کو اجازت دیں فی امان اللہ۔

گیتی آراء.....کراچی

پیاری آپ! اور ڈیر نورین اسلام علیکم! سب سے پہلے تو آپ کو اور ردا کے تمام قارئین کو عید کی مبارکباد کے ساتھ ساتھ عید نمبر کی کامیابی کی دلی مبارکباد اللہ کرے ہمارا ردا اسی طرح کامیابی کی منزل طے کرتا آگے بڑھتا رہے آمین! سب سے پہلے تو دو نازک اندام حسینائیں اپنی دلکش مسکراہٹ لئے دل میں اتر گئیں آگے چل کر عید نمبر کی فہرست پر نظر ڈالی تو دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا فہرست میں اپنا نام اور افسانہ دیکھ کر خوشی سے جھوم اٹھی آگے بڑھی تو آپ کی گوشہ آگہی کی باتیں دل میں اتر گئیں رداے جنت! ہمیشہ کی طرح ایمان کی شمع روشن کر گیا آگے بڑھی تو ایک بار پھر خوبصورت افسانے کی بنیاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی اور عید نمبر کا لطف دوبالا ہو گیا آگے بڑھے تو سہاس گل صاحبہ ”انوکھی عید“ کے ساتھ براجمان تھیں مفلسی اور غربت کی منہ بولتی تصویر کھینچ کر ہمیں دکھی کر

رواڈا تجسٹ 249 اگست 2016ء

رداڈا بجٹ 248 اگست 2016ء

گئیں لیکن آگے چل کر فریدہ فرید "میرا چاند" لکھی نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی، طنز و مزاح کا رنگ لے لے "میرا چاند" نے عید نمبر کا لطف دو بالا کر دیا، نظیر فاطمہ "عید نام ہے خوشی کا" مفلس اور نادار لوگوں کا درد اور احساس جگا گئی واقعی میں اصل خوشی اور سکون تو دوسروں میں خوشیاں بانٹنے میں ہے "مونا کی عیدی" ایک سبق آموز تحریر تھی "ماریہ یاسر کی" عید اب ملن کو آئی، نے آئیڈیل بنانے اور اس پر مرنے والی لڑکیوں کی آنکھیں ضرور کھول دی ہوں گی لائف بوائے شیمپو کی کہانی بھی اچھی رہی، شہلا گل سحر کی "عید محبت کے سائے تلے" روحان کا شوخ و چٹکل کردار اچھا لگا، مہرین کنول کی "عید سنگ ساجن" بھی اچھی رہی، سجدیہ اقبال کی "میتھی عید کا عہد" مختصر مگر دلچسپی تحریر تھی، رابعہ کی "عید ملن" ایک منفرد اور دلچسپ تحریر تھی، درپچہ محبت، نہ نب ملک ندیم خوبصورت انداز تحریر لے، منفرد تحریر اچھی لگی، اب بازی تھی "عید سروے" یعنی کہ عید نمبر کی جان عید سروے کی جس میں سب سے پہلے تو ہمیں اپنی شوخ چٹکل گڑیا افشاں علی کی کمی بہت محسوس ہوئی، بہر حال اب آتے ہیں "عید سروے کی طرف" شازیہ مصطفیٰ کا عیدی دینے کا انداز پسند آیا، نظیر فاطمہ کا چاند رات گھونسنے کا واقعہ بڑا دلچسپ تھا، پڑھ کر مزہ آیا اور خوشی بھی ہوئی کہ شکر آج کے دور میں ایسے ہار پرہہ با حجاب لوگ موجود ہیں، عیدی سے متعلق ان کے خیالات جان کر خوشی ہوئی، فریدہ فرید پردیس یعنی مدینہ منورہ اور مسجد نبوی ﷺ میں عید گزارنے کا پورا منظر آنکھوں میں چھین کر رکھ دیا تو ہمیں تو فریدہ کی قسمت پر رشک سا آنے لگا۔ میاں سے عیدی وصول کرنے کا شوخ انداز پسند آیا، ماریہ یاسر کی بچی اور کھری باتیں اچھی لگیں، ماریہ عمران کی عیدی کے بارے میں کھری اور سچی باتیں اچھی لگیں، سحر کی والدہ والا قصہ پڑھ کر تو ان کی والدہ سے ملنے کا اشتیاق ہونے لگا، قرۃ

العین سکندر کی عیدی والی بات پر کہ یہاں سسرال میں تو ہم عیدی کو ترس گئے اس بھولپن پر پیار بھی آیا اور ہنسی بھی، سباس گل آپ نے کیا خوب کہی کہ ہمارے لئے تو ہر وہ عید اچھی ہوتی ہے یادگار ہوتی ہے جس میں ہم سب گھر والے ایک ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں۔ ماورا بشارت تم نے یہ بات بہت اچھی کہی کہ اگر ہم اپنی عید میں سفید پوش لوگوں کو بھی شامل کر لیں یا یاد رکھیں تو ہماری عید کا مزہ دو بالا ہو جائے، ابقان علی کی شوخی حسب دستور اسے عروج پر رہی شہلا گل سحر کی بھی چٹ پٹی باتیں اچھی لگیں، ردا کی ڈائری کے سبھی انتخاب اچھے تھے۔ "خوشبو" اور "اس ماہ میں" ہمیشہ کی طرح لا جواب رہا۔ "ذرا پھر سے کہنا" میں سبھی نے خوب لکھا، خاص کر صغریٰ کوثر، ثناء کنول، فرزانه شوکت، سید ساجد اور خاص کر صالحہ آبی کی نسرین کے دکھ پر اداس کر گئی، سندیسے ہمیشہ کی طرح چٹ پٹے اور لا جواب رہے ساتھ صبا عبدالغنی، مصباح اور افشاں اتنا ڈھیر سارا پیار اور عزت افزائی کا بے حد شکر یہ۔ دوستوں کے نام میں افشاں علی کا پیغام واہ مزہ آگیا اور ساتھ ہی درخشاں ضیاء اسنے ڈھیر سارے پیار اور عزت افزائی کے لئے شکر یہ۔ صدا خوش رہو۔ مہندی کے ڈیزائن اور کچن سبھی لا جواب تھے اب اجازت دعا گو۔

عانیہ نیازی..... ربوہ
پیاری آپ! سو میٹ نورین اور ردا کی خوبصورت سی سب شہزادیوں کو میرا پیار بھرا سلام الفت قبول ہو اور اب آتے ہیں ردا کی خوبصورت محفل کی جانب سب سے پہلے آپ سب کو عید کا، ڈھیروں مبارکباد خدا کرے کہ ہم یونہی ردا کے سنگ اپنی عیدیں خوشیوں کے سنگ مناتے رہیں، آمین! اس بار عید کا ٹائٹل بہت خوبصورت اور عید کی مناسبت سے تھا جو کہ بے حد اچھا لگا، گوشہ آگہی میں آپ کی باتیں ہمیشہ کی طرح دل میں اتر گئیں اور ردائے جنت

رمضان کی برکتیں لئے ہوئے خوبصورتی سے سجا تھا، مکمل ناولز میں جیا قریشی، شازیہ مصطفیٰ نے کمال لکھا اور افسانوں میں تو میں حیران پریشان تھی کہ کس افسانے کو بیسٹ لکھوں کس کو نہ لکھوں ہر افسانہ انگلیشی میں جڑے لکھنے کی طرح خوبصورت منفرد اور عید کا حقیقی پیغام لئے تھا کہ عید صرف اپنے لئے خوشی کا نام نہیں بلکہ عید نام ہے دوسروں کے ساتھ خوشی منانے کا پھر وہ بات ہو انوکھی عید کی یا میرا چاند یا جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، ہر افسانہ اپنی جگہ کمال اور خوبصورت تھا سب رائٹرز کو میری طرف سے اتنی خوبصورت تحاریر کے لئے ڈھیروں مبارکباد اب بات ہو جائے ردا کے مستقل سلسلوں کی تو عید سروے ہمیشہ کی طرح سو پر اور کمال تھا، اور سب کے جوابات بھی مزے کے تھے ردا کی ڈائری، اشعار، خوشبو، اس ماہ میں، زبردست اور سچ کہوں تو اب سندیسے کی محفل کی رونقیں دیکھ کر تو دل اتنا خوش ہوتا ہے یوں لگتا ہے سب سے بالمشافہ ملاقات ہو رہی ہو اور سندیسے کی خوبصورت بات ایک دوسرے کو مان دیتا یا درکھنا اور سرانہا ہے جو کسی بھی رائٹر اور قاری کے لئے آکسیجن کا کام کرتا ہے اور پھر پیغام تو کیا کہنے پچھلے ماہ اگر فریدہ فرید نے سب کو عید پیغام بھیج کر ڈھیروں خون بڑھایا تھا تو اس ماہ افشاں علی نے سب کو یاد رکھ کر اور پیغام بھیج کر کمال کر دیا ہر ایک کا انداز اتنا خوبصورت اور بے مثال تھا خدا آپ سب کو یونہی ہنستا مسکراتا ارو شادو آباد رکھے اور یہ پیار و محبتوں کے سلسلے یونہی قائم دائم رہیں آمین۔

دھنک ناز..... کراچی
ڈیر آپ! سلام محبت اور تمام قاری اور رائٹرز بہنوں کو سلام و دعا، اس ماہ پورے کا پورا شمارہ بہترین تھا، ردائے جنت دل کو منور کر گیا، تاباں ہے چاند رات کزنز کی نوک جھومک لئے ایک مزے کی تحریر تھی، خوشبوؤں جیسا پیار، قبر و ش آپ کی تحریر ہو اور پیاری

اور رومانٹک نہ ہو بھلا ممکن ہے سو بہت اچھی لگی، عید نے دس خوشیاں اور تین شازیہ آپ کا اپنا منفرد انداز ہے جو ہمیں اپنا بنائے ہوئے ہے عید ہو تیرے سنگ عید اور زرد منوسم کے پتے دونوں ناولٹ کمال تھے اب بات ہو جائے افسانوں کی تو چھپ گیا چاند دھندلکے میں، انوکھی عید، میرا چاند، عید نام ہے خوشی کا، مونا کی عیدی، جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو، عید اب ملن کو آئی ہے، عید محبت کے سائے تلے، سبھی افسانے بہت اچھے مختصر و پر اثر تھے، ردا کے مستقل سلسلے تو ردا کی جان ہیں جو اس بار بھی عید کے تمام رنگ لئے دل میں اتر گئے اور ہماری عید کو یادگار بنا گئے، آخر میں ردا کی کامیابی و ترقی کی دعا کے ساتھ اجازت اللہ حافظ۔

حناء علی..... ملتان
سلام محبت اور زور قلم اور زیادہ ہو۔ ایمان، صحت، عافیت اور آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے اوپر سلامت رہے آمین، کیا بتاؤں ردا تو ہمیں کہیں ملتا ہی نہیں تبصرہ کی حسرت دل میں دبائے بیٹھی ہوں، بہت شوق ہے کہ آپ سے ایک بار آ مناسا منا ہو، شکر یہ ردا کے ذریعے ایک نئی پہچان دینے کے لئے اور اتنی پیاری بہنوں سے ملوانے کے لئے ورنہ کچھ نہ لکھوں تو خوشی کے باوجود روح بے چین رہتی ہے۔ میرے اندرونی سکون کے لئے بہت بہت شکر یہ۔ ٹائٹل اچھا تھا، اس کے بعد جب میں نے گوشہ آگہی پڑھا تو دل کو ٹھنڈک پہنچی، مکمل ناول بہت پسند آئے، ناولٹ بھی سارے بہت اچھے تھے ردا کی ڈائری، اشعار، اس ماہ میں، خوشبو، ذرا پھر سے کہنا، سندیسے، کچن سب بڑھ کر بہت اچھا لگا، سب کچھ بہت اچھا اور یونیک تھا اگرچہ میں لفظوں کا حق ادا کرنے میں طفل مکتب ہوں مگر آپ کی رہنمائی یا حوصلہ افزائی شاید مجھے ایک اچھا رائٹر بننے میں مدد کرے۔ اپنا خیال رکھئے گا۔ خدا حافظ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دوستوں کے نام کے پیغمبر

توبہ کے نام

یہ خبر سن کر فلک پر ہے عیاں عید کا چاند
دل کی شاخ پر کئی درد کے تارے چمکے
ہم نے دیکھا توافق پر تھا سمندر کا سکوت
ہاں تیرے ساتھ جو گزرے وہ نظارے چمکے
پھر نئی صبح کی آمد کا خیال آتے ہی
ہر رگ و پے میں امنگوں کے شرارے چمکے
دھڑکنوں نے یہ خبر دی ہے کہ دونوں جانب
دور ہی دور سے آنکھوں کے کنارے چمکے
وہ جو شاعر تیرا بیمار بھی دلیگر بھی ہے
عید کے دن تیری قسمت کے سہارے چمکے
ایم جے قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔

ہسپینڈ کے نام

میری زندگی میری جان رضوان جی کے نام
ہم بے جان چیزوں سے بھی وفا کرتے ہیں
رضوان تجھ میں تو پھر ہماری جان ہے
ریمانور رضوان۔ کراچی

کیوٹ اینڈ سویٹ سی صالحہ آپ کے لئے
ان کی سالگرہ کے موقع پر
یہ پل یہ ساعیت سعید مبارک
اے دوست تمہیں سالگرہ مبارک
ہر رات گزرے مسکراتی گنگنائی
ہر روشن دن کی امید مبارک
جہاں میں بکھری خوشبو مہکے آپ کے گھر
سب لوگ کہیں ہنس کر سالگرہ مبارک

رابعہ افضل خان۔ کراچی

عزیز لوگوں کے نام

مئی ڈارلنگ اینڈ پاپا ماہ اگست آپ کی شادی
اینیورسری ہے بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ
آپ کے پیارے بچل کو ہمیشہ قائم رکھے اور آپ
دونوں میں محبت بڑھائے۔ آپ کو اپنی اولاد کی
خوشیاں دیکھنا نصیب کرے اور آپ کو لمبی زندگی
عطا فرمائے۔ آمین

اور چھوٹے ننٹی کیوٹ سے نو روز
2 اگست تمہاری برتھ ڈے ہے پپی پپی برتھ ڈے
مائی سویٹ ہارٹ اللہ تمہیں لمبی کامیاب زندگی
نصیب فرمائے۔ آمین ہم سب کی طرف سے
سویٹ مئی پاپا کو پپی اپنی ورسری
اپنا خیال رکھیں۔ بائے بائے
سحر مبین۔ فیصل آباد

ردا کی دوستوں کے نام

افشاں علی کی دوستی تو صبا عبد الغنی کی محبت
تھنک یو سوچ میرے لئے خوشیاں لانے کے
لئے مجھے مسکرانے پر مجبور کرنے کے لئے آئی لویو
ابوری دن۔ میرے لئے اپنی محبت کا اظہار کرنا
مشکل ہے اسی لئے ہر نام کے نیچے لکھے شعر میں
آج اپنے دل کی بات کہتی ہوں شاید کہ آپ
سب سمجھ جائیں۔

افشاں علی کے لئے

تم کو دیکھوں یا پھر چاند دیکھوں
بات تو ایک ہی ہے اگر تم سمجھو
صبا عبد الغنی کے لئے

لفظوں کے ہیر پھیر مجھے نہیں آتے لیکن
دل سے تیرے دیدار کی چاہت نہ گئی
مہرین کنول کے لئے

کل رات میں نے اپنے دل سے تیرا رشتہ پوچھا
کم بخت کہتا ہے جتنا میں اس کا ہوں اتنا تیرا
بھی نہیں۔

حافظہ مون شاہ بخاری کے لئے

دن یوں بدلے کہ سب کچھ بدلتا چلا گیا ہم
جوان کی گفتگو کے رسیاتھے آواز تک کو ترس گئے
یہ شعر ان سب کے لئے۔ فریدہ فرید زابدہ
ہاشمی رابعہ افضل خان ملا لہ اسلم حورینہ سعد نائلہ
طارق قمر رش گیتی آراء ایقان علی روشنی فاطمہ
عائشہ انصاری تبسم فیاض عانیہ نیازی

”میری آرزو میری خواہش طلب تجھ سے ہے
میری روح زندگی بھی فقط تجھ سے ہے
تیرے سنگ رہنے کی آرزو شدید
میری خوشیوں کا نام فقط تم سے ہے“
ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھرا

السلام علیکم عید بہت خوبصورت اور اپنائیت

بھرا تہوار ہے اور یہ خوبصورت و اپنائیت سے بھرا
تہوار اپنوں کے بناء ادھورا لگتا ہے اس لئے ان
خوشیوں بھرے لمحوں میں ہم آپ سب کو دل کی
تمام تر محبت خلوص و چاہتوں کے گلدستے سے سچی
عید کی بہت بہت مبارک باد قبول ہو سب سے
پہلے صالحہ آپ ایڈ نورین ملک کو عید مبارک
سویٹ فریدہ فریدہ ہمیشہ خوش رہو آباد رہو عید
بہت بہت مبارک ہو پیاری افشاں علی یوں ہی
صدا ہنستی مسکراتی رہو عید بہت مبارک ہو ڈیر صبا
عبد الغنی خدا تمہارا دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرا
رہے عید مبارک کیوٹ ثناء کنول اللہ دتہ میری
دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے دامن میں اتنی خوشیوں
بھر دے کہ ان خوشیوں کو سمیٹتے تمہارا دامن تنگ پڑ
جائے عید بہت بہت مبارک ہو۔ پیاری شہلا
گل سحر اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے عید
مبارک کیوٹ درخشاں ضیاء یونہی ہنستی کھلکھلائی
رہیں اللہ آپ پر اپنی خاص رحمت رکھے عید
مبارک سویٹ حافظہ مون شاہ یو آرسو سویٹ عید
مبارک ڈیر سحر مبین ہمیشہ خوش رہو عید مبارک
ڈیر سباس گل سیدہ امبر ہاشمی سعدیہ عابدہ ایقان
علی ایمان علی دھنک ناز شمیمہ فیاض حمیرا عروش
زابدہ ہاشمی ریمیل آرزو شازیہ مصطفیٰ نائلہ طارق
فرح ناز ملا لہ اسلم مصباح مسکان اور باقی جو نام
رہ گئے معذرت کے ساتھ سب کو دلی عید مبارک
قبول ہو اس کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

رابعہ افضل خان۔ کراچی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابرار	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مستنصر حسین
رضیہ بٹ	رخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	ام مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابن صفی،
جاسوسی دنیا از ابن صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

سنگھار

ماہرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی انسان کی جلد محل طور پر خشک، نارمل یا چمکنی نہیں ہوتی بلکہ نوے فیصد افراد کی جلد ملی جلی کیفیات کی حامل ہوتی ہے۔ جلد کی اقسام پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔

خشک جلد:

یہ جلد ہا آسانی پچھائی جاتی ہے۔ اس جلد کا اوپری حصہ باریک اور عموماً گلابی رنگت کا ہوتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اکثر خشکی کی تہہ صاف نظر آتی ہے۔ اس قسم کی جلد پر جھریاں جلد پڑ جاتی ہیں۔

حفاظت:

خشک جلد کی حفاظت کے لیے مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔

رات کو سونے سے پہلے کسی ہلکے صابن اور پانی سے منہ دھوئیں۔ Deep Porecleancng کریم سے جلد کی صفائی کریں۔ چہرے اور گردن پر اچھی کریم Skin لگائیں اور بیس منٹ تک رہنے دیں۔ پھر نشوونما یا روئی سے صاف کریں۔ رات کو بھی ہلکا سا اسکن ٹانک لگائیں۔ زیادہ سے زیادہ پانی استعمال کر کے جسم کو موچر اثر رہیا کریں۔

نارمل جلد:

نارمل جلد بہت صاف ستھری اور ملائم ہوتی ہے اور یہ جلد صنعتی ملکوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس پر جھریاں دیر تک نہیں پڑتیں۔ اس کا رنگ گلابی کے بجائے Creamy ہوتا ہے۔ ماہرین کے مطابق

جلد خوب صورتی اور جاہلیت کے لیے میک اپ کے ساتھ ساتھ آپ کی جلد کا تروتازہ اور صحت مند ہونا بھی ضروری ہے اور جلد کی حفاظت اسی طرح کی جانی چاہیے جس طرح کہ ہم اپنی خوب صورتی کے لیے چہرے کی حفاظت کرتے ہیں۔ کیوں کہ خوب صورت جلد اس وقت تک اپنی خوب صورتی برقرار رکھ سکتی ہے جب تک اس کی حفاظت نہ کی جائے کیوں کہ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد کا رنگ روپ بھی بدلتا رہتا ہے۔ موسم صحت اور ڈائٹنگ ایسے عوامل ہیں جو جلد پر نمایاں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ڈائٹنگ سے جلد کا کھنچاؤ اور تازگی متاثر ہوتی ہے۔ اگر نو جوانی کے دور میں ہی جلد کی حفاظت کے لیے تدابیر اختیار کر لی جائیں تو بڑی عمر میں چہرے پر جھانپاں وغیرہ بڑھنے سے محفوظ رہا جاسکتا ہے۔ ہماری جلد تین تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی تہہ وہ ہے جو ہمیں نظر آتی ہے۔ یعنی سب سے اوپر والی تہہ اور دوسری تیسری تہیں پہلی تہہ کے نیچے ہوتی ہیں۔ جو ہمیں نظر نہیں آتیں۔ پہلی تہہ بدلتی رہتی ہے اور اس کے مردہ خلیات کی جگہ نئے خلیات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جب کہ دوسری اور تیسری تہہ کا تعلق خون کی رگوں بالوں کی جڑوں اور غدود سے ہوتا ہے۔ پیدائش کے وقت انسان کی جلد کو مکمل جلد کہا جاتا ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ جلد نشوونما پاتی رہتی ہے۔ جلد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

- 1- خشک جلد۔ 2- نارمل جلد۔ 3- چمکنی جلد۔ 4- ملی جلی جلد۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

نمک : آدھا چائے کا چمچ
دارچینی (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچ
اخروٹ (باریک کئے ہوئے) : پون کپ
کریم چیز : ایک پاؤ
آکنگ شوگر : پون کپ
ترکیب : باؤل میں گاجریں اور براؤن شوگر ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دوسرے باؤل میں انڈے پھیٹ لیں اس دوران آئل اور وینلا ایکسٹریکٹ بھی آہستہ آہستہ شامل کرتے جائیں۔ پھر اس میں میدہ، بیکنگ سوڈا، نمک اور دارچینی اور آخر میں آدھے اخروٹ اور گاجریں بھی شامل کر دیں۔ یہ آمیزہ بیکنگ ڈش میں ڈالیں اور 350 ڈگری فارن ہائیٹ پر پہلے سے گرم کردہ اوون میں 50 منٹ تک بیک کریں اور ٹھنڈا کر لیں۔ ایک پین میں چینی ڈال کر پکائیں۔ جب چینی پکھلنے لگے تو اس میں بقیہ اخروٹ ڈال کر مکس کریں۔ اس آمیزے کو بیکنگ پیپر میں رول کر کے کچھ دیر تک فریزر میں رکھ دیں۔ باؤل میں کریم چیز، آکنگ شوگر اور ادک پاؤ ڈال کر مکس کریں اور کیک کے اوپر پھیلا دیں۔ اس کے اوپر جما ہوا چینی اور اخروٹ والا آمیزہ لگائیں اور پیش کریں۔

گواڈاڈیلا سٹ

اجزاء :
امردود : چار عدد (کاٹ لیں)
سیب : دو عدد (کاٹ لیں)
چینی : چار کھانے کے چمچ
کالا نمک : آدھا چائے کا چمچ
برف : حسب ضرورت
پانی : حسب ضرورت
ترکیب : برف کے علاوہ تمام اجزاء بلیئنڈ کر لیں۔ برف ڈال کر مزید بلیئنڈ کریں۔ سرونگ گلاس میں ڈال کر پیش کریں۔

☆

دیجی ٹیل چاؤ من

اجزاء :
نوڈلز (اگلے ہوئے) : آدھا کپ
پیاز (کٹا ہوا) : ایک عدد
ہری پیاز (کٹی ہوئی) : ایک پاؤ
نمک : حسب ذائقہ
کالی مرچ : آدھا چائے کا چمچ
اولیٹر ساس : دو کھانے کے چمچ
دوسٹر ساس : حسب ضرورت
شملہ مرچ (کٹی) : ایک عدد
بند گوشت (کٹی ہوئی) : آدھا کپ
گاجر (کٹا ہوا) : ایک عدد
سیاہ زیتون : بنات عدد
تیل : تین کھانے کے چمچ
ترکیب : گرم تیل میں اگلے ہوئے نوڈلز ڈال کر کچھ دیر پکائیں پھر اس میں پیاز، شملہ مرچ، گاجر، ہری پیاز، ٹماٹر، سیاہ زیتون اور بند گوشت بھی شامل کر کے چند منٹ پکائیں۔ سبزیاں نرم ہو جائیں تو نمک، کالی مرچ، دوسٹر ساس اور اولیٹر ساس شامل کر دیں۔ سبزیاں گل جائیں تو ڈش میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

چیکی کیرٹ کیک

اجزاء :
گاجریں (کش کی ہوئی) : تین کپ
براؤن شوگر : آدھا کپ
چینی : پون کپ
انڈے : دو عدد
دیجی ٹیل آئل : آدھا کپ
وینلا ایکسٹریکٹ : ایک چائے کا چمچ
ادک پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچ
میدہ : ڈیڑھ کپ
بیکنگ سوڈا : آدھا چائے کا چمچ

cleansing کریم کی مدد سے چہرہ صاف کریں اور ٹھوڑی پر خاص توجہ دیں۔ گردن اور چہرے پر کوئی اچھا سا لوشن لگائیں۔ بنریاں اور سلا درو کھا گوشت اور پھلی کھائیں اور پانی زیادہ پیئیں اور مرغن غذاؤں سے اجتناب کریں۔ خشک میک اپ استعمال کریں۔ اپنی چکنی جلد کو بدلنے کے لیے کوئی ایسا طریقہ یا غذا مت استعمال کریں جس سے جلد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔ چکنی جلد ہی سب سے بہتر جلد سمجھی جاتی ہے۔

ملی جلی جلد:

ملی جلی جلد، چکنی اور خشک جلد کا مرکب ہوتی ہے۔ اس میں پیشانی اور ٹھوڑی تک چکناہٹ پھیلی ہوتی ہے۔ جب کہ باقی جگہ خشک ہوتی ہے۔

حفاظت:

سوئے سے پہلے روزانہ ہلکے صابن اور پانی سے دھوئیں۔ **Cleansing cream** سے صفائی کریں۔ خشک حصے اور گردن پر اسکن فوئل لگائیں۔ آنکھوں کے ارد گرد کے حصے پر زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ بیس منٹ کے بعد ٹشو پیپر یا روٹی سے صاف کریں۔ پورے چہرے پر اسکن ٹانک لگائیں۔ انسانی جلد پچیس برس کی عمر تک صحت مند اور تازہ رہتی ہے اور عموماً اس عمر کے بعد تیزی کا شکار ہونے لگتی ہے۔ انسان کو جلد کے متعلق کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً جلد میں نمی کے تناسب کا کم ہونا جس سے جلد پر لکیریں وغیرہ ابھرنا شروع ہو جاتی ہیں۔ جلد کی ساخت کو تبدیل کرنے سے بھی یہ کئی طرح کے مسائل کا شکار ہو سکتی ہے۔ جلد کو کسی بھی لوشن یا مو سچر ائزر سے تبدیل کرنا ممکن نہیں ہے۔ واحد غذا ایسی چیز ہے جو ہماری جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ متوازن غذا کا اثر جلد پر بھی بہت اچھا پڑتا ہے۔ جب کہ ڈائٹنگ کرنے سے جلد مرجھا جاتی ہے اور پڑ مردہ محسوس ہونے لگتی ہے۔

☆.....

نارمل جلد صرف بچوں کی ہوتی ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کی جلد یا تو خشک یا پھر چکنی ہوتی ہے۔ بہر حال بڑی عمر کے لوگوں میں نارمل جلد پائی جاتی ہے۔

حفاظت:

نارمل جلد رکھنے والے سوچتے ہیں کہ ان کی جلد بغیر حفاظت اور احتیاط کے بھی خوب صورت اور دلکش رہے گی۔ ایسا سوچنا غلط فہمی ہے۔ ایسے اشخاص کو چاہیے کہ وہ مندرجہ ذیل باتوں پر عمل کریں۔ اپنا چہرہ عمدہ صابن اور تازہ پانی سے دھوئیں۔ کسی **Clean** کریم سے جلد صاف کریں۔ کوئی ہلکا سا اسکن ٹانک روٹی کی مدد سے لگائیں۔ چہرے کو موسم کے اثرات سے بچانے کے لیے ممکنہ حد تک صابن کر رہیں۔ خاص طور پر دھوپ سے بچائیں تاکہ جلد پر دھوپ کے اثرات نہ پڑ سکیں۔

چکنی جلد:

چکنی جلد بہت جلد میلی ہو جاتی ہے اور چہرے پر چکناہٹ صاف نظر آتی ہے۔ ناک سے نتھنے، گردن، آنکھوں کے نیچے اور ٹھوڑی پر چکناہٹ نظر آتی ہے۔ جن خواتین کی جلد چکنی ہوتی ہے اس پر چمک نمودار ہو جاتی ہے۔ ایسی جلد کے مسامات نارمل اور خشک جلد کی نسبت زیادہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ عام طور پر سیاہ تل اور مہاسے نکلتے رہتے ہیں۔ چکنی جلد والی خواتین اپنی جلد کو خشک جلد میں بھی تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ تاکہ جلدی بیماریوں سے نجات مل سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ چکنی جلد دوسری جلدوں کے مقابلے میں زیادہ توانا اور زیادہ عرصہ تک تروتازہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حفاظت:

چکنی جلد رکھنے والی خواتین کو درج ذیل باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ پورے چہرے پر **Skin Tonic** لگائیں۔ **Deepore**